بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف یا روحانیت

حصّہ دوُم

مرتب

الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف یا روحانیت

(حصہ دوم)

مرتب:
الفقیر اِلی اللہ تعالیٰ
بلقیس اظہر
جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	دل کے عجائبات	3
2	طریقت کیا ہے؟	12
3	طریقت کے اسباق	13
4	ذریعہ یا وسیلہ	21
5	طالب ومطلوب	24
	☆ محبت رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبت باری تعالی جل جلالہٗ	24
6	مرشد ومرید (استاد اور شاگرد)	29
7	اولیاءاللہ رحمۃ اللہ علیہ	32
8	اولیاءاللہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عبادت	38
9	ولایت کا حصول	41
10	ولایت، اور کرامت	43
11	اولیاءاللہ اور عام بندے میں فرق	46
12	لطائف کیا ہیں؟ لطیفہ سے کیا مراد ہے؟	51
13	سلوک میں لطائف کے بعد مراقبہ	58
14	مراقبہ، محاسبہ اور مجاہدہ	62
15	علم ظاہر اور علم باطن	68
16	وجد وتواجد	69
	☆ صحابہ کرامؓ اور اولیا کرامؒ کے قول وعمل سے وجد کے ثبوت	70
17	فنا اور بقا	71
18	فکر وعبرت (فکر کیا ہے؟)	73
19	عالم امر اور عالم خلق	77
20	دائرہ امکان	78
21	عمل اکسیر	83
22	رجال الغیب	85
23	نسل نو کو روحانی اسلام کی طرف کیسے راغب کیا جائے؟	94
24	"جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے" (حضرت بایزید بسطامیؒ)	102
25	بارگاہ رسالت سے فیض اور مرشد کا سایہ	106

دل کے عجائبات

قلب، روح اور نفس سے مراد:

1۔قلب:

لفظ قلب کے دو معنی ہیں اول گوشت کا وہ ٹکڑا جو سینے کے بائیں جانب ہے اس کے بیچ میں خلا ہے، اس میں خون رہتا ہے۔اس سے حکیموں کو غرض ہوتی ہے، یہاں اس قلب کی ضرورت نہیں ہے یعنی دین کی اس سے غرض نہیں-اس قسم کا دل جانوروں میں بھی ہوتا ہے بلکہ مردوں میں بھی پایا جاتا ہے-اس لئے یہ تو گوشت کا ایک بے قدر ٹکڑا ہے-

لطیفہ قلب: یہ ایک لطیفہ روحانی ہے، یہ نوری قلب ہے- راہ سلوک یا تصوف میں پہلا قدم جب باطن کی طرف اٹھاتے ہیں تو وہ لطیفہ قلب سے سفر کا آغاز کرتے ہیں-لطیفہ قلب کا پوائنٹ بائیں جانب پُستان سے دو انگلیاں نیچے بائیں طرف کا ایریا ہے۔لطیفہ قلب وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کا نور ہمارے اندر داخل ہوتا ہے۔اس کو قلب نوری بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارے جسم کے اوپر پوائنٹ نہیں ہے بلکہ ہماری روح کے اوپر پوائنٹ ہے۔ یہ جو ہمارے جسم میں خون کا لوتھڑا خون کو پمپ کرتا ہے یہ پوائنٹ اس کے قریب ہوتا ہے-اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کو لطیفہ قلب یا قلب نوری کا نام دیتے ہیں-قلب نوری پر جب نور اور تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو قلب عام (جو خون بنا رہا ہوتا ہے) پر بھی اس نور کا اثر ہوتا ہے اور پھر وہ نوری خون جسم کے تمام حصوں میں جا رہا ہوتا ہے۔

2۔روح:

لفظ روح کے بھی دو معنی ہیں ایک یہ کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع قلب جسمانی کا خلا ہے اور وہاں سے بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتی ہے اور اس کا بدن میں پھیلنا اور حواس خمسہ کا اعضا کو دینا ایسا ہے جیسا کہ ایک چراغ کسی گھر میں رکھ دیا جائے اور گھر کے اندر اور چاروں طرف روشنی ہو جائے۔ پس روح بمنزلہ چراغ کے اور حیات بمنزلہ نور کے، یہ معنی روح کے اطباء (حکیموں) کی اصطلاح میں ہیں جو بدن کا علاج کرتے ہیں-

جبکہ اطباء دین جو نوری قلب کے معالج ہیں اس لیے ہوتے ہیں کہ انسان کو رب العالمین تک پہنچا دیں- وہ اس روح سے ذرا بھی بحث نہیں کرتے بلکہ ان کی غرض دوسرے معنی سے ہے-دوسرا مطلب لطیفہ روح ہے۔

لطیفہ روح قلب کی مخالفت میں پستان سے دو انگلیاں نیچے اور انتہائی دائیں طرف واقع ہے یہ بھی ایک لطیفہ روحانی ہے یہ ایک عجیب ربانی شے ہے جس کے ادراک میں اکثر عقل وفہم عاجز ہیں۔

عالم جبروت میں روح کا مقام ہے اس مقام پر بڑی خاص الخاص ارواح ہوتی ہیں- ان کو عالم جبروت میں اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ ان روحوں کے اللہ تعالی کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں۔

3۔نفس:

نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے وہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے۔خواہش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی اس اختلاف کی بنا پر نفس کی مختلف حالتیں ہیں۔مثلاً چونکہ اکثر برائی اور فوری لذت کی خواہش کرتا ہے جب یہ بری خواہش یا لذت پوری کر بیٹھے تو وہ نفس امارہ کا مالک ہو جاتا ہے اسی صورت کو ہوائے نفس کہتے ہیں اور اگر وہ کسی برائی کی خواہش کرے اور پھر ندامت بھی محسوس کرے اور اپنی پرانی برائیوں پر بھی ندامت محسوس کرے تو یہ نفس اب نفس لوامہ کہلاتا ہے۔اس نفس لوامہ کا مزید تزکیہ کرتے رہنے سے نفس الہامہ بن جاتا ہے اور جب قوت اکثر نیکی اور بھلائی کی خواہش کرنے لگے تو اسے نفس مطمئینہ کہتے ہیں-

اس لطیفہ نفس کی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ سالک اس قوت کو اللہ کے ذکر کے ذریعے اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ اکثر خیر کی خواہش پیدا ہونے لگے۔

نفس چونکہ ایک زبردست قوت کا نام ہے اس لیے نفس کو مارنا نہیں ہے بلکہ نفس کو سدھارنا، سنوارنا اور ٹھیک راہ پر لانا ہے یعنی اس سے کام لینا ہے مگر صحیح کام۔اگر نفس مر گیا تو گویا وہ قوت ہی ختم ہوگئی جو خواہش کرتی تھی، خواہ وہ خواہش خیر ہو یا خواہش شر پھر زندگی کیا زندگی رہ گئی؟

دل کے باطنی خدام

قلب کے دو خادم غضب اور شہوت ہیں۔ یہ دونوں جب فرمابرداری بدرجہ اتم کرتے ہیں تو قلب کو راہ سلوک میں ان سے مدد ملتی ہے بلکہ انسان ان دونوں کو

اپنے سفر الی اللہ کے لیے اچھا رفیق سمجھتا ہے۔ اور کبھی یہ دونوں اس سے نافرمانی کر کے اس سے باغی ہو جاتے ہیں تو یہ نوبت پہنچتی ہے کہ اس کو غلام بنا لیتے ہیں اور اس کی بربادی کا سبب بن جاتے ہیں اور جس سفر سے اس کو سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے اس سے باز رہتا ہے۔ **مگر قلب کے مددگار اور بھی ہیں جن کو علم، حکمت اور تفکر کہتے ہیں۔**

پس ایسے نازک وقت میں قلب کو مناسب ہے کہ ان مددگاروں سے جو اللہ کے گروہ کہلاتے ہیں ان دونوں خادموں کے مقابلے کے لیے مدد مانگے۔ (یعنی غضب اور شہوت کے مقابلے کیلئے) اس لیے کہ یہ دونوں کبھی شیطان کی جماعت کے ساتھ مل جاتے ہیں اور قلب کو دباتے ہیں پس اگر قلب کی مدد نہ کی اور غضب اور شہوت کا مطیع ہو گیا تب بھی ہلاکت ہی ہلاکت ہے اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں اپنی شہوات کو پورا کرنے کے لیے بیسیوں حیلے ڈھونڈتی ہیں اور مناسب یہ ہے کہ عقل کی ضروریات میں شہوت اسی کی مطیع رہتی ہے۔ سمجھانے کے لیے مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثال اول:

فرض کرو کہ نفس انسان بادشاہ ہے اور انسانی بدن اس کا شہر یا سلطنت، عقل اس کا وزیر خیر خواہ یا تدبیر اور قویٰ اس کا کارکن اور عملہ اور غضب اس شہر کا کوتوال اور شہوت اس کا غلام بدسرشت جو اس شہر میں کھانا وغیرہ لاتا ہے اور بڑا مکار، جھوٹا، فریبی اور پلید ہے۔ یہ بظاہر خیر خواہی کرتا ہے مگر اس کی خیر خواہی سراسر فساد اور زہر قاتل ہے اور اس کی یہ عادت ہے کہ وزیر با تدبیر (عقل) کے ساتھ ہر وقت نزع میں رہتا ہے پس ایسی صورت میں اگر بادشاہ (نفس) اپنے اُمورِ سلطنت میں وزیر (عقل) کے مشوروں پر چلے گا اور اس غلام پلید (شہوت) کے کہنے سے روگرداں رہے گا۔ اور یہ بات ٹھان لے گا کہ اس کے خلاف ہی میں بہتری ہے اور اپنے وزیر کی خاطر داری سے کوتوال کو بھی تادیب کرے گا اور وزیر کی طرف ہو کر اس کو اس غلام خبیث اور اس کے تابعین پر ملامت فرمائے گا تا کہ غلام مذکور اپنے درجے سے بڑھنے نہ پائے مغلوب اور محکوم بنا رہے۔ زیادہ منہ نہ لگے، تو ظاہر ہے کہ بادشاہی انتظام بہت درستی اور عدل کے ساتھ ہوگا۔ اس کے سب قویٰ درجہ اعتدال پر رہیں گے اور اس کے اخلاق سب بہتر ہوں گے اور اگر اس طریقہ کے خلاف کرے گا تو ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے لیے ارشاد ہوا:

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ (سورۃ الاعراف 176 : 7)

ترجمہ: ''اور چلا اپنے (ہوائے نفس، شہوت) پر تو اس کا حال جیسے کتا کہ تو اس پر وزن لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے''

اور جو شخص کہ نفس کو شہوت سے روکتا ہے اس کے لیے فرمایا: (سورۃ النازعات۔ آیت نمبر 41-40)

ترجمہ ''اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے، روکا اپنے آپ کو شہوت سے تو بہشت ہی ہے ٹھکانا اس کا۔''

دوسری مثال

عقل کو ایک سوار سمجھنا چاہیے جس کا ارادہ شکار کا ہے، شہوات کو اس کا گھوڑا، غضب کو اس کا کتا خیال کرنا چاہیے پس اگر سوار ماہر ہوگا اور گھوڑا سدھا یا ہوا اور کتا پڑھایا ہوا تو بے شک اپنے مقصود کو پہنچے گا اور اگر سوار بذات خود فن سواری سے جاہل ہوگا، گھوڑا سرکش، کتا دیوانہ تو نہ گھوڑا اس کا کہنا مانے گا اور نہ کتا اشارے پر چلے گا پس ایسے شخص کو شکار کا ملنا تو درکنار اپنی جان ہی بچانی دشوار ہوگی اس مثال میں سوار کو سواری نہ آنے کی مثال انسان کی جہالت، قلب، حکمت اور کمی بصیرت کی ہے اور گھوڑے کی سرکشی مثل غلبہ شہوت کے خصوصاً شہوت شکم، اور شرم گاہ اور کتے کی دیوانگی مثل غلبہ غضب کے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے ہمیں ان بیماریوں سے بچائے (آمین)

واضح رہے کہ جس قدر چیزیں اعضائے حواس کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو بھی دی ہیں مثلاً شہوت اور غضب اور حواس ظاہری اور باطنی سب حیوانوں کو بھی حاصل ہیں دیکھیے جب بکری بھیڑیئے کو آنکھ سے دیکھتی ہے تو اس کی عداوت دل سے معلوم کر کے فوراً بھاگتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوانات میں بھی ادراک باطنی ہوتا ہے۔

پس اب وہ چیز بیان کی جاتی ہے جو خالص انسان میں پائی جاتی ہے جس کے باعث اس کو شرف اور تقرب الی اللہ حاصل ہوا اور وہ دو باتیں (1) ارادہ علم (2) علم۔

ارادہ سے یہ غرض ہے کہ جب انسان عقل سے انجام کار کو سوچتا ہے اور اس میں بہتری معلوم ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں ایک شوق اس بہتری کا اور اس کے لوازم کو حاصل کرنے کا پیدا ہوتا ہے تو اس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ ارادہ وہ نہیں جو ارادہ شہوات یا ارادہ حیوانات کا ہوتا ہے بلکہ ارادہ شہوت کے ارادہ کی ضد ہے۔ **پس جس شخص نے اپنے تمام اعضاء اور قویٰ سے اس طرح کام کیا کہ علم و عمل میں لگا رہا تو ایسا شخص مشابہ فرشتوں کے ہے اور انسانوں میں رہنے کا سزاوار ہے اور اگر اس کو ملک ربانی کہا جائے تو بجا ہے اور جس شخص نے ہمت اپنی لذت بدنی کی طرف کی اور چوپایوں کی طرح رہنے لگا تو وہ درجہ بہائم میں داخل ہوا یا حریص مثل سور کے یا گرانے والا مثل کتے، بلی کے یا کینہ پرور مثل اونٹ کے یا متکبر مثل چیتے کے یا مکار مثل لومڑی کے بن جائے گا اور اگر ان سب باتوں کا جامع ہوگا تو**

پورا شیطان رجیم ہوگا۔

یادرکھیں! آدمی میں کوئی عضو یا حاسہ ایسا نہیں کہ جس سے وصول الی اللہ کی طرف مدد نہ مل سکے۔

حضرت کعب بن احبارؓ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا کہ ''میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے عرض کیا'' کہ انسان میں آنکھیں تو راہبر ہیں اور کان محافظ، زبان ترجمان، اور ہاتھ دو طرف لشکر کے، پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے۔ پس جب بادشاہ اچھا ہوگا تو اس کے توابع اچھے ہوں گے۔''

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''زمین میں خدا کے برتن قلوب ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہ ہے جو نرم، صاف اور دین میں سخت ہو۔ پھر فرمایا اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم، یقین میں صاف اور دین میں سخت ہو''۔

جب گناہوں کی کثرت سے دل پر مہر ہو جاتی ہے تو وہ ادراک حق اور دوستی دین سے اندھا ہو جاتا ہے اور امر آخرت کو ہلکا جاننے لگتا ہے اور دنیا کا کام بڑا سمجھتا ہے اسی میں کوشش کرتا ہے اور جب آخرت کا احوال سنتا ہے تو ایک کان سے سن کو دوسرے کان سے نکال ڈالتا ہے یہ ذکر اسکے دل میں قیام نہیں کرتا اور تدارک اور توبہ کی طرف رغبت نہیں دلاتا۔

اللہ جل شانہ کی اطاعت اور شہوات کی مخالفت سے دل کو جلا (روشنی) ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ پس جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کے بعد نیک کام کرتا ہے اور پہلا اثر مٹانا چاہتا ہے تو اگرچہ سیاہی دور ہو جاتی ہے مگر نور میں نقصان جب بھی رہتا ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ جلاءِ قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر تقویٰ والے ہی کرتے ہیں **پس معلوم ہوا کہ تقویٰ ذکر کا پھاٹک ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے اور کشف نُورِ اکبر یعنی دیدارِ الٰہی کا دروازہ ہے۔**

منقول ہے آنحضرت خاتم النبیین ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ ''یا حضرت! خدا تعالیٰ کہاں ہے، زمین میں یا آسمان پر؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اپنے ایمان والے بندوں کے دل میں ہے''اور حدیث قدسی میں ارشاد ہے''نہ میری گنجائش زمین میں ہے نہ آسمان میں، میری گنجائش میرے مومن بندے کے دل میں ہے''۔ (بحارالانوار، جلد ۵۸، صفحہ ۳۹)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے دل نے خدا کو جب دیکھا تو تقویٰ کے باعث حجاب دور ہو گیا اور جس شخص کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان حجاب اٹھ جاتا ہے تو اس کی ایسی جنت پر نظر پڑتی ہے جو آسمانوں اور زمین کے برابر ہوتی ہے اور سب کی سب جنت تو آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سماسکتیں۔ پس جو تفکر نہ کرے اور عقل کو بالائے طاق رکھے وہ جاہل ہے۔ اس طرح جو صرف عقل ہی پر اکتفا کرے اور انوار قرآنی اور حدیث شریف کی طرف ملتفت نہ ہو وہ مغرور ہے۔ طالب کو چاہیے کہ دونوں اصولوں کا جامع ہو، کیونکہ **علوم عقلیہ مثل غذا کے ہیں** علوم شرعیہ مثل دوا کے، بیمار شخص کو اگر دوا نہ ملے گی تو صرف غذا سے البتہ تکلیف ہوگی اسی طرح قلوب کی بیماری کا علاج انہی معجونوں سے ہوسکتا ہے جو شریعت کے شفاخانہ سے ملتی ہیں یعنی وظائف، عبادات اور اعمال جن کو اصلاح قلوب کے لیے حکما روحانی انبیاء علیہم نے ترتیب دیا ہے۔ پس جو شخص اپنے دل کا علاج عبادت شرعیہ سے نہ کرے تو اس کو ضرر ضرور ہوگا جیسا کہ اس بیمار کو ہوتا ہے جو دوا نہ کھائے اور غذا کھاتا رہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ، علوم شرعیہ کے خلاف ہیں۔ دونوں کا جامع ہونا ممکن نہیں تو یہ بات ان کی لاعلمی سے ہے وہ لوگ نور بصیرت سے عاری ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نزدیک بعض علوم شرعیہ بھی ایک دوسرے کے مخالف ہونے لگتے ہیں اور ان کے جمع کرنے سے عاجز ہو کر یہ گمان کرتے ہیں کہ اس دین میں نقص ہے اور حیران ہو کر دین سے ایسے نکلتے ہیں جیسے بال آٹے میں سے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اندھا آدمی کسی کے گھر میں جائے اور اتفاقاً اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جائے، لوگوں سے کہنے لگے کہ عجیب آدمی ہیں کہ برتن راہ میں چھوڑ دیتے ہیں ان کو جگہ پر نہیں رکھتے۔ <u>یعنی اپنے آپ کو سوجھے نہ اور دوسروں کا قصور بتلایا جائے</u>، یہی نسبت علوم دینیہ کی طرف علوم عقلیہ کی ہے، پھر علوم عقلی کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ دنیاوی جیسے علوم طب، حساب، ہندسہ اور نجوم وغیرہ

2۔ اخروی مثلاً علم احوال قلب اور آفات اعمال اور علم اللہ تعالیٰ

یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

اس لیے حضرت علیؓ نے دنیا اور آخرت کی تین مثالیں فرمائیں ہیں۔ ایک میں فرمایا کہ ''دونوں مثل دو پلہ ترازو کے ہیں اور دوسرے میں ارشاد فرمایا کہ مثل

مشرق اور مغرب کے اور تیسری میں فرمایا کہ دونوں مثل دوستوں (سوکنوں) کے ہے کہ اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض اور یہی سبب ہے کہ جولوگ علوم دنیا میں خوب ہوشیار ہوتے ہیں وہ علوم آخرت سے جاہل ہوتے ہیں اور جن لوگوں کو علوم آخرت پر عبور ہوتا ہے وہ اکثر علوم دنیا کو نہیں جانتے کیونکہ قوت عقلی اکثر لوگوں کی دونوں باتوں کے جمع کرنے کو وفا نہیں کرتی جب ایک میں کمال پیدا ہوتا ہے تو دوسری باتوں میں کمال نہیں ہوسکتا۔ حاصل یہ ہے کہ اُمور دنیا اور دین میں کمال بصیرت انہی لوگوں کو حاصل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے تدبیر معاش اور موادِ آخرت دونوں عنایت فرمائے ہیں اور وہ انبیاء ہیں جن کو قوت الٰہی سے تائید ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کے دلوں میں سب امور کی گنجائش میں دقت نہیں ہوتی مگر لوگوں کے قلوب اگر دنیا میں پکے ہوں گے تو آخرت کے کمال سے قاصر رہیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ **قلب کے دو دروازے ہیں، ایک عالم ملکوت اور لوح محفوظ کی طرف ہے دوسرا حواس خمسہ کی جانب ہے۔ عالم ملکوت کا دروازہ اس شخص کے لیے کھلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں مستغرق رہے۔ ذکر اللہ کو یاد کرنا ہے، کسی طرح سے بھی ہو۔**

اس بیان سے فرق علوم اولیآء اور انبیاء اور علوم علماء اور حکماء کا ظاہر ہوا۔ وہ یہ کہ علم اولیاء اور انبیاء کا تو اس دروازے سے ہوتا ہے جو عالم ملکوت کی طرف کھلا ہوا ہے اور علم وحکمت وغیرا ابواب جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ عالم ظاہری کی طرف مفتوح ہیں۔

بہرصورت علم قلب کو کسی بھی طرح حاصل ہو قلب مومن کا فنا نہیں ہوتا اور نہ اس قلب کا علم موت کے بعد جاتا رہتا ہے نہ وفائے قلب میں کچھ کدورت آتی ہے جیسا کہ حسن بصریؒ نے فرمایا "خاک محل ایمان کو نہیں کھاتی" بلکہ وسیلہ تقرب الی اللہ ہوتی ہے اور نفس علم دل میں آتا ہے۔ سعادت ابدی بغیر علم اور معرفت کے کسی کو نہیں مل سکتی اور اس سعادت میں بھی بعض لوگ بعض سے افضل ہوتے ہیں۔ **اب دیکھنا یہ ہے کہ معرفت کیا ہے؟**

معرفت وہ نور ہے جس سے ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی طرف چلیں گے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے"۔ حدیث شریف میں وارد ہے بعضوں کو نور مثل پہاڑ کے عنایت ہوگا اور بعضوں کو اس سے کم یہاں تک کہ سب سے پچھلا وہ شخص ہوگا کہ اس کو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہوگا اور وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہوجائے گا۔ چمکنے کی حالت میں تو وہ قدم آگے تو بڑھا دے گا اور گل ہونے کی صورت میں کھڑا رہے گا اور پل صراط پر سے گزرنا موافق نور ہی کے ہوگا۔ کوئی تو آنکھ کے جھپکتے ہی گزر جائے گا اور کوئی بجلی کی طرح اور بادل کی طرح اور کوئی شہاب کی طرح اور کوئی سرپٹ گھوڑے کی طرح اور جس کے صرف انگوٹھوں پر نور ہوگا وہ رگڑتا چلے گا کہ ایک ہاتھ کو بچائے گا تو دوسرا لٹک جائے گا اور اسی طرح ہاتھ پاؤں کو آگ لگ لگ کر خلاص ہوگا۔

اس بیان سے لوگوں کے ایمان کا فرق معلوم ہوا ہے اور ایک روایت میں آیا کہ ابو بکرؓ کا ایمان تمام جہانوں والوں کے ایمان کے ساتھ (سوائے پیغمبروں) وزن کیا جائے تو انہی کا ایمان بھاری ٹھہرے گا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ اگر آفتاب کا نور اور تمام دنیا کے چراغوں کا مقابلہ کیا جائے تو آفتاب کا نور غالب رہے گا۔ پس عوام میں سے بعضوں کے ایمان کا نور چراغ جیسا ہے اور بعضوں کا نور مشعل جیسا اور صدیقین کے ایمان کا نور مثل چاند اور ستاروں کے نور کے ہے اور انبیاء کے ایمان کا نور آفتاب کی مانند تو جس طرح کہ آفتاب کے نور سے تمام آفاق کو صورت باوجود وسعت کے منکشف ہوجاتی ہے اور چراغ کے نور سے صرف مکان کا ایک کونہ ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سینہ کے انشراح کا فرق سمجھ لینا چاہیے کہ قلوب عارفین پر معرفت سے تمام عالم ملکوت منکشف ہوجاتا ہے اور اسی بنا پر فرمان الٰہی ہے:

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی ترجمہ: "انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی"۔ (سورہ نجم، آیت نمبر 39)

اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ درجہ ایمانی میں تضاد ہوتا ہے اور یہ کہ جس شخص کا ایمان مثقال (ذرہ) سے بڑھ کر ہوگا وہ تو داخل نار نہ ہوگا اور جس کے دل میں بوزن ذرہ (ذرے کے وزن کے برابر) ایمان ہوگا اگرچہ دوزخ میں جائے گا مگر اس میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ فرق اہل جنت کے مطابق ان کی معرفت اور قلوب کے ہوگا اسی لیے روز قیامت کو "تغابن" یعنی گھاٹے کا دن کہتے ہیں کیونکہ جو بھی اس دن اللہ کی رحمت سے محروم رہا اس کو بڑا ہی گھاٹا اور نقصان ہوگا۔

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ **"مومن وہ ہے جس کو اللہ کے نُور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آئے اور قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ امر حق کو مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے"**

بعض علماء سے علم باطن کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ "وہ ایک بھید ہے اللہ کے اسرار میں سے کہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور کسی کو اس پر آگاہ نہیں فرماتا اور یہی علم لدنی ہے کہ قلب میں بدون کسی سبب خارجی کے وارد ہوجائے"۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ سے اپنی موت کے وقت فرمایا کہ "تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں" حالانکہ حضرت ابو بکرؓ کی زوجہ اس وقت حاملہ تھیں اور بعد میں بیٹی ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن عین

خطبہ کے وقت لشکر اسلام کو للکارا کہ " پہاڑ کی طرف ہو جاؤ " پھر اس آواز کا لشکر میں پہنچ جانا بڑی کرامت ہے۔ **حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں جاتا تھا کہ راستہ میں مجھ کو ایک عورت ملی۔ میں نے اس کے حسن کا معائنہ کیا۔ پس جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت عثمان ؓ نے مجھ کو ارشاد فرمایا تم میں سے بعض آدمی میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے،، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ آنکھوں کا زنا بری طرح سے دیکھنا ہے۔ تو توبہ کر وورنہ تجھ کو سزا دوں گا "۔ میں نے پوچھا کہ کیا آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد بھی وحی ہوتی ہے۔ آپ ؓ نے فرمایا: " نہیں بلکہ یہ بصیرت اور فراست صادقہ ہے " ۔اسی کو نور معرفت کہتے ہیں۔**

حضرت ابوسعید ؒ ضرار سے نقل ہے کہ ایک بار حرم شریف میں گیا اور ایک فقیر کو دیکھا کہ دو خرقے پہنے ہوئے ہے میں نے دل میں کہا کہ اس قسم کے لوگ آدمیوں پر بھاری ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے پکارا اور کہا

اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ (سورۃ البقرہ 235 : 2)

ترجمہ: "اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے پس اس سے ڈرتے رہو "۔ پھر اس نے مجھ کو پکار کر کہا:

" وَھُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِہٖ " (سورۃ الشعرا 25 : 42)

ترجمہ: " وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی "۔ اور یہ کہہ کر میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

بعض مکاشفین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ " مجھ کو کراماً کاتبین نے ظاہر ہو کر یہ کہا تم اپنا ذکر خفی اور مشاہدہ توحید کچھ لکھ دو کیونکہ ہم تمہارا کوئی عمل نہیں لکھتے اور ان اسباب کے آرزومند ہیں کہ جس عمل سے تم تقرب الی اللہ کرتے ہو اس کو لے کر آسمان پر جائیں "۔ میں نے پوچھا کہ " کیا تم میرے فرائض نہیں لکھتے "؟ انہوں نے کہا " فرائض تو لکھتے ہیں "۔ میں نے جواب دیا " لکھنے کو بس اسی قدر کفایت ہے "۔ اس سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین کو بھی اسرار قلب پر اطلاع نہیں ہوتی، وہ بھی اعمال ظاہری پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض عارفین سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال سے مسئلہ مشاہدہ یقین پوچھا تو وہ اپنے بائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ کیوں بھائی کیا کہتا ہے پھر داہنی طرف متوجہ ہو کر یہی کہا پھر سینے کی طرف متوجہ ہو کر یہی کہا۔ اس کے بعد بڑا عجیب وغریب جواب دیا کہ میں نے ایسا کبھی نہ سنا تھا پھر میں نے ان سے متوجہ ہونے کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا " مجھ کو جواب تمہارے سوال کا معلوم نہ تھا تو میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ تب میں نے داہنے فرشتے سے پوچھا کہ وہ زیادہ جانتا ہے اس نے بھی لاعلمی کا بیان کیا۔ پھر میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا تو اس نے وہ جواب دیا جو میں نے تم سے ذکر کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں سے زیادہ جانتا ہے "۔

ابوسلمان درانیؒ فرماتے ہیں " قلب بمنزلہ ایک برج کے ہے جس کے چاروں طرف دروازے بند ہیں ان میں سے جو دروازہ اس کے لیے نکلتا ہے وہ اسی کام کو کرتا ہے غرض اس سے ظاہر ہو گیا کہ قلب کے دروازوں میں ملکوت کی جانب بھی ایک دروازہ ہے اور یہ دروازہ، مجاہدہ، اور ورع (پرہیزگار) اور انقطاع شہوات، دنیاوی سے کھلتا ہے " اور اسی جہت سے حضرت عمرؓ نے اپنے لشکر کے رئیسوں کو فرمایا تھا کہ " جو مطیع لوگ تم سے کچھ کہیں اس کو یاد رکھا کرو کیونکہ ان پر اُمور صادقہ منکشف ہوتے ہیں " اور بعض علماء نے فرمایا ہے " حکما کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہے وہی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے امر حق تیار کر دیتا ہے " اور ایک بزرگ فرماتے ہیں " اللہ تعالیٰ عاشقین کو اپنے بعض اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے "۔

جو آثار خاص دل میں آتے ہیں ان کو " خواطر " کہتے ہیں، خواطر خیر کا سبب فرشتہ اور خواطر شر کا سبب شیطان ہے۔ اور دل کی نرمی جس سے کہ الہام یعنی خواطر خیر کے قبول کے لیے تیار ہوتی ہے توفیق کہلاتی ہے۔ اور اگر اس سے وسواس شیطانی کو پذیرائی ہو تو اس کو خذلان بولتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات ایسی شے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے شیطان کی مجال نہیں ہوتی کہ دل کے پاس پھٹکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسواس کے دفع کے لیے سوائے ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کے کوئی شے مفید نہیں۔ پس آدمی کو واجب ہے کہ شیطان سے اپنے آپ کو بچائے اور معلوم کرتا رہے کہ اس کے ہتھیار کیا کیا ہیں تا کہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ شیطان کے ہتھیار شہوات نفسانی ہیں، پس اس قدر جاننا کافی ہے۔ یہاں یہ بات جاننے کے قابل ہے کہ خواطر (الہام) تین قسم پر ہیں۔

1۔ اول تو وہ واقعتاً داعی الی الخیر ہوں تو ان کے الہام ہونے سے کوئی شک نہیں۔

2۔ دوسرے یہ کہ یقیناً داعی الی الشر ہوں ان کے وسوسہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

3۔ تیسرے یہ کہ بین بین ہوں اور معلوم نہ ہو کہ خواطر فرشتہ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے تو اس میں بڑا دھوکا پڑتا ہے اور تمیز اس کی بہت دقیق ہے۔ کیونکہ بعض لوگ جو نیک ہوتے ہیں، شیطان ان کو صریح شر کی طرف تو بلا نہیں سکتا بلکہ شر کو خیر کی صورت میں لا کر ان کے سامنے کرتا ہے اور یہ ایک بڑا فریب ہے۔ اس سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً عالم سے بطریق واعظ کہتا ہے "خلق کا حال دیکھ کہ جہل میں گرفتار اور غفلت میں سرشار، دوزخ کے کنارے پر ہیں اور ان اللہ کے بندوں پر رحم کرے، دوزخ سے بچانا چاہیے اور وعظ نصیحت ان کو کرنی چاہیے۔ خدائے تعالیٰ نے تجھ کو نعمت علم اور دل روشن اور تقریر دلکش سے بہرہ مند کیا ہے تو اللہ کی نعمت کی ناشکری کس طرح کرے گا؟ اور علم کی اشاعت سے رک کر مورد عنایت خداوندی کیونکر ہوگا؟۔ لوگوں کو راہ راست کی طرف بلانا چاہیے"۔ اسی طرح کی تقریریں اس کے نقش سے ہمیشہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو وعظ پر آمادہ کر لیتا ہے پھر اس کے بعد یوں دل میں ڈالتا ہے **"اگر عمدہ لباس پہن کر اچھے لہجے سے تقریر اور اظہار خیر نہ کرے گا تو تمہاری بات دل پر اثر نہ کرے گی اور نہ کسی کو راہ راست ملے گی"** اور اس طرح کی تقریریں کرتا رہتا ہے اور شیطان کی غرض ان باتوں سے یہ ہوتی ہے کہ اس بندے کو ریا میں ڈال دے کہ اس کو شوق اپنی تعظیم کا اور کثرت محبت کرنے والوں کی اور تکبر اپنے علم اور جاہ کا ہو جائے۔ اب دیکھیں کہ شیطان ظاہر میں تو کیسی خیر خواہی کی بات کرتا ہے مگر اصل میں اسے اس بندے کی ہلاکت منظور ہے۔

اس وجہ سے ایک مرتبہ ابلیس مردود، حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا اور کہا کہ لا الہ الا اللہ، آپؑ نے کہا کہ یہ کلمہ تو ٹھیک ہے لیکن تیرے کہنے سے نہ پڑھوں گا۔ اس سے غرض آپؑ کی یہ تھی کہ مردود خیر کے اندر بھی دغا کرتا ہے۔

پس بندے پر واجب ہے کہ جو قصد اس کے دل میں آئے اس میں توقف اور تامل سے یہ بات معلوم کرے کہ فرشتے کی جانب سے ہے یا شیطان کی جانب سے اور اس کو غور سے سوچے کیونکہ یہ بات بدون نور تقویٰ اور کثرت علم و بصیرت کے معلوم نہیں ہو سکتی، تقویٰ والے ایسے وقت میں نور علم کی طرف رجوع کرتے رہیں تو ان کا اشکال دور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ تقویٰ نہیں کرتا اس کو شیطان دھوکا دے دیتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ شیطانی وسواس کے دفع کے لیے سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی چارہ نہیں لیکن شیطان دل کو بڑی مشکل سے چھوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے بھلاتا رہتا ہے پس اس صورت میں اس کو مجاہدہ کرنا چاہیے۔ اس مجاہدے کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ کیونکہ جب تک دل زندہ رہتا ہے شیطان سے چھٹکارا نہیں ہوتا مجاہدے سے اس کے شر کو ٹال دیتا ہے لیکن جب تک خون بدن میں رہتا ہے جب تک اس کا مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ابواب شیطانی زندگی بھر تک آدمی کے دل پر مفتوح رہتے ہیں اور بند نہیں ہوتے اور وہ غضب، شہوت طمع اور حسد وغیرہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جب دروازے کھلے ہوں، دشمن غافل نہ ہو تو بغیر حفاظت اور مجاہدے کے کام نہیں چلتا۔

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا ''اے ابوسعیدؒ کیا شیطان سویا بھی کرتا ہے؟''۔ آپؒ نے فرمایا کہ ''اگر وہ کبھی سوتا تو ہم کو چین ہوتا۔''

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ''مومن کا شیطان دبلا پتلا ہوتا ہے'' اور قیس ابن حجاجؒ فرماتے ہیں کہ ''میرا شیطان مجھے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس اونٹ کی موافق توانا آیا تھا اب چڑیا جیسا ہو گیا ہوں"۔ میں نے پوچھا "یہ کس طرح" تو اس نے جواب دیا "تم ذکر اللہ سے مجھے گھلاتے رہتے ہو"۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے ابواب شیطانی کا بند ہونا مشکل نہیں۔

خثیمہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں، شیطان کا قول ہے کہ آدمی کتنا ہی مجھ پر غالب آجائے مگر تین باتوں میں جو میں کہتا ہوں وہ مان لیتا ہے۔

☆"اول ناحق کسی کا مال لینا ☆ دوسرے کا مال بے موقعہ خرچ کرنا ☆ تیسرے خرچ کی جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرنا"

حضرت ابوسفیانؒ فرماتے ہیں کہ "شیطان کے پاس کوئی ہتھیار مفلسی کا خوف دلانے سے بڑھ کر نہیں ہے جب آدمی اس کو مان لیتا ہے تو باطل کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور امر حق سے باز رہتا ہے اور مطلب ہی کی بات کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں دین میں کوشش کرتا ہوں"۔ مثلاً ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی محبت میں متعصب ہے۔ مگر حرام خور اور منہ پھٹ، جھوٹا، بھیڑیا اور فسادی ہے تو ایسے شخص کو اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ دیکھتے تو اپنا دشمن تصور کرتے اس لیے کہ ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کی راہ پر چلے اور ان کی سیرت مبارکہ کو اپنا دستور العمل بنائے اور اپنی زبان کو واہیات سے روکے حضرت ابوبکرؓ کا یہ دستور تھا کہ منہ میں کنکر رکھتے تھے کہ کوئی کلمہ بے جا منہ سے نہ نکلے۔ پس یہ مدعی کیسے ہیں اور ان کی محبت کا دعویٰ کیسا ہے؟

اسی طرح بعضوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہ کی محبت میں تعصب ہوتا ہے حالانکہ ریشمی کپڑے بدن پر ہوتے ہیں اور حرام مال سے زرق برق بنے رہتے ہیں پھر دعویٰ محبت حضرت علیؓ کا کرتے ہیں جبکہ حضرت علیؓ نے تو عین خلافت میں وہ کپڑے پہنے ہیں کہ ان کا دام ایک روپے سے بھی کم کا تھا۔ پھر ایسے شخص سے وہ کیسے خوش ہوں گے؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کا یہ قول ہے کہ میں نے امت محمد یہ خاتم النبیین ﷺ کے لیے گناہوں کو آراستہ کیا تو انہوں نے استغفار کر کے میری پیٹھ

توڑ دی۔ پھر میں نے ان کے لیے ایسے گناہ گڑھے کہ وہ ان سے استغفار نہ کریں اور وہ خواہشات نفسانی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں "ایک جماعت ذکر الٰہی میں مشغول تھی، شیطان نے یہ چاہا کہ یہ یہاں سے اٹھ جائیں مگر کچھ بن نہ پڑی، پھر وہ ایک دوسری جماعت میں گیا جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے ان میں فساد کرادیا، حتیٰ کہ وہ آپس میں کشت وخون ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر پہلی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور بیچ بچاؤ کروادیا۔ اس سے شیطان کا مطلب دوسری جماعت میں کشت وخون کروانا نہ تھا بلکہ پہلی جماعت کو ذکر الٰہی سے اٹھانا مقصود تھا" اور شیطان کے طریق کار میں سے ایک یہ ہے کہ عام لوگوں کو جو علم میں کم تجربہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور ایسے اُمور کی فکر میں الجھا دیتا ہے کہ جو ان کی عقل میں نہ آسکیں یہاں تک کہ یہ لوگ اصل دین میں شک کرنے لگتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ شیطان کو مثل بھوکے کتے کے اپنے پاس سمجھنا چاہیے۔ پس اگر آدمی کے پاس روٹی وگوشت وغیرہ نہیں ہے تو صرف ہُش کہنے سے ہی ٹل جائے گا۔ لیکن اگر سامان سامنے کھانے کا ہوگا اور کتا بھوکا ہوگا تو ضرور کھانے پر گرے گا اور صرف للکارنے سے نہیں ٹلے گا۔ اسی طرح جس دل میں غذا شیطانی نہیں تو اس کے پاس سے شیطان صرف ذکر اللہ سے ہٹ جائے گا لیکن اگر دل پر شہوت غالب ہے دل کا سوت شیطان کے قابو میں ہے اس وقت ذکر اللہ کو قلب کے اطراف میں پھیلائے گا تو بے اثر ہوگا۔ متقیوں کا دل جو ہوائے نفسانی اور صفات مذمومہ سے خالی ہوتے ہیں ان پر شیطان کا آنا شہوات کے باعث نہیں ہوتا بلکہ جس وقت ذکر سے غفلت ہوتی ہے اس وقت اپنی راہ نکالتا ہے اور پھر جب وہ ذکر کرنے لگتے ہیں تو ٹل جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک بار مومن کا شیطان اور کافر کا شیطان آپس میں ملے۔ کافر کا شیطان تو خوب چکنا، موٹا اور اچھا سا لباس پہنے ہوئے تھا اور مومن کا شیطان، ننگا، دبلا، پتلا اور غبار آلود تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا کہ تو دبلا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایسے شخص پر مسلط کیا گیا ہوں کہ اپنے کھانے، پینے، کپڑا پہننے اور سر میں تیل ڈالتے وقت بسم اللہ کہتا ہے۔ تو نہ کھانا نصیب ہوتا ہے نہ پہننا اور نہ سر میں تیل ڈالنا۔ اس لیے میں بھوکا پیاسا اور ننگا رہ جاتا ہوں۔ اس پر کافر کے شیطان نے کہا کہ شکر ہے میں ایسے شخص پر مسلط ہوں جو ان کاموں میں سے کچھ بھی نہیں کرتا۔

پس اگر کوئی یہ چاہے کہ صرف ذکر الٰہی سے شیطان دور ہو جائے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے دور ہو گیا تھا تو یہ محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دوا پیتا ہے لیکن پرہیز نہیں کرتا اور توقع نفع کی کرتا ہے۔ یہاں ذکر الٰہی کو دوا سمجھنا چاہیے اور تقویٰ کو پرہیز اور قلب کے خالی ہونے کو شہوات سے خالی ہونا سمجھنا چاہیے تو جب ذکر الٰہی ایک ایسے قلب میں جائے گا جو ماسوائے اللہ سے خالی ہے تو شیطان دفع ہو جائے گا اور صرف دوا کھانے سے بیماری جاتی رہے گی۔ پس جو کوئی عمل میں شیطان کی متابعت کرے اور زبان سے ذکر اللہ کرے اور کہے کہ حدیث میں تو یوں آیا ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان دفع ہو جاتا ہے۔ تو اس کو امتحان اپنے ہی نفس سے کر لینا چاہیے یعنی آدمی کا منتہا ذکر اور عبادت نماز ہے تو جب نماز میں کھڑا ہو اس وقت اپنے دل کا یہ حال دیکھتا ہے کہ شیطان اس کو کہاں کہاں کھینچتا ہے کہ نوبت تو یہاں تک آجاتی ہے کہ جو بات بھول گئی تھی وہ بھی نماز میں یاد آتی ہے۔

پس نماز دلوں کی کسوٹی ہے کہ اس سے خوبی اور برائی خوب معلوم ہو جاتی ہے اور جو دل شہوات دنیا سے بھرے ہیں ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی تو ایسی نماز کی وجہ سے دفع شیطان نہیں ہوگا بلکہ وسواس اور زیادہ ہو جائیں گے جیسا کہ پرہیز کے بغیر دوا اکثر نقصان ہی کرتی ہے۔ اس لیے اگر کسی کو شیطان سے خلاصی منظور ہو تو اول پرہیز یعنی تقویٰ اختیار کرے۔ اس کے بعد ذکر کی دوا پئے تب شیطان اس کے پاس سے بھاگ جائے گا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے پاس سے بھاگتا تھا۔ واہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ سے ڈرو اور شیطان کو ظاہر میں برا مت کہو کہ تم باطن میں اس کے دوست یعنی فرمانبردار ہو''۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ''جب حضرت آدمؑ زمین پر اترے تو انہوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا تو نے مجھ میں اور شیطان میں عداوت ڈال دی اگر مجھے تیری مدد شامل حال نہ ہوگی تو میں اس پر غالب نہ آسکوں گا''۔ ارشاد ہوا کہ ''تیرا جو فرزند پیدا ہوگا۔ اس پر ایک فرشتہ موکل معین ہو جائے گا''۔ عرض کیا کہ ''زیادہ عنایت ہو'' حکم ہوا کہ ''اگر کوئی ایک بدی کرے گا تو ایک ہی بدی کی سزا پائے گا اور ایک نیکی کرے گا تو دس سے مجھے جہاں تک منظور ہوگا دوں گا''۔ پھر کہا کہ اور ''زیادہ عنایت ہو''، ارشاد ہوا کہ ''جب تک روح بدن میں رہے گی توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا''۔

پھر شیطان نے عرض کیا کہ "الٰہی اس بندے کو تو نے مجھ سے اشرف بنایا اگر مجھ پر اعانت نہ ہوگی تو میں کیسے اس پر قادر آؤں گا" حکم ہوا کہ ''جب بچہ آدم کے ہاں ہوگا اس کے ساتھ ہی تیرے بھی بچہ پیدا ہوگا''۔ اس نے عرض کیا کہ "اور زیادہ عنایت ہو"، ارشاد ہوا کہ ''جیسے خون بدن میں چلتا ہے ویسے ہی تو بھی ان کے رگ وپے میں جاری ہوگا اور ان کے سینوں میں اپنا گھر بنائے گا'' اس نے عرض کیا کہ اور زیادہ مدد ملے۔ حکم ہوا کہ اکسانا ''بخیلی پر اور محبت مال اور اولاد کی اور جھوٹا وعدہ۔''

حضرت واہب بن وردؒ کہتے ہیں کہ شیطان نے ایک بار حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں کہا" آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں"، آپؑ نے فرمایا'' مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے مگر مجھے بنی آدمؑ کا کچھ حال بتادے''۔اس نے کہا" ہمارے نزدیک بنی آدم تین حکم پر ہیں۔

1۔ ایک قسم جو ہم پر بڑے سخت ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے پاس جا کر ان کو بہکاتے ہیں اور اپنے قابو میں لاتے ہیں، مگر وہ استغفار اور توبہ کرنے لگتے ہیں اور ہمارا کیا کرایا سب مٹی ہوجاتا ہے۔ پھر اگر ہم دوبارہ کچھ فکر کرتے ہیں وہ اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں غرض نہ ہم ان سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ وہ اللہ سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کچھ کام بنتا ہے بس مشقت ہی مشقت ہے۔

2۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ وہ ہمارے پنجہ میں ہیں، ایسے جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں گیند ان کو ہم جدھر چاہیں پھیر لیتے ہیں ان کی ہمیں کچھ فکر نہیں ہوتی۔

3۔ تیسری قسم آپ جیسے لوگ ہیں ان پر ہمارا کچھ بس نہیں"۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے کسی نے پوچھا" ہم لوگوں کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی جبکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ '' مجھے پکارو میں سنوں گا'' آپؒ نے فرمایا" تمہارے دل مردہ ہوگئے ہیں" پوچھا کہ "ان کے مردہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟" آپؒ نے فرمایا کہ " آٹھ عادتیں:

1۔اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حق معلوم کرلیا لیکن اس کو بجا نہ لایا گیا۔

2۔قرآن پڑھا لیکن عمل نہ کیا۔

3۔دعویٰ محبت کیا لیکن عمل نہ کیا(پیروی نہ کی)۔

4۔موت کا خوف کیا سامان نہ کیا۔

5۔حکم الٰہی ہوا شیطان کو دشمن جانو لیکن تم نے دوستی کی۔

6۔دعویٰ خوف دوزخ کا لیکن بدنوں کو اس میں جھونک دیا۔

7۔جنت کی طلب لیکن عمل کچھ نہیں۔

8۔اپنے عیبوں کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور لوگوں کے عیبوں پر نظر رکھی"۔

ذکر کے وقت وسواس کا منقطع ہونا

واضح ہو کہ جو علماء قلوب کے حال کے نگران ہیں اور ان کی صفات اور عجائب کو دیکھتے ہیں اس سلسلے میں ان کے پانچ فرقے ہیں۔

1۔ ایک فرقے کا یہ قول ہے کہ ذکر الٰہی سے وسوسہ منقطع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا **فاذا ذکر اللہ خنس** اور خنس کے معنی خاموشی کے ہیں۔ گویا شیطان خاموش ہوجاتا ہے۔

2۔ ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ اصل وسوسہ تو نہیں جاتا مگر اس کا اثر جاتا رہتا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب دل میں ذکر الٰہی بھر جائے گا تو تاثیر نہ کرے گا جیسے کوئی آدمی کسی سوچ میں بیٹھا ہو تو بعض اوقات کلام نہیں سمجھتا اگرچہ آواز اس کے کان میں آتی ہے۔

3۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ نہ وسوسہ منقطع ہوتا ہے نہ تاثیر جاتی ہے مگر غلبہ اس کا دور ہوجاتا ہے یعنی وسوسہ تو رہتا ہے مگر بہت ضعیف۔

4۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ ذرا سی دیر ذکر سے وسوسہ معدوم ہوجاتا ہے اور اتنی ہی دیر کے وسوسہ سے ذکر معدوم ہوجاتا ہے اور ان کے پے درپے اور جلد جلد آنے سے ایک تار سا بندھ جاتا ہے۔

5۔ اور ایک فرقے کا قول یہ ہے کہ وسوسہ اور ذکر دل پر ہمیشہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور منقطع نہیں ہوتے جیسے کوئی آدمی ایک ہی حالت میں اپنی آنکھ سے دو چیزیں دیکھے اس طرح دل بھی دو چیزوں کا مقام ہوتا ہے۔

وسواس کی اقسام

1- اول یہ کہ امر حق کو مشتبہ کرنے سے شیطان وسوسہ کرے مثلاً یوں سمجھائے کہ دنیا کی لذت نہ چھوڑنی چاہیے، زندگی میں بہت سی خواہشات کو اتنے دنوں تک روکنا بڑا عذاب ہے۔ پس اس وقت اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کا ثواب عظیم یاد کرے گا اور اپنے ہی نفس کو سمجھائے گا کہ خواہشات سے رکا رہنا تو سخت ہے مگر دوزخ کی آگ کا سہنا سخت تر ہے۔ تو جب اس طرح وعید وعدہ کو یاد کر کے تجدید اپنے یقین کی کرے گا تو شیطان بھاگ جائے گا۔ اسی طرح عُجب کے لیے وسوسہ ڈالے مثلاً دل میں یہ بات ڈالے کہ آج تیرے برابر معرفت اور عبادت الٰہی میں کوئی نہیں تیرا رتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ اور اس وقت بندہ یہ یاد کرے کہ میری معرفت اور اختیار اور قلب و اعضاء جن سے میں نے جانا یا عمل کیا سب کے سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں پھر عجبُ کس چیز پر کروں؟ تو اسی وقت شیطان ٹل جائے گا۔ جو لوگ عارف نور ایمانی اور نور معرفت سے روشن ضمیر ہیں ان کے پاس اس قسم کا وسواس بالکل نہیں ٹھہر سکتا۔

2۔ دوسری قسم وساوس کی یہ ہے کہ شہوت کو حرکت دے۔

3۔ تیسری وسوسہ کے خواطر ہیں اور غائب چیزوں کا حال یاد کرنا۔ جب دل متوجہ ذکر الٰہی ہوتا ہے تو ذرائل جاتا ہے پھر آجاتا ہے اور ذکر اور وسوسہ پے در پے اس طرح آتے ہیں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک سلسلہ ہو گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیطان سے ایک ساعت یا ایک لحظہ خلاص ہوتا تو کچھ بعید نہیں مگر عمر بھر اس سے نجات ملنی بہت بعید ہے۔ بلکہ محال ہے یہ بات اگر ممکن الوجود ہوتی تو آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کو کبھی کسی قسم کا وسوسہ نہ ہوتا حالانکہ وسوسہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو بھی ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے نماز میں اپنے کپڑے کے نقوش پر نگاہ کی اور سلام پھیر کر وہ کپڑا پھینک دیا اس نے مجھ کو نماز سے روک دیا اور ایک بار سونے کے حرام ہونے سے پیشتر آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ خطبہ پڑھنے میں اس پر نگاہ جا پڑی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کو اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ ''ایک بار اس کو دیکھتا ہوں اور ایک بار تم کو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ متاع دنیا جب ہی منقطع ہو گا جب اس کو الگ کر دیا جائے۔ جب تک ایک روپیہ ملک میں رہے گا یہی خیال رہے گا کہ اس کو کہاں خرچ کیا جائے۔ کہاں رکھا جائے؟ اور کیسے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ غرضیکہ دنیا وسوسہ کا بڑا پھاٹک ہے اور اس کا ایک راستہ نہیں ہے بہت سے راستے ہیں۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ شیطان اول بنی آدم کے پاس معاصی کی طرف سے آتا ہے اور اگر اس نے کہنا نہ مانا تو نصیحت کے طور پر پیش آتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی بدعت میں پھنسا دے اور اگر اس کو بھی نہ مانا تو اس کو تنگی اور شدت کا حکم کرتا ہے اور جو چیز حرام نہ ہو اس کو بھی حرام سمجھتا ہے۔ اگر اس کو بھی نہ مانا تو وضو اور نماز میں شبہ ڈالتا ہے کہ کسی کا یقین نہ رہے اور اگر یہ بھی نہ بن پڑا تو اعمال نیک کو اس پر آسان کر دیتا ہے اور جب لوگ اس کو صابر اور عفیف دیکھتے ہیں اور اس کی طرف راغب ہوتے ہیں تو عجب میں ڈال کر تباہ کر دیتا ہے اور اس آخیری صورت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا کیونکہ اب وہ جان چکا ہوتا ہے کہ یہ شخص اب کی بار پھندے میں نہ آیا تو سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ یہ جان لینا چاہیے کہ جو کوئی اپنے دل سے آخرت کا مشاہدہ یقینی کر لیتا ہے وہ آخرت کے راز کا مشتاق ہوتا ہے۔ ان راستوں پر چل پڑتا ہے اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کو ناپائیدار سمجھتا ہے۔

آج کل وہ علما جو راہ حق بتائیں، دنیا کی حقارت، اس کا فانی ہونا اور آخرت کی بقا سمجھا دیں۔ مفقود ہیں۔ خلق خدا غافل ہے اور اپنی شہوات میں مستغرق اور معرفت الٰہی سے بہت دور کوئی عالم دین ایسا نہیں کہ لوگوں کو متنبہ کرے اور کوئی متنبہ ہوتا ہے تو خود ناواقفیت کی وجہ سے چل نہیں سکتا۔ علماء کا ہوائے نفسانی سے بولنا اس بات کا باعث ہے کہ آج کل خدا کی راہ پر چلنے والے نہ رہے۔

پس جب مقصود محجوب ہے اور راہبر مفقود اور ہوائے نفسانی غالب اور طالب غافل تو راہ کیسے ملے گی؟ اور پہنچا کیسے جائے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طریقت کیا ہے؟

طریقت:- طریقت ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ اِس کے کئی ذریعے ہے۔

1۔ **موت سے پہلے مرنا:-** یعنی نفس کو زیر کر کے موت کی نیند سُلا دینا۔

2۔ **مراقبہ:-** یہ بھی ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہونے کا نام ہے۔

3۔ **بالمشافہ مشاہدہ :-** بزرگان دین اِس عالم میں رہتے ہیں اور عالم آخرت کی خبر رکھتے ہیں۔

4۔ **خواب:-** اہل طریقت کا خواب اور لوگوں کے خواب سے جدا حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تفسیر ہوتی ہے جبکہ اہل دنیا کے خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے۔

جب انسان ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا ہے تو ابتدا میں اُنس ہے اور انتہا عشق ہے۔ پھر ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں بجز ذات حق کے کچھ نہیں رہتا اُسے دیدار لا مکاں یا مقام لاہوت کہتے ہیں۔ ایک کشف ہوتا ہے **عالم اُنس** میں۔ ایک کشف ہوتا ہے **عالم عشق** میں اور ایک ہوتا ہے **عالم لاہوت** میں جس سے اٹھارہ ہزار عالم بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ طبیعت میں کبھی بغض، حسد اور غرور پیدا نہ کرنا۔ اس سے روشنی گل ہو جاتی ہے حاسد اور مغرور مردود ہیں۔ مغرور سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور حاسد پر حصول فیض کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

آسان الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

تصوف یا طریقت:

دین کا ایک ایسا شعبہ ہے جس کی اساس (بنیاد) خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت (مقصد) تعلق مع اللہ (اللہ سے تعلق) اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ یعنی تصوف نفس کی تمام لذّتوں کو ترک کر دینے کا نام ہے، ضمیر کو مخالفت کی میل سے صاف کر دینے کا نام ہے، اور دونوں جہاں سے آنکھیں بند کر لینے کا نام ہے۔

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جو اہلِ تصوف کی آواز پر لبیک نہیں کہتا اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا شمار غافلوں میں ہوتا ہے"۔

شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے "عاجزی میں کامیابی---تکبر میں ناکامی---سچ میں خوشی---جھوٹ میں پریشانی---صبر میں برکت---غصے میں نقصان---گناہ میں بیماری اور---استغفار میں شفا ہے"۔

اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ ہواؤں کا رخ بدل دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ سکون انسان کا کمال نہیں ہوتا۔ یہ رب کی عطا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس پر کس وقت یہ عنایت کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ رزق کی طرح سکون اور اچھے اخلاق کو بھی تقسیم کرتا ہے۔ رزق سب کو دیتا ہے لیکن سکون اور اچھا اخلاق صرف طریقت والوں کے نصیب میں آتا ہے۔ زندگی میں ہمیشہ وہ لوگ پرسکون رہتے ہیں جو پوری نہ ہونے والی خواہشات سے زیادہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہیں۔

****

طریقت کے اسباق

طریقت کا پہلا سبق:

1۔ نفس کی پہلی حالت امارہ ہے۔
پھر لوامہ، پھر الہامہ، پھر مُطمئنہ، پھر راضیہ، پھر مرضیہ، پھر صافیہ (کاملہ)
جب تک سفرِ آخرت پیش نہ آجائے نفس کے از سرِ نو زندہ رہنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے اِس لیے اسے آہستہ آہستہ زہر دیتے رہنا چاہیے۔

2۔ **نفس** کی سب سے بڑی طاقت دنیا کی محبت ہے اور **قلب** کی سب سے بڑی طاقت اللہ کی محبت اور اس کی معرفت اب انسان کے اختیار میں ہے خواہ دنیا کو اختیار کرے یا آخرت کی منزل اختیار کرے۔

3۔ قلب میں وسعت پیدا کریں۔ فکر کی عادت ڈالیں۔ طریقت مجاہدے کا دوسرا نام ہے اہلِ طریقت مریدین کو مجاہدے میں ڈالتے ہیں اور پھر منزل طے کرا کر ہی چھوڑتے ہیں۔ اہلِ طریقت پہلے تعلیم پھر اذکار، پھر مجاہدہ اور پھر ریاضت کرواتے ہیں۔

4۔ طریقت ایک ایسی راہ ہے جس پر قدم رکھتے ہی اپنی باگ دوسرے کے ہاتھ میں دینی پڑتی ہے اور انسان کو خود سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ صبر اور شکر کا توشہ ساتھ رکھنا پڑتا ہے۔

5۔ اگر کوئی چیز اچھی حاصل ہو جائے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اپنے کمال یا اپنے کسب یا اپنی کسی ذاتی خوبی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کو فضلِ ربی سمجھیں اور شکر ادا کریں۔ طریقت میں شکر لازمی چیز ہے۔ زبان پر ذکر جاری رہے جو ہوا اس کے کرم سے ہوا۔ جب بندہ شکر ادا کرتا ہے تو اس کی نعمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

طریقت کا دوسرا سبق:

1۔ محبت سے آسان کوئی مجاہدہ نہیں۔

2۔ جب تک خلوص پیدا نہ ہوگا راستہ نہیں ملے گا۔

3۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت نہیں کر سکتا وہ اللہ سے محبت نہیں کرتا۔

4۔ عبادت سے محض دوزخ اور جنت کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ خدمتِ خلق سے معبود راضی ہوتا ہے۔

5۔ **اگر کسی نے محنت سے روحانیت حاصل کی ہے اور دوسروں کو کم محنت کرا کر یہ دے دی تو یہ سخا ہے اگر اتنی ہی محنت کروا کر دی تو یہ عطا ہے۔ اور اگر اپنے سے زیادہ کروا کر دی تو یہ مجاہدہ ہے۔**

طریقت کا تیسرا سبق:

1۔ قلب کی پہلی غذا ذکرِ باری تعالیٰ ہے۔

2۔ قلب کی دوسری غذا اولیا اللہ کی صحبت ہے۔

3۔ فقیر وہ ہے جو دوسروں کی فکر میں رہے۔ فقیر کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں اس سے آسان تر کوئی مجاہدہ نہیں۔ اہلِ دنیا کے ساتھ فقیر دنیا کی بات کر لیتے ہیں۔

4۔ ایک دوسرے کے درد میں شریک رہیں۔

5۔ حسد اور بغض چھوڑ دیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔

طریقت کا چوتھا سبق:

1۔ منزل میں دیر کیوں لگتی ہے؟

منزل کا دارومدار فنافی الشیخ ہونے پر ہے۔ (یا فنافی الاستاد) جو جتنی دیر میں یہ منزل طے کرے گا اتنی ہی دیر میں مراد کو پہنچے گا اور جو آتے ہی نعرہ لگائے سب کچھ شیخ کا (سب کچھ پیر کا) اس کی منزل اسی دن طے ہو جاتی ہے۔

2۔ جب قلب کے اذکار بڑھ جاتے ہیں تو ہاتھ پاؤں اور جسم سے آگ نکلنے لگتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جان نکلنے لگی ہے اس وقت ذکر درود شریف کا کیا جائے بعض اوقات جسم قابو سے باہر ہوجاتا ہے۔ایسی حالت میں ٹیک لگالیں یا کچھ دیر کے لیئے آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں۔

3۔ گِلے شکوے سے حالات نہیں بدلتے شکر سے بدلتے ہیں۔

قرضہ مت دیں۔شراکت نہ کریں۔نماز کی اصلاح کریں۔ارکان نماز ٹھیک کریں۔اللہ کرم فرمائے گا۔

4۔ اللہ تعالی اُن لوگوں پر کرم فرماتے ہیں جو اس کے کرم کے طالب ہوتے ہیں۔

5۔ نماز اور ذکر و وظائف کی سخت پابندی کریں ورنہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔

طریقت کا پانچواں سبق:

1۔ جتنے لوگ راہ طریقت میں قدم رکھتے ہیں انہیں دنیاوی پریشانیاں آتی ہیں۔ پھر دل دنیا سے متنفر ہوجاتا ہے۔ پھر اللہ تعالی اپنی محبت عطا کر دیتے ہیں۔آخیری منزلِ حیات میں دنیا بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

2۔ اہل طریقت کو ایسے حال میں رہنا چاہیے کہ لوگ ان کو دیکھ کر رغبت پکڑیں۔

3۔ جنہیں یقین کامل ہوتا ہے۔ وہ اللہ کو اللہ سے طلب کرتے ہیں۔ بندوں سے کچھ طلب نہیں کرتے یہی اللہ کی محبت کی پہچان ہے۔

4۔ اہل اللہ، اہل محبت یا اہل طریقت فانی چیز سے محبت نہیں کرتے۔ فانی چیز کے لیئے سائل نہیں بنتے۔

5۔ ادھر کی بات اُدھر نہیں لگانی چاہیے۔

6۔ غلام کا کام تعمیل ارشاد ہے مالک عطا کردے اس کی مرضی۔لیکن حق نہیں ہے۔ مالک نے غلاموں کو ان کے حق سے کہیں زیادہ دے رکھا ہے۔

طریقت کا چھٹا سبق

1۔ جس محبت میں سلیقہ اور ضبط نہ ہو وہ محض جنون ہے۔جس محبت میں سلیقہ ہے وہ منزل ہے۔اہل دنیا کی محبت کا تعلق زبان سے ہوتا ہے۔اہل اللہ کی محبت کا تعلق قلب سے ہے۔اہل محبت کی تعلیم حال سے زیادہ قال سے کم اس لیئے اہل محبت کو محرموں اور نامحرموں میں تمیز کرنی چاہیے۔محرم کے حال میں غیر محرموں میں نہیں رہنا چاہئے۔

2۔ جو بقا حاصل کر چکا ہو یا بقا کی تلاش میں ہو اس کا رجوع فانی چیزوں کی طرف ہو تو طریقت میں اُسے منافقت کہتے ہیں۔جنہیں دنیا کی طمع نہیں رہی وہ سکون کا خزانہ بن جاتے ہیں۔خود پرسکون رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی سکون عطا کرتے ہیں۔

3۔ بقا سے مراد اللہ تعالی کی پاک ذات ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بقا سے محبت ہی حیات ابدی ہے۔ بقا سے محبت بیان نہیں کی جاسکتی یہ بڑی لطیف چیز ہے بس انسان محسوس کرسکتا ہے۔

4۔ مرید ہونا پہلا قدم ہے یہ ایک حال ہے جو اللہ کی راہ میں اس نے بدلا۔اَب طالب دنیا ہونا بے ادبی ہے (کیونکہ مرید کا مطلب طالبِ آخرت)

طریقت کا ساتواں سبق

1۔ ہر حال کا ایک ادب ہوتا ہے۔جو کسی حال کے ادب سے واقف ہو گیا وہ اپنی منزل کو پہنچ گیا۔جو ادب سے محروم رہا وہ حال کی حقیقت کا جاہل ہے۔

2۔ پھر حال میں قدم رکھنے کا دوسرا ادب گفتگو ہے۔ہر شخص کو اپنے حال کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے۔اہل طریقت پر لازم ہے کہ محرمانہ گفتگو نامحرموں کے سامنے نہ کریں۔

3۔ **جب بزرگان دین کی زیارت ہو تو شیخ کی خدمت میں آکر عرض کرے، ختم دلائے شکرانہ پڑھے پھر آگے راستہ ملے گا ورنہ نہیں۔**

4۔ جب فقیر کسی کو بلاتا ہے تو اُس کا انتظام کر کے بیٹھتا ہے کہ کیا کچھ دینا ہے؟ کیا کچھ سِکھانا ہے؟ اور کیا بنانا ہے؟ پھر اگر وہ شخص اس وقت نہیں آتا تو انتظام ختم ہو جاتا ہے۔

5۔ اللہ تعالی کی اعانت کے بغیر قلب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت دشوار ہے۔ چاہے جتنی کوشش کرلی جائے اور جب اس کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے تو کوشش کے بغیر ہی قلب اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

طریقت کا آٹھواں سبق

1۔ بیعت کچھ حاصل کرنے کی نیت سے نہیں کی جاتی۔صرف پچھلے گناہوں کی معافی مانگی جاتی ہے۔آئندہ نیک عمل کرنے کا عہد کیا جاتا ہے اور ان دونوں باتوں پر مرشد کو گواہ بنایا جاتا ہے۔مرشد کے پاس صرف اطاعت کی نیت سے جانا چاہیے۔نیت میں طلب نہ ہو۔

2۔ مرشد اور مرید کا تعلق ایک راز ہے۔اس لیئے اشارہ کنایہ ہی سے اظہار اچھا ہے۔بالکل پردہ اٹھا دینا بھی مناسب نہیں یہ ایک ایسا حال ہے جو صرف خواص کی سمجھ کے اندر ہے اور عام کی رسائی سے بالاتر۔اِس لیئے جب کبھی مرشد اور مرید کسی غیر محرموں کی محفل میں اکٹھے ہوں تو اس وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ محرموں کے حال میں غیر محرموں میں ملے گا تو لوگ بدگمان ہو جائیں گے۔اور ہوسکتا ہے کہ وہ راہ حق سے محروم ہو جائیں۔

مثال کے طور پر دست بوسی عوام کی رسائی کے اندر ہے (جائز تصور کی جاتی ہے) لیکن قدم بوسی ان کی رسائی (سمجھ) سے بالاتر۔پھر ہوتا یہ ہے کہ عام لوگ اس طریقے سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور پھر راستہ دشوار ہو جاتا ہے۔دست بوسی کنایہ ہے اور قدم بوسی حال۔اس لیئے عوام کے سامنے کنایہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔

3۔ مرشد کی موجودگی میں تسبیح پڑھنا اور ورد کرنا منع ہے۔

4۔ مزار پر دید والوں کے لیئے قدم بوسی ہے باقی لوگوں کے لیئے صرف فاتحہ پڑھنا ہے۔

طریقت کا نواں سبق

1۔ محبت کی آگ محبت سے ملتی ہے، بے ادبی غرور اور تکبر سے نہیں ملتی۔ ہر شخص کو اس کی محبت کی نسبت سے جواب ملتا ہے۔جواب میں دیر محبت میں صدق کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔اگر تم چاہتے ہو کہ کوئی تمہاری فکر پال لے تو اس کے لیئے ضروری ہے کہ تم دوسروں کی فکر پال لو۔

2۔ جو بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اپنے دسترخوان کو وسیع رکھتے ہیں ان کا رزق وسیع ہوتا ہے۔جیسا سلوک معبود سے چاہتے ہو ویسا سلوک اس کی مخلوق سے کرو۔

3۔ کسی کا پیسہ دینا ہو تو فوراً واپس کر دینا چاہیے خواہ دمڑی ہی کیوں نہ ہو۔یہ چیز راستہ روک دیتی ہے۔

4۔ فقیر کے ذمے محنت ہے اور طالب کے ذمے صِدق۔طالب کے صدق کی دلیل صبر ہے۔اور فقیر کے صدق کی دلیل محنت دونوں طرف صِدق ہو تو کامیابی یقینی ہے۔

5۔ تبلیغ وہ کرے جسے اُس چیز کی تبلیغ کی اجازت مِل جائے۔

طریقت کا دسواں سبق

1۔ دنیا کی محبت اور چیز ہے اور دنیا کو فرض کے طور پر اختیار کرنا اور چیز "دنیا میں رہ اور دنیا میں نہ رہ"۔

دنیا کو بطور ضرورت ہاتھ میں تھامو۔دنیا دل میں بسانے کی چیز نہیں ہے۔دل میں تو بس اللہ تعالی کی محبت کو سمانا چاہیے۔

2۔ جو شخص جس قدر اور جتنی اللہ تعالیٰ سے محبت چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ اتنی ہی وہ دنیا کی محبت چھوڑ دے دنیا کی محبت ایک اندھیرا ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت ایک نُور ہے۔ یہی نور ہے جس میں انسان خود کو بھی دیکھتا ہے اور اپنی منزل کو بھی دیکھتا ہے۔اپنی منزل بھی طے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی منازل طے کراتا ہے۔اندھیرے میں انسان اپنی منزل بھی کھوتا ہے اور دوسرں کی راہنمائی کے قابل بھی نہیں رہتا۔

3۔ جب اللہ تعالی اپنی محبت کی چنگاری دل میں رکھ دیتے ہیں تو اس جسم کے فاسد مادے جلنا شروع ہو جاتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سوائے باری تعالی کے قلب میں کچھ نہیں رہتا پھر انسان مجسم جود وسخا بن جاتا ہے۔

4۔ بزرگان دین کی صحبت میں بیٹھنے والوں پر شیطان عجیب حملے کرتا ہے۔شیطان ایسی محفلوں میں حسد اور کینہ کی آگ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو پیچھے رہ گیا ہے۔ فلاں آگے بڑھ گیا کچھ کر۔

طریقت کا گیارواں سبق

1۔ **ایسے مرید دنیا میں اَب کم رہ گئے ہیں جنہیں شیخ چاہیں اور جو شیخ کی خدمت کریں مُریدِ صادق تو اشارے کی بات سمجھ جاتا ہے۔کھول کر کہیں تو نام کٹ جاتا ہے۔**

2۔ مشورے پر عمل کرو خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔یہاں عمل کم کرتے ہیں بس دعا چاہتے ہیں۔

3۔ تصور خیال سے ہے آنکھ سے نہیں۔آنکھیں کھلی رکھو اور خیال مرشد کی طرف دوڑاؤ پھر مراد چاہو۔

4۔ مرشد کی اولاد کو اس کی غلطی پر تنبیہ نہ کرنا مرشد کے ساتھ خیانت ہے۔

5۔ صحبت کی پابندی اہم ہے۔ چاہے کم کم ہی صحبت ہو لیکن اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔

طریقت کا بارواں سبق

1۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ کسی بندے سے راضی ہو جاتے ہیں تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور جب توبہ قبول فرما لیتے ہیں تو اسے اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں اور اپنے بندوں کی محبت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

2۔ محبت ایک درد ہے جس میں قرار نہیں ایک ذکر ہے جو محو نہیں۔ایک نشہ ہے جس میں ہوش نہیں۔جس کو اللہ نے اپنی محبت عطا فرما دی وہ انسان بن گیا۔

3۔ محبت جب قلب پر گرتی ہے تو فنا ہے۔ جب نفس پر گرتی ہے تو ایک لاشہ ہے۔ جب روح پر گرتی ہے تو یہ بقا ہے۔جنہیں بقا حاصل ہو جائے وہ کامیاب اور بامراد ہیں۔

4۔ صحبت مرشد کی سختی سے پابندی کرو۔نورِ ایمانی کی شمع روشن کرو امن کا پروانہ مل جائے گا۔

5۔ گلے شکوے سے حالات نہیں بدلتے محبت اور شکر سے حالات بدلا کرتے ہیں۔

طریقت کا تیرواں سبق

1۔ **مسامرہ**: دن کے حالات کا نام ہے جو کھولے جا سکتے۔

محادثہ: رات کے راز و نیاز کا نام ہے۔اس کا فاش کرنا منع ہے۔

2۔ اِلقا اور الہام کی کیفیت غنودگی سے شروع ہوتی ہے۔

3۔ تنگی اور نا امیدی میں بغاوت کرنے والوں کا انجام بُرا ہوتا ہے۔جو صبر و سکون سے کام لیتے ہیں۔وہ اِنَّ اللہَ مَعَ الصابِرِین کے مصداق ہیں۔

4۔ **کسی فقیر کی سب سے بڑی کرامت کسی مُردہ دل کو زندہ کر کے حیاتِ اَبدی دلانا ہے۔**

5۔ جس مقام پر کسی کو کسی سے طمع نہ ہو وہاں خیر ہی خیر ہے۔

طریقت کا چودھواں سبق

1۔ ذاکر کا حُسن اگر کوئی دیکھ لے تو کئی دن ہوش میں نہ آئے۔

2۔ ہر شخص کا مرتبہ اُس کے عمل سے پہچانا جاتا ہے اُس کی صورت سے نہیں۔

3۔ قدرت کسی کی اطاعت کو نہیں دیکھتی۔ لُطف کسی کے گناہوں کو نہیں دیکھتا اللہ کی ذات جب کرم کرتی ہے تو قلوب پھیر دیتی ہے۔

4۔ سب سے آسان طریقہ لینے اور دینے کا صحبت شیخ ہے۔

5۔ ولی اپنی سیرت اور عمل سے پہچانا جاتا ہے۔حسب نسب سے نہیں۔اہل اللہ قلوب کے جاروب کش ہوتے ہیں۔

طریقت کا پندرواں سبق

1۔ روشنی حاصل کر لینا بڑی بات نہیں ہے اس کی حفاظت کرنا اور اس سے صحیح کام لینا بڑی بات ہے۔

2۔ نابینا عالم سے مراد ایسے لوگ ہیں جو علم کے تو مالک ہیں لیکن جن کا نفس زندہ اور قلب مردہ ہے۔

3۔ جس کا قلب زندہ ہے وہ بینائی کا مالک ہے وہی عالم باعمل ہے۔

4۔ قلب کی بینائی کا تعلق صورت سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق نفس کی موت سے ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد میں کامیاب ہو گیا۔وہ قلب بیدار کا مالک ہو گیا۔

5۔ اللہ تعالیٰ جنہیں حیات ابدی عطا کرتے ہیں وہ ذاکر بندے ہوتے ہیں۔

طریقت کا سولھواں سبق

1۔ ایک وقت عطا کا ہوتا ہے پھر ایک وقت محاسبے کا ہوتا ہے۔

جو لوگ محاسبے سے پہلے عطاؤں کو سمجھ لیتے ہیں وہ مالک کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنا انعام محفوظ کر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی ان کی نعمتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نعمت زوال سے محفوظ رہتی ہے۔ **محاسبے سے ڈرتے رہنا۔ محاسبے کا غم پالنا اچھی چیز ہے۔**

2۔ خیرات کرنا بھی ایک طرح کا شکر ہے۔

طریقت کا سترواں سبق:- دائمی حضوری

دائمی حضوری سے مراد ہے کہ کسی کو حضوری کی کیفیت ہمہ وقت میسر رہے۔ یہ کیفیت عالم ارواح میں تمام ارواح کو حاصل تھی۔ جہاں روحیں ہر وقت اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہتی تھیں۔ لیکن روحوں کے دنیا میں آنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہوگئی اور انسان اپنے جسم، گھر بار، آل و اولاد اور دنیاوی معاملات میں الجھ کر اس حضوری کی کیفیت سے تقریباً محروم ہوگیا۔ اس کے برعکس کچھ روحوں کا حال یہ رہا کہ وہ عین دنیا داری کے کاموں میں الجھ کر بھی حضوری کی وہ کیفیت محسوس کرتیں ہیں یعنی ان کی توجہ دنیا داری میں مصروف ہونے کے باوجود اللہ کی جانب متوجہ رہتی ہے جیسی کہ ان کی عالم ارواح میں رہتیں تھیں۔ ایسی کیفیت صرف محبوبین الہی کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن پاک کی سورہ نور، آیت نمبر 37 میں ایسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو نہ تجارت اور نہ خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل کرتی ہے"۔

دائمی حضوری کے بعد اللہ تعالی کا فیضان شروع ہوتا ہے۔

فیضان مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔

ا۔ ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے 2۔ ایک جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔

i)۔ **باطنی فیض** کی سب سے پہلی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے اندر ایک خاص قسم کا **سرور محسوس** کرتا ہے۔

ii)۔ باطنی فیض کی دوسری اعلی شکل **کیف** ہے۔

iii)۔ پھر اس سے اعلی **وجد** ہے۔

iv)۔ پھر اس سے اعلی **محویت** ہے۔

v)۔ پھر اس سے اعلی **استغراق** ہے۔ (یہ سب سے اعلی شکل ہے)

2۔ سرور اور کیف کیا ہے؟

اللہ جل شانہ ایسے بندے کو اُنس کا چھینٹا دیتے ہیں۔ اس کے جسم میں ایسی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جس سے جسم میں لذّت پیدا ہوتی ہے۔ ان لذتوں کی وجہ سے انسان کچھ بھولتا ہے کچھ یاد کرتا ہے۔ اُسے ایک خاص قِسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جِس کا تعلق احساس سے ہے بیان سے نہیں۔

3۔ وجد کیا ہے؟

یہ ایک جام توحید ہے جو اللہ جل شانہ اپنے چاہنے والوں کو منبر توحید پر پلاتا ہے۔ جِسے پیتے ہی انسان اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا ہے اور ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے صاحب وجد اپنے مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

4۔ محویت کیا ہے؟

وجد کے بعد جب انسان اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ تو مشاہدہ میں سراتا پا غرق ہوتا ہے اور مشاہدہ کے علاوہ تمام چیزوں سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔

5۔ استغراق کیا ہے؟

جب صاحب وجد اپنے مقام پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ مقام اس کے مرتبے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی **فنا فی الشیخ** کے مقام کا حامل ہے تو شیخ کے قدموں میں حاضر ہوجائے گا۔ اگر **فنا فی رسول** کے مقام پر فائز ہے تو دربار رسالت میں حاضر ہوجائے گا۔ اگر **فنا فی اللہ** کا مقام ہے تو اللہ تعالی کی تجلیات کا نزول شروع ہوجائے گا اور اَب وہ دیدار لامکاں میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اِسی کو استغراق کہتے ہیں۔

یہ ذرائع ہیں جن سے اللہ جل شانہ انسانی قلوب پر اپنے فیضان کا نزول کرتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کسی ایک کے صدقے میں سب کو نواز دیتے ہیں جو باادب اور باہوش ہوتے ہیں وہ دامن بھر لیتے ہیں۔ اور جو بے ادب اور بے ہوش ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اپنی طاقت بھی کھو دیتے ہیں۔

2۔ جب تک مرشد پر حق الیقین نہ ہو آگے راستہ نہیں ملتا ہے۔

طریقت کا اٹھارواں سبق

1۔ ایک علم نور ہے۔ ایک علم اندھیرا ہے۔ جو علم انسان کو اُس کی منزل نہ دِکھا سکے وہ اندھیرا ہے۔ (دنیا کا علم)
حقیقت میں علم وہی ہے جس سے انسان اپنی منزل خود دیکھ سکے۔ (آخرت کا علم)

2۔ جو لڑی میں پرو دیا جاتا ہے امن سے رہتا ہے۔

3۔ **جو درود شریف اور استغفار کثرت سے کرے گا تر جائے گا۔**

طریقت کا انیسواں سبق

1۔ جس کو جتنا علم ہے اتنا ہی وہ اپنے اعمال کے لیئے جواب دہ ہے اللہ تبارک تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

2۔ فقیر کسی کو یکدم پیار میں لپیٹتا ہے کسی کو دیر میں اس کا پیار خالی از مصلحت نہیں ہوتا۔ حسد سے بچنا چاہیے۔ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔

3۔ جنہیں آنکھیں مِل جاتی ہیں وہ دیکھتے ہیں بولتے نہیں ہیں اُن کا حوصلہ بلند ہوجاتا ہے ان کا ظرف بلند ہوجاتا ہے۔

4۔ **لنگر کی خدمت میں ضرور حصّہ لینا چاہیے۔ جتنی پلیٹیں اٹھائے گا۔ جتنی خدمت کرے گا نور کی بارش میں رہے گا۔**

طریقت کا بیسواں سبق

1۔ اللہ تبارک تعالیٰ جب کسی بندے پر کرم فرماتے ہیں تو اُس کے دل میں اپنا نور معرفت ڈال دیتے ہیں۔ تو ابتدا میں یہ دن اور رات میں چالیس حالتوں میں سے گزرتا ہے۔ ایک وہ ہیں جن کی آنکھ پر پٹی باندھ کر ان کیفیات سے گزارا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں اتنا ظرف اور ضبط نہیں ہوتا کہ وہ مشاہدہ بھی کریں اور اپنا کام بھی جاری رکھیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان میں مشاہدہ کے ساتھ ظرف عطا فرما دیتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے پٹی کھول دی جاتی ہے۔

طریقت کا اکیسواں سبق

1۔ علم ناسوت:

میں ذکر کی پہلی منزل ذکر لسانی لا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ ہے۔

جب زبان اس ذکر کی عادی ہوجاتی ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ قلب بھی ہمہ وقت اپنے رب کو یاد کرنے لگتا ہے تو اس کی رسائی عالم ملکوت یعنی فرشتوں کے عالم میں ہوجاتی ہے اگلی منزل عالم جبروت ہے اس کے بعد عالم لاہوت جہاں ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ نہیں۔

ان چار عالموں کی چار کیفیات ہیں۔

i)۔ پہلی حالت زوال ہے۔ مخلوق کی طرف رجوع رہتا ہے ننگ و ناموس کی فکر رہتی ہے۔

ii)۔ دوسری حالت **کمال ہے**۔ اِسی میں ملائکہ کا ساتھی ہوجاتا ہے۔

iii)۔ تیسری حالت **وصال** ہے۔ اِس میں اولیا اللہ کی محفلوں میں روحانی طور پر شریک ہوتا ہے

iv)۔ چوتھی حالت **احوال** ہے۔ اس میں زمین کے مخفی خزانے دیکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اُسے مکاشفہ عطا فرما دیتے ہیں اور اسے دید لامکاں کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اس دید لامکاں کی بھی چار حالتیں ہیں۔

i)۔ سرور کیف ii)۔ وجد iii)۔ محویت iv)۔ استغراق

طریقت کا بائیسواں سبق

1۔ مقام ناسوت 2۔ مقام ملکوت 3۔ مقام جبروت

4۔ مقام لاہوت 5۔ مقام ہاہوت

انسان کے وجود کے طریقے ہوتے ہیں۔

1۔ جب انسان لذتوں کی طرف دوڑتا ہے تو اُس کا طریقہ **ناسوتی** ہوتا ہے۔

2۔ جب انسان مدح وثنا کی طرف مائل ہوتا ہے تو اُس کا شیوہ **ملکوتی** ہوتا ہے۔

3۔ جب انسان اپنی ذات کی شناخت حاصل کر رہا ہوتا ہے تو اس کا جلوہ **جبروتی** ہوتا ہے۔

4۔ جب انسان "انا دانی" میں قریب ہوں کے جذب وکیف میں شور کرتا ہوں یہ شور **لاہوتی ہو** تا ہے۔

5۔ اور جب انسان اِن تمام کیفیات سے آگے نکل جاتا ہے وہ خواب **ہاہوتی ہو** تا ہے۔

یہ ایک عظیم معاملہ ہے جیسے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

طریقت کا تیئسواں سبق

1۔ اہل طریقت کا اول مقام **ایثار** ہے۔

2۔ پھر محبت 3۔ پھر مشاہدہ 4۔ پھر فنا 5۔ اور پھر بقا

ایثار تین وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے۔ i)۔ محبت ii)۔ خوف iii)۔ طمع

محبت کا ایثار اعلیٰ اور ارفع ہے۔ بغیر ایثار کے محبت نہیں اور بغیر محبت کے مشاہدہ نہیں اور بغیر مشاہدے کے فنا نہیں اور فنا نہیں تو بقا نہیں اور بقا نہیں تو منزل ادھوری رہ گئی۔ اِس لیئے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو اپنی محبت میں صادق ہیں۔ اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ اہل محبت راز دان ہوتے ہیں عالم مشاہدے میں ہوتے ہیں۔ جو حق الیقین کا مالک ہو وہی مقام فنا میں قدم رکھ سکتا ہے۔ پس جس نے فنا کی لذت چکھی وہی بقا کا مالک ہوا۔ اور اُس کی منزل تک رسائی ہوئی۔

طریقت کا چوبیسواں سبق

حدیث قدسی ہے:

"جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ہے اور وہ ٹکڑا فواد ہے۔ اور فواد دل میں ہے اور دل روح میں اور روح سر میں اور سر خفی میں اور خفی انا میں" (عین الفقر:18)

اِس حدیث پاک میں مقامات قلب کو تذکرے کے طور پر بیان کیا ہے۔

توحید کا نور تین مقامات پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ i)۔ پیشانی ii)۔ آنکھ iii)۔ دل

اگر ان تینوں مقامات سے عبادت ظاہر ہوتی ہے تو فقیر صاحب معرفت ہوجاتا ہے ورنہ نور سلب ہوجاتا ہے۔

1۔ عبادت پیشانی سجدے پر قائم رہنا ہے۔

2۔ عبادت چشم شریعت محمد خاتم النبیین ﷺ پر نظر رکھنا ہے۔

3۔ عبادت قلب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق اور اطاعت ہے۔

پس چاہیے کہ ذکر الٰہی پر دوام رہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانوس ہوجاتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

طریقت کا پچیسواں سبق

1۔ جس کے پاس ظاہری بینائی نہیں اُس کی دنیا خطرے میں ہے۔

2۔ جس کے پاس قلب کی آنکھیں نہیں اُس کی عاقبت خطرے میں ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے دونوں بینائیاں عطا کر دی ہیں۔

3۔ علاج اس وقت ہوتا ہے جب طبیب کی نظر مریض پر ہو جو مریض کو دیکھے گا نہیں وہ علاج کیا کرے گا ظاہری علاج کے لیئے ظاہری آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے اور باطنی علاج کے لیئے باطنی آنکھ کی۔

طریقت کا چھبیسواں سبق

1۔ جس نے دن میں چند ساعتیں نکال کر الگ تھلگ بیٹھ کر اللہ کو یاد کر لیا وہ کامیاب ہوگیا۔

2۔ صحبت کی پابندی، درود شریف کی کثرت اور استغفار کو پکڑ لو بیڑا پار ہے۔

3۔ اہل طریقت میں اعلیٰ کھانوں کا اہتمام کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ نفس کی اصلاح غذا سے شروع ہوتی ہے جتنی غیر لذیز غذا کھائے گا اتنا ہی نفس مردہ ہوگا۔ جب لذت

کا احساس کم ہوتا ہے تو عبادت کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

طریقت کا ستائیسواں سبق

1۔ محبت دینا اور چیز ہے مصرف دینا اور چیز

دنیا کو دل میں جگہ نہ دو۔ بقدر ضرورت ہاتھ میں تھامے رکھو۔ دل تو بس اللہ تعالیٰ کے رہنے کی جگہ ہے۔ اللہ کی جگہ پر کوئی دوسری چیز نہ آنے پائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ شراکت سے سب سے زیادہ بیزار ہیں۔

2۔ جب بھی اہل اللہ کے پاس جاؤ تو اپنے قلب پر نظر رکھو کہ اِس میں کوئی تغیر ہوا ہے یا نہیں۔ ان حضرات کو اللہ تعالی نے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ جب بھی کوئی ان کے سامنے آتا ہے۔ تو ان کی قوت برداشت کے مطابق ان کی کثافت سلب کر لیتے ہیں۔ جس سے اِس شخص کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ طبیعت مطمین ہو جاتی ہے اور وہ پر سکون ہو جاتا ہے۔

3۔ اہل اللہ کی نگاہ کام ضرور کرتی ہے۔ کوئی بلب کے نیچے آجائے تو روشنی اُس پر ضرور پڑتی ہے۔

طریقت کا اٹھائیسواں سبق

1۔ اہل اللہ کی نگاہیں انسان کے قلب کی تاریکیوں کو سلب کر لیتی ہیں۔ جب تاریکی سلب ہوتی ہے تو پاکیزگی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ جب باطن پاک ہوتا ہے تو بغیر وجہ کے رقت طاری رہتی ہے۔ جو بے اختیاری ہوتی ہے۔ اس کا قلب اور روح بیدار ہوتے ہیں پھر وہ غسلِ باطنی کرتا ہے۔

2۔ **غسل باطنی آنسوؤں سے ہوتا ہے۔ جب پاک ہو جاتا ہے تو پاک ذات کو پکارتا ہے۔ پھر ایک روز وہ پاک ذات اِس پکارنے والے کو پکار لیتی ہے اور دونوں جہانوں میں اس کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔**

طریقت کا انتیسواں سبق

1۔ طالب حق کو پیر کے ملنے کے بعد لازم ہے (فرضِ عین ہے) کہ اُس کی خدمت میں رَہے۔

2۔ اگر ہمیشہ خدمت میں نہ رہ سکے تو اولیاء اللہ کے کلام پر عمل کرے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کا کلام بھی پیر کی صحبت کا کام دیتا ہے۔ باقی فضل واحسان مولا کریم کا ہوتا ہے۔

3۔ طالب کو چاہیے کہ اہل دنیا کی صحبت سے جو کسی طریقے میں داخل نہیں اور اللہ سے محبت نہ رکھتے ہوں دنیاوی اسباب میں مشغول رہتے ہوں دور رہے۔

4۔ جو ذکر اور فکر استاد سے حاصل کیا ہے اُس کی مداوَمت کرے۔

طریقت کا تیسواں سبق

1۔ طالب حق سوتے وقت آرام اور تندرستی کو مدنظر رکھے لذت کا خیال نہ ہو۔ کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اور زیادہ جاگنے سے بچے کیونکہ آدمی زیادہ جاگنے سے بیمار ہو جاتا ہے۔ پس چاہیے کہ نیت آرام کی ہو کہ اس سے تندرستی حاصل ہوگی اور عبادت اچھی طرح ہو سکے گی۔

2۔ یہ خیال رکھا جائے کہ میرے ہاتھ پاؤں، زبان اور آنکھ سے کوئی دل آزردہ نہ ہو۔ اہل شریعت اور طریقت نے اس آزردگی کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ پس خلقت کی ناراضگی اللہ تعالی کی دوری کا باعث بنے گی۔

3۔ **فقیر کے حلق میں نور بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنی شہ رگ سے نکال کر نور تقسیم کرتا ہے۔ اس لیے اُس کی بات میں لذت ہوتی ہے۔**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ذریعہ یا وسیلہ

درویش کے ظاہر کو شریعت اور باطن کو طریقت سے آشنا ہونا چاہئے- شاکر ہر طرح کے حالات کو راضی بارضا سمجھتا ہے- لطف میں بھی خوش اور تکلیف میں بھی خوش- ہمیشہ آئینے کی طرف رخ کر کے دیکھنا چاہئے- دوسروں کے عیب نہیں اپنے عیوب پر نظر رہے گی- کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا ہم سب کچھ اپنے لیے خود کرتے ہیں- قادر مطلق سب سے ناکارہ شخص کو بھی ہمارا وسیلہ بنا دیتا ہے-

آواز کی چاندنی، حقیقت کی چاندی کو سونا بنا دیتی ہے- حقیقت کی آواز کے لیے کرخت آواز نہیں میٹھی اور دھیمی آواز کی ضرورت ہوتی ہے- عشق کی محفل میں کوئی کمزور نہیں رہتا- جو روپڑا وہی مقبول ہو گیا- اگر سورج نہ ہو تو پھل پھول کچھ بھی نہیں اگ سکتے- عشق نصیب نہ ہو تو انسان مرجاتا ہے- عشق کی قیمت دنیا کی کسی چیز سے ادا نہیں کی جاسکتی- طالب طلب کرتا ہے اور مطلوب اس کی رہبری کرتا ہے- علم عمل کے بغیر انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے- اگر علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو عقل کیا کام کرسکتی ہے-

عدل بھی سب کچھ جاننے سے مشروط ہے- حق کو جاننا--- سچ کو جاننا--- دین عمل میں ہے- عقل استعمال کرنے کو کہا گیا ہے- عقل استعمال کرنے کے لئے بھی کسی مرشد کی ضرورت ہوتی ہے- کسی کے اخلاقی معاملات کو سنوارنے کے لیے زکوۃ ذریعہ بنتی ہے- ہر اچھے عمل کی زکوۃ ہے- زکوۃ اور صدقہ نہ رہے تو امن نہیں رہتا- جو چیزیں ہماری نہیں انہیں جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ تقسیم کریں گے تو آباد رہیں گے--- تقسیم ہو جائیں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے- جاننے والے کہتے نہیں کہنے والے جانتے نہیں- ایک دوسرے کی بہتری اور اس کے بارے میں جاننا زکوۃ ہے- ہر شے کی زکوۃ ہے- بدن کی زکوۃ روزہ، عقل کی زکوۃ علم، زبان کی زکوۃ ذکر، دل کی زکوۃ عشق اور نفس کی زکوۃ علم حاصل کرنا ہے- کسی غریب کی روح کو چھو لینا صدقہ ہے- یہ سب کچھ جاننے کے لئے کسی رہبر کی ضرورت ہوتی ہے-

طواف کعبہ میں مصروف رہ گئے حاجی
بہت قریب سے گزری نجات کی کشتی

1۔ انسان کے جسم سے روح اللہ کے حکم سے نکلتی ہے لیکن اس کا ذریعہ عزرائیل علیہ السلام ہیں۔
2۔ کوئی پتا اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا لیکن اس کو ہلانے کا ذریعہ ہوا کو مقرر فرمایا۔
3۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا تعلق اللہ تعالی سے بلاواسطہ تھا لیکن وحی پہچانے کا ذریعہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔
4۔ اِسی طرح انسان کے رزق کا ذمہ دار اللہ ہے لیکن ذریعے مختلف ہیں۔
5۔ رُشد و ہدایت اللہ کی توفیق سے ہے لیکن ذریعے مختلف (انبیاء اولیاء)۔
6۔ تعلیم مقدر کے مطابق ہے لیکن ذریعے استاد ہیں۔
7۔ حضرت موسی علیہ السلام--- شفا اللہ--- پھر طبیب کیا کرتے ہیں؟ اپنا رزق کھاتے ہیں اور لوگوں کو خوش کرتے ہیں-
8- صحت یابی اللہ کی طرف سے ہے لیکن ذریعہ ڈاکٹر ہیں۔ مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے کیا چاہیے غذا یا علم؟ کیا پیدا ہوتے ہی پڑھانا شروع کر دیا جاتا ہے؟ پھر یہ بات کہ پیدا ہوتے ہی غذا خود نہیں کھاتا غذا پہنچائی جاتی ہے اس کے قریب کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے نسبت دی جاتی ہے اگر مسلمان ہے تو کان میں آذان دی جاتی ہے اور یہ بات یاد کروائی جاتی ہے کہ تُو (خداعزوجل اور رسول خاتم النبیین ﷺ کا ہے)۔ پھر چونکہ اس نسبت کا حق حلال غذا ہے۔ اس لیے حلال غذا دی جاتی ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو پھر علم کے لیے مکتب میں داخل کیا جاتا ہے۔ بچہ "دائی" کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ماں اور بچہ دونوں خطرے میں ہوتے ہیں۔ دائی ہو تو دونوں محفوظ ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ جو پیدائش کسی وسیلے سے ہوتی ہے اس کی بڑی عظمت ہوتی ہے اگر گھر میں اندھیرا ہو تو وسیلہ روشنی دیتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی مثالیں ہیں "دائی" زندگی نہیں دیتی اس زندگی کو محفوظ طریقے سے ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل کروانے میں صرف مدد دیتی ہے۔ اب دائی کے گندے ہاتھ اور کپڑے دیکھ کر اس کی عظمت کی نفی نہ کرو اس پر ترس کھاؤ۔ دھوبی جب دریا میں کھڑے ہو کر کپڑے دھوئے تو اس کی عزت کرو کہ میلے کوئی کرے دھوئے کوئی اور۔ اللہ تبارک تعالی ہر شے پر قادر ہے۔ اور جس کی طاقت جتنی زیادہ ہوتی ہے اس کے اختیارات بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالی خود مخلوق سے براہ راست مخاطب ہوتا تو کوئی برداشت نہ کرسکتا اس کی مثال اس طرح سمجھیں کہ جیسے سورج نے اپنا نور خود سے جدا کیا اور زمین کی طرف بھیجا۔ جب وہ نور سفر میں ہے تو اس کا

نام شعاع ہے۔ جب یہ نور زمین پر پہنچا تو اس کا نام دھوپ ہے۔ سورج کی روشنی اور دھوپ سے انسانی زندگی کی نشوونما ہے لیکن اگر سورج خود زمین پر اتر آتا تو ہر چیز فنا ہو جاتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدروں کے مظاہر انسانوں میں ہی بنا دیئے تا کہ لوگ ان کی تاب لاسکیں اور نفع حاصل کر سکیں۔

دانا وہ ہے جو بُرا وقت آنے سے پہلے مددگار تلاش کر لیتا ہے اچھے وقت میں بُرے وقت کا دوست مل جاتا ہے لیکن بُرے وقت میں اچھا دوست ملنا مشکل ہے۔

اللہ کے قرب کے واسطے اچھا ذریعہ رابطہ (مرشد) ہے۔ رابطہ کے معنی محاورہ میں ربط، ضبط اور تعلق خاص کے ہیں۔ اللہ سے ملنے کے بہت سے راستے ہیں۔ جس قدر نفوس ہیں اسی قدر راہیں اللہ سے ملنے کی ہیں۔۔ ہر نفس اپنی حقیقت سے ملنے کا راستہ رکھتا ہے۔ لیکن کبرائے دینؒ نے بالا تفاق تین راہوں کو اخذ کیا ہے یہ تین راہیں سب راستوں سے بہتر ہیں اور ان راستوں پر چلنے سے لاکھوں ولی ہوئے ہیں اور ان کی تصدیق تواتر سے حق الیقین تک پہنچ چکی ہے کہ یہ راستے بے شک سب راستوں سے افضل ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ ذکر 2۔ فکر 3۔ رابطہ مرشد یا روحانی استاد

اگر یہ تینوں راستے کسی طالب کو ایک وقت میں میسر آ جائیں " نُورٌ علیٰ نور" ورنہ ان تینوں راستوں میں سے کسی ایک کو بھی مضبوطی سے پکڑے گا تو بے شک اللہ تک انشاء اللہ ضرور پہنچ جائے گا۔ خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں" ذکر رابطے کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچاتا البتہ رابطہ بلا ذکر اللہ تک پہنچا دیتا ہے"۔ اولیا اللہ ، اللہ کے دوست ہوتے ہیں - یہ لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں اور ایسے لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ان کا مونس نقصان اٹھاتا ہے۔ (جو اولیا کا ہم نشین ہو گمراہ نہیں ہوگا) یعنی اللہ کا ہم نشین اور اللہ کا مونس نہ گمراہ ہوگا نہ نقصان اٹھائے گا ان کی شان میں وارد ہوا ہے کہ:

ترجمہ " :ان ہی کی وجہ سے پانی لوگوں کے لیے برسایا جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعے سے دشمن سے بدلہ لیا جاتا ہے"۔ (مشکوۃ المصابیح)

مولانا رومیؒ اولیاء اللہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ :"جب اللہ کا ولی روتا ہے تو ساتوں آسمانوں میں شور مچ جاتا ہے اور اس وقت اس کو مخصوص قُربِ حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کے سر پر اللہ تعالیٰ تاج پر تاج رکھتا ہے"۔ اولیاء کرام رحمۃ اللہ کی صورت زمین پر ہوتی ہے اور روح لامکاں ، پر لامکاں وہ مقام ہے جو سالک کے وہم سے بھی بالاتر ہے۔

جب انبیاء علیہ السلام بشریت اور ضروریات زندگی سے بری نہیں ہو سکے تو اولیاء اللہ کس طرح حوائج ضروری سے بَری ہو سکتے ہیں لہذا ان کی خدمت انکی خوشنودی ، خوشنودیِ حق ہے اور ان کی خوشنودی، اِن کی دعا اور خدمت دین و دنیا کے بڑے بڑے کاموں کو حل کر دیتی ہے۔ اِسی طرح ان کی ناخوشی اور ان کی دل آزاری نہایت نقصان دہ ہے اور دین و دنیا کے کاموں کو تباہ اور برباد کر دیتی ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے: ترجمہ: "میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اس کے دوستوں کے غضب سے"۔

اللہ تعالیٰ نے عالم کے بگاڑنے اور سیدھارے کا معاملہ خاصان حق کے قلوب پر رکھا ہے۔ قرآن شریف اس کا شاہد ہے انبیاء علیہ السلام کی دعا سے مخلوق آفتوں سے بچ گئی اور بددعا سے ملک کے ملک تباہ ہو گئے -

بقول مولانا رومیؒ" کسی قوم کو اللہ نے اس وقت تک برباد نہیں کیا جب تک اس قوم نے اللہ کے کسی خاص بندے کا دل نہ دُکھایا"۔

محبت خاصانِ حق گویا بارانِ رحمت ہے۔ جس طرح بارش سے زمین پر رنگارنگ کا سبزہ اور پھول اُگتا ہے اِسی طرح محبت علمائے ربّانی سے دل میں رنگ برنگ کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور بغیر فضل خدا اور عنایات خاصان خدا کامیابی نہیں ہوتی۔

بقول مولانا رومیؒ کے " اصحاب کہف کا کُتا صرف چند روز نیکوں کے ساتھ رہا تھا خدا نے اس کو بھی انسان بنا دیا اور کیسا مرتبہ دیا"؟

بقول مجدد الف ثانی" وصول الی اللہ کے لیے رابطے سے اقرب کوئی طریقہ نہیں"۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ زیادہ ربط اور تعلق اور محبت رکھتے تھے اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ماصَبَ اللہُ فِی صَدرِی شَیاًءاِلاَّصَبَبتہُ فِی صدرِ ابی بَکر

ترجمہ " : نہیں ڈالا اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں کچھ مگر میں نے اس کو ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا"۔ (عشرہ مبشرہ)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "الٰہی محبت دے اپنی اور اپنے مقبولوں کی " (حلیۃ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 108) تو جب آپ ﷺ اپنے سے ادنیٰ کی محبت اللہ سے مانگ رہے ہیں تو ہم کو لازماً اپنے سے اعلیٰ اولیاء اللہ کی محبت رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر ہم اچھے نہیں تو پھر تو اَچھوں سے محبت رکھنا اور بھی ضروری ہے تا کہ ہمارا

حشر ان کے ساتھ ہو - حدیث شریف " ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ زیادہ محبت رکھتا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

خوبی کامل استاد یا خوبی شیخ یہ مانی جاتی ہے کہ طالب اپنے معاملات دینوی اور پرورش اہل وعیال اور اتباع سنت کرتا رہے۔اور اس کے ہوش وحواس میں فرق نہ آئے۔ سوائے اس وقت کہ جس وقت نور وحدت الوجود کا اس پر پورا طاری ہو۔اگر کثرت جذب سے ہمیشہ کے لیے خدمت اہل وعیال جاتی رہی اور ہوش وحواس میں فرق آ گیا یا اتباع سنت اس کے ہاتھ سے چلی گئی جو سب سے زیادہ باعثِ قربِ الٰہی ہے تو مرشد کی، استاد کی ،شیخ کی تعلیم کا نقصان ہوا اور یہ طالب کی کم ظرفی کا ثبوت ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک شخص آیا آپؒ نے اس سے پوچھا " تو کیا کرتا ہے"؟اس نے عرض کیا"اللہ کے ساتھ رہتا ہوں- بموجب ارشاد اَنَا جَلِیسُ مَنْ ذَکَرَنِی (میں اس کے ساتھ ہوں جس نے مجھے یاد کیا)"-

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا " اے شخص اللہ کے بندوں کے ساتھ رہا کر تُو جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا صلہ اللہ کی طرف سے تیری حیثیت اور تیرے خلوص کے موافق تجھے ملے گا اور اگر خاصان حق کی صحبت میں رہے گا تو خاصان حق کی حیثیت اور خلوص کے موافق تجھ کو حصّہ ملے گا"۔

اس کی تمثیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زمین میں حوض کھود کر اور کنویں سے ڈول میں پانی بھر بھر کر حوض کو بھرنا چاہے تو ہرگز نہ بھر سکے گا کیونکہ حوض پختہ نہیں ہے خام ہے لہذا اوّل ڈول کا پانی ڈال کر جب دوسرا ڈول کھینچے گا تو اول ڈول کا پانی زمین میں خشک ہو جائے گا۔اسی طرح اس کے نیک عمل کا حال ہے کہ ایک نیکی اور وہ بھی "ریا آمیز " (دکھاوے والی) اس نے ادھر کی اور ادھر غفلت، نافرمانی حق اور معصیت کی وجہ سے وہ نیکی غارت ہوئی۔اولیاء اللہ پر چونکہ دریائے رحمت ہر وقت جاری رہتا ہے لہذا جو ان کی صحبت میں رہ کر یا ان سے صحبت راسخہ پیدا کر کے۔ان کے دریا کے دل سے اپنے خشک حوض کی طرف نالی کھول لے گا تو اس کا حوض بہت جلد بھر جائے گا۔اس وجہ سے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے ساتھ رہنے سے طالب کا بندگان خدا کے ساتھ رہنا افضل ہے۔

امام طریقت حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے طریقے میں صحبت ہی کارآمد ہے کیونکہ تنہائی میں شہرت اور شہرت میں آفت ہے اور خیریت اطمینان میں ہے اور اطمینانِ دل صحبت میں ہے بشرطیکہ ہر ایک اپنے کو دوسرے سے کم جانے۔

حضرت خواجہ عبداللہ اصرارؒ فرماتے ہیں " ہمارا ذکر و فکر قضا ہو جائے تو فکر نہیں لیکن ہماری حاضری خدمت قضا نہیں ہونی چاہیے۔اس لیے کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"اے علیؓ جملہ عبادات ونوافل سے بندۂ خاص کی صحبت میں رہنا چاہیے"۔اس مثال کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ تختِ شاہی سے معیت میں وزیر چوب دار اور نقیب قریب قریب برابر ہی ہوتے ہیں لیکن جو انعام اور خلعتِ خاص تنخواہ اور جاگیر ---وزیر کو عطا ہوتی ہے چوبدار اور نقیب اس تنخواہ تک سال ہا سال کے بعد بھی نہیں پہنچتے۔پس یہی فرق خاصان حق اور غیر خاصان حق کا ہے۔

اگر صرف تعمیل احکام مقصود ہوتی اور صحبت خاصانِ حق کارآمد نہ ہوتی یا بااثر نہ ہوتی تو احکام الٰہی کو سمجھانے کا کام فرشتے اچھی طرح انجام دے سکتے تھے۔اسی لیے فوائد صحبت کے واسطے بوجہ ہم جنس بشریت اللہ تعالی نے نبیاء کرام علیہ السلام کو بھیجا۔صحبت اولیاء سے اِنسان افلاک پر ترقی پا جاتا ہے۔

اللہ تبارک تعالی جب کسی کو اپنے مقبول بندوں کی صف میں شامل کرنا چاہتے ہیں یا سوئے ہوئے کو بیدار کرنا چاہتے ہیں یا جاگے ہوئے کو نسبت عطا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی رہبری کے لیے اللہ اپنا مقبول بندہ اس کو عطا فرما دیتے ہیں اور اس کی ذمہ داری اپنے چاہنے والے کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اسے استاد کہتے ہیں یا مرشد یا پیر یا شیخ یا رہبر جو ایک وسیلہ کا کام کرتا ہے۔مرشد یا روحانی استاد صرف اتنا کام کرتا ہے کہ ہمارے ذوق وشوق نظر جو ہمارے اندر کام کرنے والی صلاحیت ہے اس کو متحرک کر دیتا ہے۔

****

طالب ومطلوب

اللہ تعالیٰ جسے اپنے لیے پسند فرماتا ہے اسے اپنی طلب عطا فرماتا ہے- طالب کو طلب ہوتی ہے، اللہ کی--- پھر طالب کے راستے میں محافظ کھڑے کر دیتا ہے- طالب راستے سے بعد میں گزرتا ہے، راستہ پہلے صاف کر دیا جاتا ہے- یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، طالب پر----جس سے وہ بے خبر ہوتا ہے-معلوم ہونے پر طالب اپنے اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکرگزار بن جاتا ہے اور فضول لفاظی میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا-

توحید والوں کا اللہ ذمہ دار ہوتا ہے- جس سے لگاؤ ہو جاتا ہے اسے تنبیہ کی جاتی ہے- انسان عالم وجود کا ایک حصہ ہے یعنی ایک ہی وجود سے جڑا ہوا حصہ---اللہ تعالیٰ کی قدرت بے حد، بے حساب ہے- شر ماحضوری میں دعا مانگنے والوں کو نواز دیا جاتا ہے- وہ دوست تو ہماری فطرت میں پنہاں ہے- جب خود سے ہی ناواقف ہوں گے تو اس کو کیسے پہچانیں گے؟ اندرون ذات کا دروازہ کھولیں تو اس ذات کو پائیں گے-لیکن اس کے لئے من کا کو مارنا ہے--- میں کو ختم کرنا ہے---تب کہیں راہ نظر آئے گی- وہ راہ ہے راہِ حقیقت--- راہِ عشق-

طالب کہتے ہیں سیکھنے والے کو شاگرد کو مرید کو اور **مطلوب** کہتے ہیں سکھانے والے کو استاد کو شیخ کو یا پیر کو- جس میں طالب کی مراد کا خزانہ ہو-

اس عالمِ دُنیا کا مشاہدہ ایک بوڑھا بھی کر رہا ہے- ایک نوجوان بھی اور ایک بچہ بھی کر رہا ہے- کیا تینوں کے مشاہدے کی کیفیات ایک ہیں؟ ان کے نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے حالانکہ سب اسی کائنات میں چلتے پھرتے ہیں- ایک جاہل دیکھتا ہے اور ایک عالم دیکھتا ہے- ان کے نظریے جُدا جُدا ہیں- کوئی محبت کی نظر سے دیکھتا ہے کوئی اپنی غرض کی نیت سے دیکھ رہا ہے تو جیسی نظر ویسا ثمر-

1۔ ایک دید نورِ نظر سے ہے-

2۔ ایک دید نورِ دل سے (نظر دل)

3۔ ایک دید نورِ محبت سے (نظر محبت)

4۔ ایک دید علم کی دید ہے-

لیکن یہ علم کی دید- دید کے اثرات تو محسوس کرتی ہے- لیکن دیکھنے والی قوت کو محسوس نہیں کرتی- پس پردہ کچھ اور ہی دید ہے- اب اس دید کو اچھی طرح سمجھ لو- کوئی نور اکیلا کسی شے کا مشاہدہ نہیں کر سکتا مثلاً آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے- سورج غروب ہو جائے- اندھیرا چھا جائے روشنی نہ ہو تو کیا آنکھ یا نورِ نظر دیکھنے کے قابل ہوگا؟ نہیں-

ایسا کیوں ہے؟ یہ صرف اللہ جل شانہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ چونکہ وحدت میں ہے- لہٰذا اس کی بصیرت بھی وحدت میں ہے- اسی کا نور ایسا نور ہے- جو بغیر کسی معاونت کے ،بغیر کسی تعاون کے ،دیکھنے کی قوت رکھتا ہے- یہ اسی کی نظر ہے کہ جس کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل کچھ نہیں سب حال ہی حال ہے- **یہ تین زمانے تو ان کے لیے ہیں جسے آگے نظر نہ آتا ہو، پچھلا بھول جاتا ہو اور رواں دواں میں متفکر رہتا ہو- اِسے کہتے ہیں ماضی، حال اور مستقبل** --اللہ جل شانہ تینوں زمانوں سے پاک ہے- اس کے لیے سب حال ہی حال ہے- اس لیے کہ وہ متصرف ہے- اُس کو تصرف ہے اس کے ارادے سے زمانہ وجود میں آیا ہے- زمانے نے اسے وجود نہیں دیا-

ہر نور ایک تعاون چاہتا ہے- اسی طرح ایمان دو محبتوں کے امتزاج کا مرقع ہے- **محبت رسول خاتم النبیین ﷺ اور محبت باری تعالیٰ جل جلالہ** جب یہ دونوں محبتیں قلب میں پیدا ہوں تو ان کا نام ایمان ہے- جب ایمان کی روشنی قلب میں پیدا ہوتی ہے تو مشاہدہ آخرت ہوتا ہے اور جب اس طرح مشاہدہ آخرت ہو تو پھر جو یقین اس مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے اُسے موت بھی مٹا نہیں سکتی- جو یقین دلیل سے پیدا ہوتا ہے- اسے دلیل مٹا دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دلیل کا یقین فانی ہے اور دید کا یقین غیر فانی-(یعنی مشاہدے کا یقین غیر فانی) جس طرح مشاہدہ آخرت کے لیے لازم ہے کہ وہ ان دونوں کو اپنے قلب کے اندر جمع کر لے- (اللہ اور رسول کا نور) اسی طرح طالبان حق کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کے اندر دو نور کو اکٹھا کر لے- پس جب طالب کا نور اور مطلوب کا نور اکٹھے ہوتے ہیں تو بارگاہ رسالت تک رسائی ہوتی ہے-

اکثر و بیشتر یہ پوچھا جاتا ہے کہ **مرشد کا کیا مقام ہے؟ یا مرشد کی کیا ضرورت ہے؟** تو اس کو اس طرح سمجھایا جاتا ہے جسے ہنڈیا پکانی ہو اسے ڈوئی رکھنی پڑتی ہے- دیکھنے میں

ڈوئی بہت ہی کم قیمت شے ہے۔ اگر تھوڑا سا سالن اس سے لگ جائے تو اسے بھی صاف کر لیا جاتا ہے اور ہنڈیا پکانے کے بعد اس کو ایک کونے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس ڈوئی کا کیا کام ہے؟ جب ہم کسی چیز کو آگ پر چڑھا دیں گے تو آگ کی یہ فطرت ہے کہ ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن نہیں ہوگی اس لیے اس آگ کو ہنڈیا کی ضرورت کے مطابق متوازن کرنے والی چیز رکھنی پڑے گی۔ ڈوئی (مزاج آتش کا بدرقہ ہے) اور ہنڈیا کی عافیت ہے۔ تو مرشد کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جس کا قلب عشق مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھن رہا ہو مرشد اسے متوازن کرتا ہے کہ حرارت کہیں طالب کی سکت سے بڑھ نہ جائے۔ کیونکہ سخی جب عطا کرتا ہے تو ظرف گدا کو نہیں دیکھتا سخا ایک مدوجذر ہے جو مزاج میں پیدا ہوتا ہے۔ دریا جب اپنے پیٹ کی چیزیں اُگلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ کنارے والا تیار ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اس میں جوش پیدا ہوتا ہے اور بس اچھال دیتا ہے اب خواہ دامن میں لے کر جائے۔ یا کاسہ میں لے کر جائے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی جب رحمت جوش میں آتی ہے اور کرم کی ہوائیں چلتی ہیں تو شرابی بھی نواز دیئے جاتے ہیں۔ تو ڈوئی کا کام ہنڈیا کو آگ کی مناسب حال متوازن رکھنا ہے تا کہ مال ضائع نہ ہو جائے۔

اللہ کا کلام قانون پر مبنی ہے، ترغیب پر مبنی ہے، تنبیہ پر مبنی ہے، کچھ یہاں کی کچھ وہاں کی خبر پر مبنی ہے، لیکن عرفان صاحب کلام یا عرفان ذات حق کا خزانہ سینہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس لیے کہ فیض کے لیے ہم جنس کا ہونا ضروری ہے جس برق کے درو دیوار نہیں ہوتے وہ کوندتی ہے اور خاک کر کے چل دیتی ہے اور جو برق ایک حدود کے اندر رہوتی ہے وہ ایک عالم کو روشنی دیتی ہے۔

جب رب نے چاہا کہ عالم روشن ہو جائے تو ذات مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جلوہ گر ہو گیا یا یوں سمجھ لو کہ روشنی روشنی دینے کے لیے قندیل چاہتی ہے۔ (اللہ نور السّموات والارض) میں بھی قندیل کا ذکر آیا ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسم کے محتاج نہیں اللہ تبارک تعالیٰ بھی محتاج نہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم ہو۔ بلکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسدِ حضوری خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی نور کی صورت میں موجود تھے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین سے حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا" اے جبرائیل آپ کی عمر کتنی ہے"؟ کہا" یا رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنا تو نہیں جانتا کہ میری عمر کتنی ہے؟ لیکن ایک " ستارہ نور" ہر ستر ہزار برس کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میں اسے ستر ہزار مرتبہ چمکتا ہوا دیکھ چکا ہوں"- حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اے جبرائیل علیہ السلام کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ ستارہ نور کیا ہے"؟ پھر فرمایا " وہ میں ہی تو ہوں"۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج1، ص30)

یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہم پر کرم ہوا کہ قندیل میں نور رکھ دیا تا کہ اس نور کو برداشت بھی کر سکیں اور اس نور سے ہم مستفید بھی ہو سکیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک میں نور کا ظاہر ہونا خود مخلوق کی ذات پر احسان ہے اللہ جل شانہ اپنے حبیب کی ذات میں جلوہ گر ہے فرمایا جو مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کر لے جو مجھ سے سننا چاہتا ہے محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن لے جو مجھ سے لینا چاہتا ہے وہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے لے۔

جب دنیا کا بادشاہ اپنے وزیر اعظم کو اختیارات سونپ دیتا ہے تو براہ راست درخواست وصول نہیں کرتا وہ کہتا ہے Through Proper Channel اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو میں نے احترام بخشا ہے پہلے اس کا احترام کرو اگر تو میرے مظاہر قانون کا احترام کرنے سے عاری ہے تو مجھ سے کیا توقع رکھتا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کو اختیارات سپرد کیے ہیں ان کا انکار اللہ جل شانہ کی تقسیم کا انکار ہے یہ بغاوت ہے۔ باغی انعام کی توقع چھوڑ دے اور سزا کے لیے تیار رہے۔ اور اگر سزا کی ہمت نہیں پاتا تو معافی چاہے اور رحم کی درخواست پیش کرے۔

تھانے میں چوری کی رپٹ درج کروانا شاہ کی حرمت میں کمی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً شاہ کی عظمت کا اقرار ہے (کہ اس نے سزا کے لیے محکمے بنائے اور لوگ تعینات کیے) بندگان خدا کو وسیلہ ءدعا بنانا اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت کا اعتراف ہے شرک نہیں ہے؟ دنیا میں کوئی بیوقوف چوری کی رپورٹ شاہ کے پاس نہیں لے کر جاتا بلکہ اس تھانے کی تلاش کرتا ہے۔ جو اس کے علاقے کے لیے شاہ نے مقرر کیا ہے۔ اس لیے یاد رہے کہ جو درخواست پیش کی جائے گی وہ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے ہی پیش ہوگی اور **حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تک بھی پہنچانے کے لیے بندگان خدا کا رابطہ اور وسیلہ ہے یہ شرک نہیں درحقیقت یہ حضرات " نظام حق " کے کارندے ہیں اور ان کا اعتراف اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کا اعتراف ہے اور اگر اس کے نظام کا اعتراف کرو گے ایک دن اس کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے اور نصیب یا ور ہوا تو ایک دن خود بھی اس نظام کا حصہ بن جاؤ گے یہ لوگ صاحب ولایت کہلاتے ہیں۔**

باقی انبیاء مظہر صفات ہیں اس لیے طالب ہیں۔ حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر ذات ہیں اس لیے طالب بھی ہیں مطلوب بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ میں جانا اور پہچانا جاؤں تو نور مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظہور میں لے آیا حضور پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تخلیق کُن نہیں بلکہ کُن صدقہ رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخلیق ہوا اس لیے قانون کُن آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نافذ نہیں- بڑے مزے کی بات ہے کہ فرعون جب نیل میں غرق ہونے لگا تو اس نے موسیٰؑ کو

پکارا انھوں نے ارشادفرمایا " اب وقت گزر چُکا"۔اللہ تعالی نے ارشادفرمایا" کہ اے موسیٰؑ اگر وہ ہمیں پکارتے تو ہم اُسے بچالیتے"لیکن اپنے محبوب کے کسی امتی سے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیں پکارے تو ہم قبول فرمائیں گے خواہ کسی پائے کا کیوں نہ ہو۔اب دیکھیے وہ بھی کلیم اللہ ہیں صاحب خطاب ہیں آخر بات کیا ہے؟ محبوب خاتم النبیین ﷺ مظہر ارادہ ذات اور فقیر مظہر ارادہ رسول اللہ ہے۔تو چونکہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مظہر ارادہ ذات ہیں اس لیے ارشادفرمایا کہ(سورۃ المائدہ، آیت نمبر 64)

ترجمہ: " اے میرے حبیب اگرلوگ اپنی جانوں پرظُلم کریں اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس شرم سار ہوجائیں اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ ان کے لیے ہاتھ اٹھادیں تو یہ اپنے رب کوغفورورحیم پائیں گے۔ "

ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کو دوحصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ایک وہ جوصاحب الفاظ ہیں۔

2۔ ایک وہ جوصاحب راز ہیں۔

1۔ جب صاحبِ الفاظ قال اللہ وقال رسول اللہ کہتے ہیں تو ان کی عقل حکمت کے موتی برآمد کرتی ہے۔

2۔ جب صاحب راز کا دل اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی محبت میں غرق ہوتا ہے تو یہ عرفان برآمد کرتا ہے معرفت نصیب ہوتی ہے اور راز حاصل کرتا ہے۔

صاحب الفاظ کو عالم ظاہر کہا جاتا ہے اور صاحبِ راز کو عالم باطن کہا جاتا ہے-اور قرُب میں ہمیشہ صاحب راز ہی ہوا کرتے ہیں۔

صاحب الفاظ اپنی عقل کو قبول کرتے ہیں اور صاحب راز اپنے دل اور روح کو قبول کرتے ہیں۔صاحبِ الفاظ ظاہری سکون کو خوب جانتے ہیں اور صاحبِ راز محبت کی ادا اور ناز کو خوب پہچانتے ہیں۔اللہ تبارک تعالیٰ نے عقل کی قوت علم میں رکھ دی ہے اور دل کی قوت محبت رسول خاتم النبیین ﷺ میں رکھ دی ہے۔اپنی آنکھ پر غور کرو اسکی وسعت کتنی ہے بہت ہی کم اور محدود لیکن اس کے باوجود ایک عالم کی ہر چیز اس میں سما جاتی ہے اسی طرح دل ایک محدود مقام ہے لیکن اس کے اندر نہ جانے کتنے مقامات سما جاتے ہیں؟؟

جس آنکھ کی بینائی چلی جاتی ہے اس کے لیے عالم کون ومکاں کا ایک ہی رنگ ہوتا ہے اور وہ سیاہ ہوتا ہے اور جس آنکھ میں بینائی آجاتی ہے۔تو عالم کون ومکاں کا ہر رنگ اس کے سامنے ظاہر ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔جس طرح نابینا آنکھ سے عالم ظاہر پردہ کر لیتا ہے اسی طرح نابینا قلب سے عالم آخرت پردہ کر لیتا ہے جب قلب کی بینائی آجاتی ہے تو آخرت کے پردے اٹھ جاتے ہیں۔عقل کو قوی کرنے کے لیے علم ظاہر کے مکتب میں علوم پڑھایا جاتا ہے اور سکھایا جاتا ہے اسی طرح دل کی دنیا کو آباد کرنے کیلئے اہل دل کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔اُنکو علوم نہ پڑھائے جاتے ہیں اور نہ سکھائے جاتے ہیں یہ عطا کیے جاتے ہیں دکھائے جاتے ہیں۔**کچھ لوگ اہل دل کی محفل میں برسوں جاتے ہیں لیکن عطا اور دکھانا نظر نہیں آتا۔دراصل اس عطا کو وہ سمجھتا ہے جسکے احساسات میں سلامتی ہے اور دین کی حقیقت کو وہ پہچانتا ہے جسکو فکر حاصل ہے جسکو آداب محفل اور آداب ستادیا آداب مرشد حاصل ہیں۔**

اہل دنیا میں جو آئینہ گر ہوتے ہیں جب تک آئینہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اسمیں صورت نظر آئے بازار میں نہیں بھیجتے۔نہ ہی کوئی اندھا آئینے کو اپنے گھر میں لگاتا ہے۔اسی طرح اہل دل کی محفل کا حال ہے انکی صحبت میں سب سے پہلا کام قلب کی صفائی ہے۔قلب کی جِلا کی جاتی ہے حتیٰ کہ جب وہ بالکل صاف ستھرا اور اُجلا ہوجاتا ہے۔تو روشنی دینے لگتا ہے تو لوگ فائدہ اُٹھانے لگتے ہیں۔جسطرح دیکھنے والے آئینے میں جسمیں چمک ہوتی ہے اُسکے سامنے خود ہی آدمی آکر کھڑے ہوجاتے ہیں وہ کسی کو پکارتا نہیں ہے کہ میرے سامنے آؤ۔یہاں پر برسبیل تذکرہ ایک بات بتائی جاتی ہے چونکہ اہل دنیا سے ہوں اس لیے دنیا کے مشاہدے سے متاثر ہوں۔میں نے دیکھا ہے کہ تانبے کا برتن بنالینے کے بعد جب کبھی تھوڑا سا میلا ہوتا ہے تو چولھے کی راکھ سے اُسکو مانجھا جاتا ہے تو اسمیں ایسی چمک پیدا ہوجاتی ہے کہ جب وہ نیا تھا تب بھی اسمیں وہ چمک نہ تھی کیونکہ بننے کے بعد گردِ زمانہ سے فوراً اَٹ گیا تھا۔

اسی طرح وہ دل جو گناہوں کی وجہ سے میلا ہوچکا ہے جب کسی صاحب دل اور جھکے ہوئے دل کے سامنے چلا جاتا ہے۔اور وہ نگاہ کرم اٹھادے تو یقین جانیئے کہ وہ دل پہلے سے بھی اُجلا ہوجاتا ہے۔اس لیے یہ بات جان لینی چاہیے کہ گناہ کا صادر ہوجانا مایوسی کی بات نہیں ہاں اسکو پیشے کے طور پر اپنانا جائز نہیں جس طرح عالم ظاہر میں جسدی بیماریوں کے لیے علاج موجود ہیں۔اسی طرح بیمار دل کے لیے بھی علاج کافی ہیں جب کوئی بندہ صاحب دل کی محفل میں پہنچتا ہے اور بوجہ معصیت کے

اس میں سیاہی اور اندھیرا آ چکا ہوتا ہے اور غافل ہو چکا ہوتا ہے۔ تو اہل دل اس بندے کو اپنی صحبت میں لے کر ذکر و فکر اور مراقبہ کرواتے ہیں اور توجہ ذکر و فکر پر دیتے ہیں اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکے قلب میں اپنی حرارت ایمان کو منتقل کرتے ہیں اور اس پکار کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں اور اپنے دوستوں کے صدقے میں انکے دل میں رکھی ہوتی ہیں منتقل کرتے ہیں۔ اس پکار کی دو حالتیں ہیں۔

ایک حالت یہ کہ وہ دل چپکے چپکے اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ اسکو ذکر خفی کہتے ہیں اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ قلب قوی ہو جاتا ہے۔ اور ذکر و فکر میں اتنا مست ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُونچے اُونچے پکارنے لگتا ہے اور اسکو ذکر جہر کہتے ہیں یہ اپنی جگہ خوب ہے اور وہ بھی اپنی جگہ خوب۔ دونوں ذکر کی حالتوں میں مقصد مذکور تک پہنچنا ہے اور جو ذکر مقصود تک پہنچا دے بامراد اور کامیاب ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ جن بندوں کے ساتھ راز و نیاز کرنا چاہتے ہیں ان کے دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں مطلب یہ کہ ان کے دلوں میں اپنی محبت رکھ دیتے ہیں اور جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہو جائے ان کے سفر آسان ہو جاتے ہیں۔ رفتار تیز ہو جاتی ہے منزل کا ذوق و شوق بڑھ جاتا ہے۔ طلب آخرت والا کمال کو پہنچ کر سادہ اور بھولا ہو جاتا ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مومن بھولا بھالا اور بزرگی والا ہوتا ہے"۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد، مشکوۃ) دنیا کے خسارے میں رہتا ہے، اللہ کی محبت میں رہتا ہے اور جانتا ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ علیم اور خبیر ہے اس کی محبت سے آگاہ ہے۔

احمد بن حنبلؒ نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو لکھا " صوفیہ سے بچنا" پھر ایک مرتبہ بغداد میں ایک صوفی (ابوحمزہؒ) کے حلقے میں تشریف لے گئے۔ بیٹھتے ہی دل کی دنیا بدل گئی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان بزرگ کی خدمت میں کئی برس گزارے پھر بیٹے کو خط میں لکھا کہ " اے بیٹے جہاں کسی اہل اللہ کا نام سنو تو ان کی صحبت غنیمت جاننا ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنا کہ ان کے پاس اللہ کی توحید کا راز ہے۔ ان کا علم غیر فانی ہے۔ اور الفاظ کا محتاج نہیں یہ اللہ سے راست علم حاصل کرتے ہیں اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ ان حضرات سے بدگمان کبھی نہ ہونا ان کا ہر کام دین کی حد میں ہوتا ہے لیکن ہم سمجھنے سے قاصر ہیں"۔

اس لیے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت عطا فرمائی۔ محبت جب صادق ہوتی ہے تو یہ ایک ایسا نور ہے جس سے ایک انسان خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسرے بھی اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں جو لوگ احتیاط اور ضبط سے کام لیتے ہیں ان کی روشنی بڑھتی رہتی ہے اور جو لوگ غافل اور غیر محتاط ہوتے ہیں۔ ان کی روشنی گھٹتی رہتی ہے۔ محبت ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہنے والوں کے سینوں میں رکھا ہے یہ ایک پیغام ہے جو اللہ جل شانہ کے فضل ڈھونڈنے والوں کو دیا گیا۔ راز کو راز کے مقام پر رکھنا چاہیے اور پیغام ، پیغام والے کو دے دینا چاہیے۔ قاصد غلط مقام پر پیغام دے گا تو اپنی ہی نوکری خطرے میں ڈالے گا جو راز کو رسوا کرتا ہے۔ اپنے لیے ہی مصیبت پیدا کرتا ہے۔ مرشد یا (شیخ) اللہ تعالیٰ کی محبت اور دید کا دروازہ ہے۔ بقدر ظرف مخلوق کا فکر پالنا ہی پڑے گا۔ 10 کا پال لے، 100 کا پال لے، پوری مخلوق کا پال لے، پھر یہ غم ایک دن حقیقت کی فکر میں مبتلا کر دے گا تب جا کر دید پیدا ہوگی نظر ان کو عطا ہوتی ہے۔ جو ضبط کے مالک ہیں۔ جو افکار کی نظر برداشت نہ کر سکے وہ دید کیا برداشت کر سکے گا؟ ذکر ایک آگ ہے جس میں ہنڈیا کو پکا اور پختہ کیا جاتا ہے جب ہنڈیا پکی ہو جاتی ہے تو چولہے پر چڑھادی جاتی ہے۔ پھر وہ پھٹتی نہیں ہے۔ ذکر سے انسان کے اس جسد خاکی کو پختہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ قائم رہے ہنڈیا کو جتنی تیز آگ میں پختہ کیا جاتا ہے۔ اتنی ہی تیز آگ وہ برداشت کر لیتی ہے۔ ذکر اور فکر کی آگ سے تو دو آتشہ کشتہ بن جاتا ہے خود کو چھوٹی فکر کا عادی بنائیں تو معبود بڑی فکر عطا فرمائے گا۔ وسوسے سے گھبرانا نہیں چاہیے یہ ایمان کی علامت ہوتی ہے جو انسان اپنے تئیں مریض سمجھتا ہے۔ وہ طبیب کا متلاشی ہوتا ہے اور کہیں نہ کہیں طبیب کو پا لیتا ہے۔ اور جو اپنے تئیں تندرست سمجھتا ہے تو حکما بھی توجہ نہیں دیتے جو اپنے آپ کو سقراط سمجھے اس کو کون پڑھائے؟

امام غزالیؒ کا ایک بڑا ہی مشہور واقعہ ہے آپؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ بڑے بڑے جید علما اُن کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اِن کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ کہ یہ کیا ہے؟ روایات مختلف ہیں وہ عرصہ دراز تک لوگوں سے ملتے رہے اِس سلسلے میں انہوں نے دُور دراز کا سفر کیا۔ بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ گئے کسی نے پوچھا کہ " آپ ابوبکر شبلیؒ سے بھی ملے ہیں"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ " میں نے اب تک روحانی مکتب فِکر کا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کہانیاں ہیں جو فقراء نے اپنے بارے مشہور کر رکھی ہیں"۔ پھر انہیں خود ہی خیال آیا کہ ایک مشہور آدمی رہ گیا ہے کیوں نہ اس سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ قصہ مختصر وہ ملاقات کے لیے عازم سفر ہوئے۔

امام غزالیؒ بہت شان و شوکت اور دبدبے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں یہ بات ملتی ہے کہ جس وقت وہ عازم سفر ہوئے تو اُن کا لباس اور سواری گھوڑے کے اوپر زین وغیرہ کی مالیت اُس زمانے میں بیس ہزار اشرفی تھی۔ منزلیں طے کرتے جب وہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ ایک مسجد

میں بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی سی رہے تھے۔امام غزالیؒ، حضرت امام شبلیؒ کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔حضرت ابوبکر شبلیؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا" غزالی آ گیا، تُو نے بہت وقت ضائع کر دیا۔شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔اور طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں ہے۔اگر تُو اِس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کرو ورنہ واپس چلا جا"۔امام غزالیؒ نے ایک منٹ توقف کیا اور کہا کہ "میں آپ کے پاس قیام کروں گا"۔یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے کہا" سامنے مسجد کے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ"۔وہ وہاں ادب سے کھڑے ہو گئے، کچھ دیر بعد بلا یا دعا وسلام ہوئی اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔بہت خاطر مدارت کی، چندروز بعد حضرت شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے فرمایا" بھائی اب کام شروع ہو جانا چاہیے۔اور کام کی ابتدا یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے کر شہر کے بازار میں جاؤ اور پوری بوری کھول کر یہ اعلان کرو ایک کھجور اُس کے لیے جو میرے سر پر ایک چپت رسید کرے"۔امام غزالیؒ شام کو جب بوری ختم کر کے واپس آئے تو پوچھا" حضور یہ کام مجھے کتنے عرصے تک کرنا پڑے گا"؟ فرمایا"ایک سال"، وہ ایک سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔دن میں یہ کام کرتے اور رات کو مولانا شبلیؒ کی صحبت میں رہتے۔سال پورا ہوا تو امام غزالی نے یاددہانی کروائی کہ "حضور ایک سال پورا ہو گیا"۔حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "ایک سال اور" جب دو سال پورے ہوئے تو امام غزالیؒ نے پھر یاددہانی فرمائی کہ "حضور سال پورا ہو گیا"۔ کہا"ایک سال اور" جب تین سال پورے ہو گئے تو امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔حضرت ابوبکر شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے پوچھا کہ "کیا سال ابھی پورا نہیں ہوا"؟ امام غزالیؒ نے جواب دیا" سال پورا ہو یا نہ ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے"؟ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "کام پورا ہو گیا" آپ اٹھے اور امام غزالیؒ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا"اب کھجوریں لے جانے کی ضرورت نہیں رہی"۔اور انہوں نے امام غزالیؒ کو وہ علم جس کی تلاش میں وہ سال ہا سال سے سرگرداں تھے منتقل کر دیا۔

امام غزالیؒ جب واپس بغداد پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ معمولی کپڑے زیب تن تھے ہاتھ میں ڈول تھا اور ڈول میں رسی بندی ہوئی تھی۔شہر والوں کو جب یہ علم ہوا کہ امام غزالیؒ واپس تشریف لائے ہیں تو اُن کے استقبال کے لیے پورا شہر امڈ آیا۔لوگوں نے جب آپ کو بوسیدہ اور پُرانے لباس میں دیکھا تو حیران و پریشان ہوئے اور کہا "یہ آپ نے کیا صورت بنا رکھی ہے"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا" اللہ کی قسم! اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا تو زندگی ضائع ہو جاتی"۔

امام غزالیؒ کے یہ الفاظ بہت فکر طلب ہیں۔اپنے زمانے کا یکتائے عالم فاضل یہ کہہ رہا ہے کہ یہ علم اگر حاصل نہ ہوتا جو تین سال تک سر پر چپت کھا کر حاصل ہوا ہے تو زندگی ضائع ہو جاتی۔

امام غزالیؒ اگر اُس وقت جب اُن سے کہا گیا تھا کہ سر پر ایک چپت کھانے کے بعد ایک کھجور تقسیم کرو یہ سوال کر دیتے کہ جناب اِس کی علمی توجیہہ کیا ہے؟ اور سر پر چپت کھانے سے روحانیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ تو انہیں یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہی صورت حال مرشد یا مرید کی، شاگرد یا استاد کی ہوتی ہے۔مرید یا شاگرد کے اندر جب تک اپنی انا کا علم موجود ہے وہ استاد یا مرشد سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔

جب انسان اپنی کسی بات پر فخر کرتا ہے تو مقام بندگی اور عبدیت سے ہٹ جاتا ہے۔متکبر اور مغرور کو ذلت نصیب ہوتی ہے۔فقیر کی صحبت کا کوئی نعم البدل نہیں سب سے ہلکا مجاہدہ صحبت ہے۔یہ صحبتیں بھی کچھ ہی عرصے کی ہوتی ہیں کوئی لمبا چوڑا معاملہ نہیں ساری عمر آرام کے لیے چند سالوں کی سختی اچھی ہے۔ایک روز کسی شخص نے صحبت فقراء کا انکار کیا ایک بزرگ تشریف فرما تھے بولے ہاں سچ ہے۔

فائدہ کیا کرے صحبت جو نہ ہوا استعداد؟
باغ میں جا کے کبھی زاغ خوش الحاں نہ ہوا

پھر فرمایا کہ صحبت کی تاثیر ضرور ہوتی ہے اور صحبت فقرا عین مجلس الٰہی ہے:

وَمَنْ اَرَدَانْ یُجلِسَ مَعَ اللهِ فَلْیَجلَسْ مَعَ الْفُقَرآء ترجمہ: "جو اللہ کے ساتھ صحبت رکھنا چاہے وہ فقرا کے ساتھ صحبت رکھ لے"۔

****

مرشد و مرید (استاد اور شاگرد)

جب کوئی بچہ استاد کی شاگردی میں آتا ہے تو استاد اُس سے کہتا ہے پڑھ "الف، ب، ج" وغیرہ۔ بچے کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ ا، ب، ج، کیا ہے؟ اور میں اُسے کیوں پڑھوں؟ وہ اپنی لاعلمی کی بناء پر جو کچھ اُس کو اُستاد سکھاتا ہے قبول کر لیتا ہے۔ لیکن اگر یہی بچہ "الف، ب، ج" کو قبول نہ کرے تو علم حاصل نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ بچے کی لاعلمی اُس کا علم بن جاتا ہے۔ وہ بحیثیت شاگرد استاد کی رہنمائی قبول کر لیتا ہے۔ اور درجہ بہ درجہ علم سیکھتا چلا جاتا ہے۔ یہ تو تھی ایک بچہ کی بات اب دیکھیئے کہ ایک جو آدمی باشعور ہے اور کسی نہ کسی درجے میں دوسرے علوم رکھتا ہے۔ (یعنی شریعت کے علوم رکھتا ہے) وہ شخص جب روحانیت کے علوم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی پوزیشن بھی ایک بچہ کی طرح ہوتی ہے۔

روحانیت میں شاگرد کو مرید اور استاد کو مرشد، مراد، شیخ، پیر یا رہبر کہا جاتا ہے۔ مرید یا شاگرد کے اندر اگر بچے کی افتادِ طبع نہیں ہے۔ تو وہ مرشد کی بتائی ہوئی کسی بات کو اُس طرح قبول نہ کرے گا۔ جس طرح بچہ الف، ب، ج، کو قبول کرتا ہے۔ چونکہ روحانی علوم میں اس کی حیثیت ایک بچہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اِس لیے اُسے وہی طرزِ فکر اختیار کرنا پڑے گی جو بچے کو الف، بے، اور جیم سکھاتی ہے۔

مرشد اپنے مرید سے کہتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤ، کیوں بیٹھ جاؤ؟ اِس کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتاتا۔ بالکل اِسی طرح جس طرح کوئی استاد اپنے شاگرد بچے سے کہتا ہے کہ کہہ الف، ب۔ اور جیم اور یہ نہیں بتاتا کہ الف، ب، اور جیم کیوں پڑھایا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی علم کو سیکھنے میں یہ طرزِ فکر کام کرتی ہے کہ استاد کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ لاعلمی اس کا شعار بن جائے۔

طریقت اور شریعت کوئی الگ الگ راستے نہیں ہیں۔ شریعت ظاہر کا حال درست کرنے کا کام ہے۔ اور طریقت باطن کا حال سنوارنے کا نام۔ شریعت میں علم پہلے ہے اور عمل بعد میں جبکہ طریقت میں عمل پہلے ہے اور علم بعد میں، مرید کو کچھ سیکھنے کے لیے ہر حال میں اپنے پہلے علم کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

امام غزالیؒ کا ایک بڑا ہی مشہور واقعہ ہے آپؒ اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے۔ بڑے بڑے جید علما اُن کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک دن اِن کو خیال آیا کہ خانقاہی نظام کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔ کہ یہ کیا ہے؟ روایات مختلف ہیں وہ عرصہ دراز تک لوگوں سے ملتے رہے اِس سلسلے میں انہوں نے دُور دراز کا سفر کیا۔ بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ گئے کسی نے پوچھا کہ "آپ ابوبکر شبلیؒ سے بھی ملے ہیں"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ "میں نے اب تک روحانی مکتبِ فکر کا کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کہانیاں ہیں جو فقراء نے اپنے بارے مشہور کر رکھی ہیں"۔ پھر انہیں خود ہی خیال آیا کہ ایک مشہور آدمی رہ گیا ہے کیوں نہ اس سے بھی ملاقات کر لی جائے۔ قصہ مختصر وہ ملاقات کے لیے عازم سفر ہوئے۔

امام غزالیؒ بہت شان وشوکت اور دب دبے کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف تذکروں میں یہ بات ملتی ہے کہ جس وقت وہ عازم سفر ہوئے تو اُن کا لباس اور سواری گھوڑے کے اوپر زین وغیرہ کی مالیت اُس زمانے میں بیس ہزار اشرفی تھی۔ منزلیں طے کرتے جب وہ حضرت ابوبکر شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے اپنی گدڑی سی رہے تھے۔ امام غزالیؒ، حضرت امام شبلیؒ کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا "غزالی آ گیا، تُو نے بہت وقت ضائع کر دیا۔ شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔ اور طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں ہے۔ اگر تُو اِس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا"۔ امام غزالیؒ نے ایک منٹ توقف کیا اور کہا کہ "میں آپ کے پاس قیام کروں گا"۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے کہا" سامنے مسجد کے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ"۔ وہ وہاں ادب سے کھڑے ہو گئے، کچھ دیر بعد بلایا دعا وسلام ہوئی اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ بہت خاطر مدارت کی، چند روز بعد حضرت شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے فرمایا" بھائی اب کام شروع ہو جانا چاہیے۔ اور کام کی ابتدا یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے کر شہر کے بازار میں جاؤ اور پوری بوری کھول کر یہ اعلان کرو ایک کھجور اُس کے لیے جو میرے سر پر ایک چپت رسید کرے"۔ امام غزالیؒ شام کو جب بوری ختم کر کے واپس آئے تو پوچھا" حضور یہ کام مجھے کتنے عرصے تک کرنا پڑے گا"؟ فرمایا" ایک سال"، وہ ایک سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ دن میں یہ کام کرتے اور رات کو مولانا شبلیؒ کی صحبت میں رہتے۔ سال پورا ہوا تو امام غزالی نے یاد دہانی کروائی کہ "حضور ایک سال پورا ہو گیا"۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "ایک سال اور" جب دو سال پورے ہوئے تو امام غزالیؒ نے پھر یاد دہانی فرمائی کہ "حضور سال پورا ہو گیا"۔ کہا" ایک سال اور"" جب تین سال پورے ہو گئے تو امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے امام غزالیؒ سے پوچھا کہ "کیا سال ابھی پورا نہیں ہوا"؟ امام غزالیؒ نے جواب دیا" سال پورا ہو یا نہ ہو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے"؟ یہ سُن کر حضرت ابوبکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "کام پورا ہو گیا" آپؒ اٹھے اور امام غزالیؒ کو اپنے

سینے سے لگا لیا اور فرمایا "اب کھجوریں لے جانے کی ضرورت نہیں رہی"۔ اور انہوں نے امام غزالیؒ کو وہ علم جس کی تلاش میں وہ سال ہا سال سے سرگرداں تھے منتقل کردیا۔

امام غزالیؒ جب واپس بغداد پہنچے تو صورتحال یہ تھی کہ معمولی کپڑے زیب تن تھے ہاتھ میں ڈول تھا اور ڈول میں رسی بندی ہوئی تھی۔ شہر والوں کو جب یہ علم ہوا کہ امام غزالیؒ واپس تشریف لائے ہیں تو اُن کے استقبال کے لیے پورا شہر اُمڈ آیا۔ لوگوں نے جب آپ کو بوسیدہ اور پُرانے لباس میں دیکھا تو حیران و پریشان ہوئے اور کہا "یہ آپ نے کیا صورت بنا رکھی ہے"؟ امام غزالیؒ نے فرمایا "اللہ کی قسم! اگر میرے اوپر یہ وقت نہ آتا تو زندگی ضائع ہوجاتی"۔

امام غزالیؒ کے یہ الفاظ بہت فکر طلب ہیں۔ اپنے زمانے کا یکتائے عالم فاضل یہ کہہ رہا ہے کہ یہ علم اگر حاصل نہ ہوتا جو تین سال تک سر پر چپت کھا کر حاصل ہوا ہے تو زندگی ضائع ہوجاتی۔

امام غزالیؒ اگر اُس وقت جب اُن سے کہا گیا تھا کہ سر پر ایک چپت کھانے کے بعد ایک کھجور تقسیم کرو یہ سوال کردیتے کہ جناب اِس کی علمی توجیہ کیا ہے؟ اور سر پر چپت کھانے سے روحانیت کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟ تو انہیں یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔

یہی صورت حال مرشد اور مرید کی ہے۔ مرید کے اندر جب تک اپنی انا کا علم موجود ہے۔ وہ مرشد سے کچھ نہیں سیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ جب کسی کو اپنے بندوں میں شامل کرنا چاہتا ہے یا جاگے ہوئے کو نسبت عطا کرنا چاہتا ہے تو اُس کی رہبری کے لیے اپنا ایک مقبول بندہ اُس کو عطا کردیتا ہے۔ اور اُس کی ذمہ داری اُس مقبول بندے کے کندھوں پر ڈال دیتا ہے۔ اُسے اُستاد کہتے ہیں۔ (یا مراد، شیخ، پیر، یا مُرشد، یا رہنما) یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے۔ جو کسی بندے سے اُس بندے کو عطا ہوا ہے۔

جب تک مرید مرشد کو نہیں سمجھتا تب تک اُس کی رسائی اسرار ربوبیت تک نہیں ہوسکتی۔

خوب جان لیں کہ مرشد کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔

(1) ایک حال صفاتی (یعنی مرشد کی صفات کا حال) (2) دوسرا حال ذاتی (یعنی مرشد کی ذات کا حال)

(1) حالِ صفاتی (یعنی مرشد کی صفات کا حال)

جب تک مرید کی عقل غوطہ زن نہیں ہوتی ہے تب تک مرشد کی صفات تک رسائی نہیں ہوتی۔ عقل کا کام صفت کو پہچاننا ہے۔ صفت سے آگاہ ہونا ہے۔

(2) حالِ ذاتی (یعنی مرشد کی ذات کا حال)

جب تک مرید کا دل غوطہ زن نہیں ہوتا ذات تک رسائی نہیں ہوتی۔ دل کا کام ذات کو پہچاننا ہے۔

مرشد کا کلام ایک ایسے پانی کی مانند ہے جو اپنی تہہ میں ہزاروں سیپ اور موتی لیے ہوئے ہوتا ہے۔ لیکن یہ موتی از خود باہر نہیں آتے مرید غوطہ زن ہو کر اُن تک پہنچتا ہے۔

مرشد کے کلام کے اندر اُس کی صفت پنہاں ہوتی ہے۔ اور جب مرید کی عقل اِس میں غوطہ زن ہوتی ہے تو پنہاں نہاں ہوجاتا ہے۔ اور جو عیاں ہوجاتا ہے اُسے اپنانا مشکل نہیں ہوتا اور بغیر سمجھے کچھ اپنا نہیں سکتے۔ اور جب مرید مرشد کی صفت کو سمجھ لیتا ہے تو پھر اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ یعنی مرید مرشد کی صفت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ جس میں مرشد کی صفت مظہر ہوتی ہے۔

صفت صفت کو دیکھتی ہے، صفت صفت پر رُجوع ہوتی ہے۔ صفت ضد پر رُجوع نہیں ہوتی۔ انسان جب اپنے بالمقابل آئینہ کھڑا کرتا ہے تو اس لیے کہ اس میں اپنی صورت دیکھے۔ لیکن اگر آئینہ اُس کی صورت کا مظہر نہ ہو (یعنی صورت ظاہر نہ کرے، دیکھائی نہ دے) تو پھر اس کو آئینے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اِس طرح مرید وہ ہے جس کا قلب اپنے مرشد کی ذات کا مظہر ہو۔ جب مرید مرشد کی صفت کا مظہر ہوجاتا ہے تو مرشد مرید کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ اور مرید مرشد کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ جب مرید مرشد کی صفت کو اپنا لیتا ہے تو مرید مرشد کی صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔ جب صفت، صفت میں فنا ہوتی ہے تو عمل ظہور میں آتا ہے۔

ذات وجودی شے ہے۔ صفت وجودی شے نہیں ہے۔ جب غیر وجودی شے (یعنی صفت) اپنا مظہر ڈھونڈتی ہے تو پھر وجودی شے کو اپنے مظہر کی تلاش میں کتنی شدت ہوگی۔ جب تزکیہ نفس کے بعد قلب آئینہ ہوجاتا ہے تو اُس میں مرشد کی ذات مظہر ہوتی ہے۔ مرشد مرید کے قلب کے آئینے میں اپنی ذات کو دیکھتا ہے۔ پھر مرید مرشد کے قلب کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے نقص سے آگاہ ہوجاتا ہے اور پھر اُس میں عاجزی و انکساری پیدا ہوجاتی ہے۔ جب مرشد کا قلب اس کی ذات کا مظہر بنتا ہے تو مرید اپنی ذات سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہوجاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں خود کو پہچاننا' اور جب وہ ذات کو متجلی کرلیتا ہے اور ذات کو مظہر دیکھتا ہے۔ تو اس میں اس کی ذات غائب ہوجاتی ہے۔ یہ ایک حال ہے۔۔۔ وارد ہونے کے بعد۔۔۔۔ سمجھ میں آتا ہے۔ اسے کہتے ہیں خود سے گم ہو جانا۔

مرشد کے قلب کا نور مرید کے نور سے قوی ہوتا ہے۔اس لیے مرشد کے نور میں فنا ہو جاتا ہے۔جو لوگ اپنی ذات اور صفات کو فنا کر دیتے ہیں وہ مرید صادق کہلاتے ہیں۔اور مرید صادق سے مرشد کی روح کبھی جُدا نہیں ہوتی۔کیونکہ روح ذات اور صفت سے کیسے جدا ہو سکتی ہے؟۔مرید صادق جہاں کہیں بھی ہو، دُور یا نزدیک حتیٰ کہ اگر وہ برزخ میں بھی ہو وہ ہر وقت مرشد کی روح سے فیض حاصل کرتا رہے گا۔جو مرشد کے کلام میں اپنے خیال کو ڈھونڈتا ہے وہ کبھی بھی مرشد کے کلام تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کے کلام تک نہیں پہنچے گا وہ مرشد کی صفت تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کی صفت تک نہیں پہنچے گا وہ مرشد کی ذات تک نہیں پہنچے گا۔اور جو مرشد کی ذات تک نہیں پہنچے گا اُسے عشق نصیب نہ ہوگا۔اور جسے عشق نصیب نہ ہوگا اُسے بقا حاصل نہ ہوگی، وہ فنائیت سے کبھی نہیں نکلے گا۔

با ادب، با نصیب، روحانیت کا پہلا سبق ہے اور یہی روحانیت کا آخری سبق بھی ہے۔

ہمیشہ اپنے مرشد کو نگاہ میں رکھو، ذکر صفت مرشد اور ذکرِ ذات مرشد ضروری ہے۔ذکر دوست، دوست سے نسبت قائم کر دیتا ہے۔پھر ایک دن ذکر سے فکر پیدا ہوگا۔اور پھر یہ فکر عمل تک لے آئے گا۔[redacted] اس لیے مرشد کے کلام پر فکر کی ضرورت ہے۔مرشد کے الفاظ کے اندر اس کی صفت کو ڈھونڈنا چاہیے تاکہ مرشد اس میں نظر آنے لگے۔

(1) ایک تو انسان خود کوشش کر کے قلب کو مرشد کی دید کے قابل بناتا ہے۔

(2) اور ایک حالت یہ ہے کہ مرشد اُس کے قلب کو دید کے قابل بناتا ہے۔

اس کو عطا کہتے ہیں۔لیکن اس کی بھی کئی حالتیں ہوتی ہیں۔

(1) پہلی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ شاگرد یا مرید کے اندر پہلے ہی سے کوئی ایسی صفت موجود ہے جو مرشد کی نگاہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔اسے کہتے ہیں (تیار ہنڈیا کا ہونا) یعنی پہلے ہی سے مرشد کی صفات مرید میں موجود ہیں فوراً مرشد رجوع کرتا ہے۔اور آنِ واحد میں ذات کا مظہر بنا دیتا ہے (یعنی فنا فی شیخ، یا فنا فی مرشد کر دیتا ہے)۔

یاد رکھیں! جب تک اپنی فکر ترک نہ کرو گے مرشد کی فکر سمجھ نہیں آئے گی۔جوں جوں مرید اپنی فکر چھوڑ کر مرشد کی فکر اختیار کرتا ہے۔تو اُس کے سامنے مُرشد کی ذات اور صفات کے دروازے کھلتے جاتے ہیں۔جوں جوں مرشد خیال میں بستا چلا جاتا ہے دوسرا خیال نکلتا چلا جاتا ہے۔حتیٰ کہ خود بھی اپنے خیال سے نکل جاتا ہے۔ابتدا اِس کے محویت ہے اور انتہا استغراق۔جسم جسم میں فنا نہیں ہوتا، بقا اور فنا خیال پر ہے۔انسان کا وجود اُس کے خیال سے نکل جائے تو وہ فنا ہے۔ایک تصور داخلی ہے ایک خارجی۔جب مرید کو اپنے مرشد سے نسبت ہو جاتی ہے تو اُس کا قلب مرشد کی محبت میں فنا ہو جاتا ہے۔تب وہ اپنے قلب میں جلوہ مرشد دیکھتا ہے۔یہ تصور مرشد داخلی ہے۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ مرشد کو مرید سے محبت ہو جاتی ہے۔لیکن مرید کا قلب آئینہ نہیں ہے جس سے صحیح جلوہ نظر آئے۔اب جبکہ مرید کا قلب آئینہ نہیں ہے تو مرشد اپنی توجہ مرید کو دیتا ہے اور اپنی توجہ سے مرید کو نظر آتا ہے۔یعنی جب بھی مرشد چاہے مرید اپنی آنکھ سے مرشد کو دیکھنے لگتا ہے۔یہ احسان مرشد ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ

(1) ایک چیز مرید کو خود مرشد سے محبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔اُسے '[redacted]' کہتے ہیں۔

(2) اور ایک چیز مرشد کے محبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اُسے **عطا کہتے** ہیں۔

حضرت غلام قادر جیلانیؒ فرماتے ہیں

"یہ مشائخ اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔راستہ ہیں، یہی خدا کا راستہ دکھانے والے ہیں"۔

اس لیے یا تو کسی کی صفت دیکھ کر اُس پر عاشق ہو جا یا اپنے اندر کوئی ایسی صفت پیدا کر کہ دوسرا تجھ پر عاشق ہو جائے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ:

یا سخن دل پذیر کہہ - یا دل سخن پذیر لا

تمام اولیا اللہ اور ابدال کا سلسلہ بھی اسی طرح چلا ہے کہ کوئی استاد ہوا اور کوئی شاگرد یعنی کوئی مرشد ہوا اور کوئی مرید۔

****

اولیاءاللہ رحمۃ اللہ علیہ

اولیاءاللہ کا تعارف قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے-ارشادِ باری تعالیٰ ہے:(سورہ یونس،آیت نمبر 64-62)

"سُن لو بے شک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ تعالیٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں"۔

حضرت عمرِ فاروقؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:"اللہ تعالیٰ کے بعض بندے وہ ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ ہی شہید،ان پر انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے قرب الٰہی کی وجہ سے رشک کریں گے"۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ(خاتم النبیین ﷺ)یہ بھی خبر دیجیے کہ وہ کون لوگ ہیں؟اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:"یہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن بغیر آپس کی قرابت داری کے،بغیر آپس کے مالی لین دین کے۔تو اللہ کی قسم اُن کے چہرے نور کے ہوں گے۔جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ غمگین ہونگے تو یہ نہ غمگین ہونگے"-اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔"خبردار رہو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ کوئی غم"-(سنن ابی داؤد،مشکوۃ شریف)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کسی نے عرض کیا!یارسول اللہ(خاتم النبیین ﷺ)اولیاءاللہ کون ہیں؟اس پر آپ(خاتم النبیین ﷺ)نے ارشاد فرمایا"یہ وہ لوگ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آجائے"-(سنن کبریٰ للنسائی)

ولی کسے کہتے ہیں:- <u>ولی وہ بندہ ہوتا ہے جو ضروری عقائد اور اعمال صالح کی بجاآوری کے بعد باری تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔</u>

چالیس متقیوں میں ایک تشریعی ولی ہوتا ہے۔ان اللہ والوں کا دنیا میں یہ حال ہوتا ہے کہ راہ حق میں ان کو جو تکالیف پیش آتی ہیں ان تکالیف کو اپنے حق میں ترقی درجات کا سبب سمجھتے ہیں۔حق وصداقت کے بڑے بڑے دشمنوں سے ٹکر لیتے ہوئے ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہیں آتی۔ان کا اعتماد خالق کائنات کی نصرت پر ہوتا ہے۔اس لیے بے تکلف پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں سورۃ یونس آیت نمبر 24-22 میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے۔اور آخرت کی زندگی میں بھی۔اور اللہ کی باتیں بدلتی نہیں ہیں۔اور یہی بڑی کامیابی ہے"

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ شعار ہوتا ہے کہ جس سے اللہ ناخوش ہوتا ہے اُس کے دُشمن بن جاتے ہیں۔اور جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اُس کے دوست بن جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اُن کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتے ہیں اور اُن کا پیر بن جاتا ہے جس سے وہ چلتے ہیں۔اور یہ جب اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھوں کو ہمیشہ شاد کام اور بامراد لوٹاتے ہیں۔

<u>اولیاءاللہ:-</u> اولیاء ولی کی جمع ہے۔قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں ولی کے معنی قریب،محبت،صدیق اور مددگار بیان کیے ہیں۔

صوفیا کی اصطلاح میں ولی وہ ہے جس کا دل شب و روز ذکرِ الٰہی اور تسبیح وتہلیل میں محو اور مصروف رہے۔اُس کے دل میں محبت الٰہی کے سوا کسی غیر کے لیے جگہ نہ ہو اور وہ جس سے محبت کرے تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ "'ولی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور رحمت سے چاروں دُشمنوں یعنی خواہشات نفس،شیطان اور دنیا سے جہاد کرنے کی طاقت اور قدرت عطا کردی ہے"'۔

<u>اولیاءاللہ کے مراتب:-</u> اولیاء کے چار مراتب ہیں۔ (1) اعلیٰ (2) عالی (3) وسطیٰ (4) ادنیٰ

(1) **<u>'اعلیٰ':-</u>** <u>یہ وہ گروہ ہے جو مقربین سے بالاتر ہے یہ گروہ درحقیقت صدیقین،شہدائ،صالحین سے زیادہ لائق فائق اور سب کا پیش رُو ہے اور یہ انبیاء اور مرسلین کی جماعت ہے-</u>

چونکہ یہ گروہ اس دنیا میں تشریف لا کر عالم سے ماوراء ایک اور عالم سے دنیا کو روشناس کراتا ہے۔اِس لیے باری تعالیٰ ان کے ہاتھوں خوارق عادات اور واقعات ظاہر فرماتا ہے۔جس سے انسانی فطرت مطمئن ہوتی ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوتی ہے۔

(2) **'عالیٰ'**:- یہ گروہ ایسے مقرب بندوں کا ہے جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی اور زندگی کے کسی شعبے میں راہِ مستقیم سے بالکل تجاوز نہیں کیا۔اس گروہ میں چونکہ مختلف انبیاء اور مرسلین کے پیروکار ہیں اس لیے خاص قسم کا مراتب میں فرق ان دونوں کے درمیان قائم ہے۔

(3) **'وسطیٰ'**:-اس گروہ میں وہ باسعادت بندے ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کی اور اس پر اٹل رہے یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں بارگاہ الٰہیٰ سے اصحاب یمین (یعنی عرشِ الٰہی کے دائیں طرف والے) کا خطاب ملا ہے۔

(4) **'ادنیٰ'**:-سب سے ادنیٰ درجہ جیسا کہ قرآن پاک نے کہا ہے کہ (اپنے اوپر ظلم کرنے والے) کا ہے۔جو لوگ ایمان لائے اور ایمان رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔اس گروہ کے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک تو وہ جو کبھی کبھی گناہ کرتے ہیں اور توبہ کرتے رہتے ہیں۔اور اپنے گناہوں پر شرمندہ بھی ہوتے رہتے ہیں۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ:

"بندہ توبہ کرتے کرتے تھک جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتا" (معجم اوسط)

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سرکشی اور نافرمانی میں کمر باندھ رکھی ہے۔اور ان کی غفلت، ہوس، دنیا میں منہمک ہونے سے اتنی فرصت ہی نہیں دے رہی کہ آخرت کو بھی یاد رکھیں۔ان کے ساتھ ہی منافقین، مشرکین، کافر حضرات بھی شامل ہیں جن کو قرآنِ پاک نے بائیں ہاتھ والے کہا ہے۔کیونکہ ان بدبختوں کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا۔یا اُن کی عمر بھر کے گناہوں کا پلندہ اُن کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں طرف تھیں اس لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بائیں ہاتھ والے کہا ہے۔

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قسمیں:- اولیاء اللہؒ کی دو قسمیں ہیں:

1-تشریعی اولیاء کرامؒ 2- تکوینی اولیاء کرامؒ

1- تشریعی اولیاء کرامؒ:- انسان جو بظاہر نظر آتا ہے حقیقت میں یہ انسان کی حقیقت نہیں ہے یہ ایک مہمان ہے جو زمین پر گھوم پھر رہا ہے-نفس کا قیدی انسان---اس نفس سے جنگ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر بھیجا ہے۔جو بندہ اپنے نفس کی قید سے آزاد ہو گیا وہ ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتا ہے۔دانا لوگ، حکمت والے لوگ جانتے ہیں کہ انسان کا نفس اس کا ایک قید خانہ ہے۔اس نفس کو اگر وہ شکست دے دیتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک فرشتے سے بھی افضل ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب اپنے امر کو رونما کرنا ہوتا ہے تو اپنے کسی خاص اور برگزیدہ بندے سے کام لیتا ہے۔اسی مقصد کے لیے نہ فرشتے اتارے جاتے ہیں، نہ جنات اور نہ شیاطین سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے کسی انسان کو چن لیتا ہے پھر اس سے کام لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لیے بہت سے لوگ تیار کرتا ہے۔اس دنیا میں بے شمار لوگ ایسے آئے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کام لیا ہے۔حضرت معین الدین چشتیؒ انڈیا میں آئے اور ان کے ہاتھ پر ایک کروڑ لوگ مسلمان ہوئے۔علامہ اقبالؒ نے پاک و ہند کی تشکیل میں جو کام کیا ہمارے سامنے ہے۔اسی طرح مولانا رومیؒ، شمس تبریز، جنید بغدادی، حضرت سری سقطی وغیرہ۔یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات نے کام لیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ وہ بندوں سے کام لیتا ہے۔اس لیے انسان کو ہی اس نے اپنا نائب بنا کر اور اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر اس دنیا میں بھیجا۔

ابھی ایک بہت بڑی ہستی نے دنیا میں آنا ہے۔ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات نے کام لینا ہے۔---وہ ہیں حضرت امام مہدیؒ---امام مہدیؒ کے لشکر میں بہت سے اولیاء کرامؒ اور عاشقین شامل ہیں۔یہ باقی باللہ کی منزل پر ہوتے ہیں اور اللہ کے راستے میں سر کٹوانے کے لیے ایک سیکنڈ بھی نہیں سوچتے۔

اولیاء کے سپرد مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت ہوتی ہے۔ان میں علماء، مشائخ، صوفیا اور مجدد بھی شامل ہوتے ہیں۔یہ حضرات ہمارے ظاہری اقوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی کام لیتا ہے تو اس کو کچھ نورانی اور روحانی تحفے عطا کرتا ہے۔وہ پانچ روحانی تحفے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جن سے اس کو کام لینا ہوتا ہے۔

پہلا تحفہ ایسا ہے جو اس دنیا میں نہیں ملتا۔چاہے انسان جتنی بھی کوشش کرے یہ انسان کو نہیں ملتا اور وہ پہلا تحفہ ہے۔

1- **علم**---دنیا کا علم نہیں۔یہ ایک ایسا علم ہے جو پردے کے پیچھے سے دیا جاتا ہے۔جو دنیا کی لاکھوں کتابیں پڑھنے کے باوجود انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا ارادہ کیا تو فرشتوں نے کہا "باری تعالیٰ یہ تو دنیا میں فساد پھیلائے گا۔ہم ہر وقت تیری تسبیح و تحلیل کے لیے حاضر ہیں"۔تو اللہ تعالیٰ

نے فرمایا "میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسماء کا علم پھونکا۔۔۔اسماء کا علم ،اللہ کی ذات کا علم۔۔۔اسم رحمان کا علم اور اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا علم ہے اور یہ علم نہ کسی کتاب میں ہے اور نہ کسی سے ملے گا۔یہ سینہ بہ سینہ ملتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جو پردے کے پیچھے سے دیا گیا ہے۔

اسی کے لیے حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ "نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) سے مجھے ایسے علم حاصل ہوا ہے جیسے پرندہ اپنے بچوں کو اپنی چونچ کے ذریعے feed کرتا ہے" ۔تو نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک علم سینہ بہ سینہ بھی اتارا ہے اور وہ اپنا علم اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے بندوں کو عطا کرتا ہے۔جن سے اللہ تعالیٰ نے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو ایسی ایسی حکمت اور نور کی باتیں یہ لوگ کر گئے ہیں کہ انسان حیرت میں چلا جاتا ہے۔علامہ اقبالؒ کو سمجھنے کے لیے لوگ p.h.p کر رہے ہیں لیکن ابھی تک اقبال کو نہیں سمجھ پائے۔

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ایسی ایسی باتیں کر گئے ہیں کہ انسان سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ ایسی باتیں انسان کے ذہن میں کہاں سے آجاتی ہیں؟

اس کے بعد دوسرا تحفہ جو ایسے لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

2-**غیبی مدد** ----ایسے بندے کو ایک غیبی مدد دی جاتی ہے۔ایسے بندے کے ساتھ اگر کوئی دشمنی کرتا ہے یا کوئی چال چلتا ہے تو وہ چال اُس پر ہی الٹ جاتی ہے کیونکہ ایسے بندے کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ خود سنبھال لیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ہر طرح سے مدد کرتی ہے۔

3-**وژن (نظریہ)**vision--- تیسرا تحفہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بندے کا vision اللہ تعالیٰ مکمل طور پر صاف کر دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اِن کے اندر یہ بات اتار دیتا ہے کہ تیری منزل یہ ہے کہ تو نے یہ کام اس طرح سے کرنا ہے۔یہ ایک بہت بڑا انعام ہے جو اللہ کی طرف سے اس بندے کو عطا ہوتا ہے۔ایسا بندہ بے خبر نہیں رہتا۔وہ ہمیشہ ہر چیز سے باخبر ہوتا ہے اور پھر یہ بندہ اپنی منزل کی جانب استقامت سے چلتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے اندر چند اوصاف رکھ دیتی ہے:

(1) پختہ ارادہ (2) استقامت (3) فراخ دلی

4-**اللہ کی مدد**----چوتھی علامت یہ ہوتی ہے کہ جب اس کو کوئی مشکل آتی ہے تو معجزاتی طور پر حل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سگنل آتا ہے کہ یہ کام ہم نے کیا ہے۔اس پر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر گزار رہتا ہے۔

5- **وجود کی برکت**----پانچویں علامت یہ ہے کہ اس کی وجود میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔جو اسم " الرحمٰن" کی وجہ سے ہوتی ہے۔اسم الرحمٰن کی برکت سے رزق عطا ہوتا ہے۔اس اسم کی خاص برکت ہوتی ہے۔ایسا شخص جس گھر میں جاتا ہے وہاں برکتیں نازل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔۔۔رحمت نازل ہوتی ہے۔۔۔اس کے جانے سے گھر والوں کے مسائل حل ہونے لگتے ہیں۔۔۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو نایاب کر دیتا ہے۔تو یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے جو ایسے بندے کو دی جاتی ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ unique کر دیتا ہے---ہم خود نوٹ کرتے ہیں کہ اگر کسی ولی کے گھر میں جائیں تو ہمیں ایک خاص قسم کا سکون ملتا ہے۔یہ سکون ان لوگوں کے اندر ان کے وجود کا سکون ہوتا ہے۔اور وہاں موجود (یعنی اس گھر میں موجود) لوگوں کو صبر ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی ذات میں صبر رکھ دیتا ہے۔اس لئے ایسا بندہ جس کے آنے سے ہم یہ محسوس کریں کہ گھر میں سکون اور اطمینان ،صبر اور خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے چونکہ خاص کام لینا ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے دنیا کو آسان بنا دیتا ہے۔وہ جہاں بھی جاتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لاڈلے بندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو محبوبوں کی طرح رکھتا ہے۔

2-تکوینی اولیاء کرامؒ:-یہ اللہ تعالیٰ کے وہ مقرب بندے ہوتے ہیں جنہیں دنیا میں تصرف کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔یہ حضرات نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) کے سچے اور سرکاری نائب ہوتے ہیں۔ یہ حضرات ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ان کو ایسے علوم دیے جاتے ہیں کہ وہ علوم ہم اپنے حواس خمسہ سے معلوم نہیں کر سکتے۔ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بڑا کام لیتی ہے۔یعنی اس دنیا کے نظام کو چلانے میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔

یہ بہت گہرے لوگ ہوتے ہیں۔۔۔ان کے پاس بہت طاقت ہوتی ہے۔۔۔ان کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ان کے بارے میں تین باتوں کا جاننا ضروری ہے:-

1- ان کے پاس کون سا علم ہوتا ہے؟اور وہ اسے کیسے حاصل کرتے ہیں؟

2-ان لوگوں کی نشانی کیا ہے؟

3- ان کی اقسام کتنی ہیں؟

1-ان کے پاس کون سا علم ہوتا ہے؟:-ان کے پاس "علم لدُ نی" ہوتا ہے۔

"علم لدُ نی" اور عام علم میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عام علم انسان قطرہ قطرہ کر کے جمع کرتا ہے۔یعنی سکول، کالج اور یونیورسٹی جاتے ہیں۔کتابیں پڑھتے ہیں، سمجھتے اور امتحانات دیتے ہیں تب جا کر آہستہ آہستہ اس علم کی منزل کو پہنچتے ہیں۔پھر اس علم کو ہم اپنے سینے میں چھپا لیتے ہیں۔ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں چیز فلاں طریقے سے ایکٹ کرتی ہے یعنی 2=1+1 اور 4=2+2 ہوتے ہیں-

لیکن "علم لدُ نی" ایسا علم نہیں ہے۔یہ علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اترتا ہے اور ایک دم اترتا ہے۔یہ ایسے اترتا ہے جیسے بارش ہو رہی ہو۔۔۔۔بغیر وقت کے۔۔۔۔بغیر محنت کے۔۔۔بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی قسم کے تردد کے انسان کی ذات کے اندر ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے۔انسان کو معلوم ہو جاتا ہے۔۔۔۔انسان باخبر ہو جاتا ہے۔۔۔وہ جان جاتا ہے کہ قرآن کے اس حرف کا مطلب یہ ہے۔اس چیز سے یہ مراد ہے۔ہر چیز اس کی ذات کے اندر ایک دم جاگ جاتی ہے یعنی یہ علم حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس علم کا نزول ہوتا ہے۔

اس میں بالکل محنت نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف سے کرم ہوتا ہے اور انسان تمام چیزوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔یعنی انسان آگاہی میں چلا جاتا ہے اور اس طرح کا علم اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انتظام کا کام لینا ہوتا ہے۔ایسے لوگ "بقاباللہ" ہوتے ہیں۔۔یہ ایک درجہ ہوتا ہے۔یہ درجہ اس وقت آتا ہے کہ جب انسان کا اپنا وجود اس حد تک پاک ہو جائے کہ اس کے اندر صرف روح" ایک دم" اور ایک تصور باقی رہ جائے۔یہ کیفیت انسان کے اندر اس وقت طاری ہوتی ہے کہ جب وہ نفس کی طمع، خواہشات کی طمع، ہوس، چالاکی، مکاری، بددیانتی، چوری چکاری، دھوکہ دہی۔۔۔۔غرض انسان کے اندر کی تمام تر برائیاں ختم ہو جاتیں ہیں-

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کیفیت طاری کیسے ہوتی ہے؟

کوئی بھی کلمہ گو یعنی مسلمان دو طرح سے کلمہ پڑھتے ہیں۔

1- ایک ایسے جیسے ہم پڑھتے ہیں، بس پڑھ لیتے ہیں سمجھتے کچھ نہیں۔

2-لیکن ایک دوسری کیفیت ہے یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ اس کلمے کے نفس کو اپنی ذات پر apply کرتے ہیں۔وہ کیسے apply کرتے ہیں؟

لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کچھ نہیں ہے اللہ کے سوا یعنی کوئی میرا معبود نہیں اللہ کے سوا۔تو ایسے لوگ جب کلمہ پڑھتے ہیں تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑتے یعنی اپنی ذات کی نفی کر دیتے ہیں۔

2-ان لوگوں کی نشانی کیا ہے؟:-اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ نہ وہ کسی چیز سے محبت کرتے ہیں، نہ کوئی تعلق رکھتے ہیں۔نہ ہی کسی چیز کی دنیا میں رغبت کرتے ہیں۔وہ دنیا کی ہر چیز سے اپنا ناطہ توڑ دیتے ہیں۔وہ حقیقت میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ دنیا متاع الغرور ہے۔۔۔۔دھوکے کا گھر ہے۔اس کی کوئی حقیقت نہیں۔مال کی حیثیت ان کے نزدیک صفر ہو جاتی ہے۔اولاد کو، اہل خانہ کو صرف ان کے حقوق پورا کرنے کے لیے پالتے پوستے اور پیار کرتے ہیں کیونکہ اس چیز کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک ذمہ داری خیال کرتے ہیں۔اپنے وجود کو بھی وہ زندہ رکھنے کے لیے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔کسی چیز کو ذات باری تعالیٰ کے سوا ترجیح نہیں دیتے اور آخر کار اپنی ذات کو بھی فنا کر دیتے ہیں۔یعنی

دنیا میں رہتے ہیں اور دنیا میں نہیں رہتے۔پھر ایسے لوگوں کے اندر صرف ایک روح باقی رہ جاتی ہے۔جس کے اندر" **صورت ربّی**" رہتی ہے۔

اب صرف ایک روح ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دم باقی ہوتا ہے۔یہ دم (جان) بھی اس لیے باقی رہتا ہے کہ اس بندے کے ہر سانس کے اندر اسم اللہ بار بار اندر اور باہر جا رہا ہوتا ہے۔

3- ان کی اقسام کتنی ہیں؟:-ان کی چار اقسام ہوتی ہیں:-

1-رجال الغیب:-اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دنیا کے انتظام کو چلاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حکمت ہے کہ وہ دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے انسانوں سے کام لیتا ہے۔

رجال الغیب کی آگے چل کر بہت سی اقسام ہوتی ہیں مثلاً

رجال ظاہر:- یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جیسے انبیاء کی مدد کے لیے فرشتے آتے ہیں۔۔۔جیسے امام مہدیؓ کی مدد کے لیے لشکر نکل کر آئیں گے۔

یہ تمام لوگ بقاباللہ کی منزل پر ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا جذبہ ان میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔

2- رجال باطن:- یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظاہر اور باطن کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ باطن کے اندر کی باریکی اور باطن میں موجود رازوں سے واقف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ حکمت کے انبار ہوتے ہیں۔ ہر چیز کی ان کو خبر ہوتی ہے۔اس کائنات کے اندر جس چیز کا امکان ہوتا ہے اس کی خبر ان تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ لوگ رجال باطن کہلاتے ہیں۔

3- رجال حد:- یہ ظاہر اور باطن کے درمیان پل کا کام کرتے ہیں۔ایسے لوگ انسان کو بہادر کر دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا" حضرت میں بڑا حیران ہوں کہ میرا ایک دوست تھا۔اس نے مجھے کہا کہ میں 40 روز کے بعد مر جاؤں گا اور پھر وہ واقعی 40 روز کے بعد مر گیا۔ یہ کیسے ہوا"؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ " عالم ناسوت اور عالم ملکوت کے درمیان اللہ تعالی نے ایسی چیزوں کو حائل کر رکھا ہے جو انسان کو بہادر بنا دیتی ہیں۔جب تمہیں اس قسم کے اشارے ہوں تو صدقہ دیا کرو"۔

تو ایسے لوگ رجال حد ہوتے ہیں کہ ان کے اندر اللہ تعالی کی ذات کی ایسی تجلیات موجود ہوتی ہیں جن کے ذریعے یہ دنیا کو تمام روحانی پیغامات بھیجتے ہیں۔

4-رجال مطلع یا رجال طلاع:- یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالی کی تجلیات طلوع ہوتی ہیں۔ پھر اللہ تعالی ان لوگوں سے دنیا میں بڑے بڑے کام لیتا ہے۔

یہ حضرات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے سچے اور سرکاری نائب ہوتے ہیں۔ان کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ملتے ہیں۔علوم غیبیہ ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ان میں بہت سوں کو لوحِ محفوظ پر مطلع کیا جاتا ہے۔مگر یہ سب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے واسطے سے اور عطا سے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے وسیلے کے بغیر کوئی غیر نبی غیب پر مطلع نہیں ہوتا۔ نبی سے جو خلاف عادات اور ناممکن بات اعلان نبوت سے قبل ظاہر ہوا ُسے ارہاص کہتے ہیں۔

اگر اعلانِ نبوت کے بعد ظاہر ہو تو اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ایسی تعجب خیز بات اگر ولی سے ظاہر ہو تو اُسے کرامت کہتے ہیں۔اگر عام مومن سے ظاہر ہو تو اُسے معونت کہتے ہیں۔اور اگر کافر سے ظاہر ہو تو اُسے استدراج کہتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامت حق ہیں اس کا منکر گمراہ ہے۔(بہارِ شریعت) نبی کے لیے معجزہ ہونا ضروری ہے ولی کے لیے کرامت ہونا ضروری نہیں۔کیونکہ ولی کے لیے اپنی ولایت کا اعلان کرنا ضروری نہیں جبکہ نبی کے لیے اپنی نبوت کا اعلان کرنا ضروری ہے۔

کئی اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں خود اپنی ولایت کا علم نہیں ہوتا۔یعنی اپنے مرتبے سے بے خبر، اُن کے مرتبے کو اِخفا میں رکھا جاتا ہے۔اولیاء کرام کی ولایت حق ہے۔لیکن یہ سمجھنا کہ جو کرامت دکھائے گا صرف وہی ولی ہے بالکل غلط ہے۔

موجودہ دَور میں اہل اللہ سے لوگوں کو دُور کرنے میں اِن ظاہر بین جہلا کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔جنہوں نے ایسے غلط نظریات کا چرچا کر کے یہ تصور پھیلا دیا ہے۔کہ ولی وہ شخص ہوتا ہے جو دن رات کرامات دکھاتا ہو۔جو کوئی اُس کے پاس جائے وہ اُس کو اُس کے دل کی باتیں بتانا شروع کر دے۔اور یہی نہیں بلکہ وہ اُس کے مستقبل کے حالات اور غیبی خبریں بھی بتاتا ہو۔ ہوا میں مصلے بچھا کر نمازیں پڑھتا ہو۔ پانی میں چلتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ **یاد رکھیں! دین پر استقامت کا درجہ کرامت سے بہت بلند ہے۔**

(1) یہ مسئلہ حضرت نظام الدینؒ اولیا نے بہت عمدہ انداز میں سمجھایا ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ

" شیخ سعد الدین حمویہؒ ایک مرد بزرگ تھے۔شہر کا حاکم اُن کا عقیدت مند نہ تھا۔ایک دن حاکم شہر شیخ سعدؒ کی خانقاہ پر پہنچا۔ شیخ سعدؒ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کچھ سیب منگوائے۔اُن میں سے ایک سیب خاصہ موٹا تھا۔حاکم شہر کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ کامل ولی ہیں تو موٹا سیب مجھے دیں۔جیسے ہی یہ حاکم کے ذہن میں خیال آیا شیخ نے وہ سیب اُٹھا لیا اور حاکم سے کہا کہ' ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔دورانِ سفر ایک شہر میں مجمع تھا۔ایک بازی گر کرتب دکھا رہا تھا۔اُس نے ایک گدھے کی آنکھوں پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ پھر اُس نے ایک انگوٹھی تماشائیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر رکھ دی۔اور لوگوں سے کہا کہ جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہے اُسے یہ گدھا خود پہچان لے گا۔ پھر وہ گدھا لوگوں کے پاس چکر لگانے لگا اور سب کو سونگھتا ہوا اُس آدمی کے پاس جا کر کھڑا ہوا جس کے پاس انگوٹھی تھی۔ بازی گر نے آ کر اُس آدمی کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی"۔ پھر شیخ نے حاکمِ شہر کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

"اب اگر کوئی شخص اپنے کشف و کرامات کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اُس بازی گر کے گدھے کے درجے پر رکھتا ہے۔اور اگر وہ اس بارے میں کچھ نہیں کہتا تو تمہارے جیسے لوگوں کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اِس میں باطنی فراست نہیں" - یہ کہا اور بزرگ نے وہ سیب حاکم وقت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔(فوائد الفواد)

ولی کی کرامت اگر مجبوراً ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً ولایت میں کرامت ظاہر نہیں کی جاتی۔

(2) ایک بزرگ کی خدمت میں ایک نوجوان آیا نوجوان کو نیا نیا روحانیت کا بھوت سوار ہوا تھا۔ وہ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا تھا۔ نوجوان نے بزرگ کا بہت نام سُنا تھا لیکن جب بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بزرگ تو اپنے مریدوں سے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ اُس نے دل میں سوچا میں تو کامل بزرگ سمجھ کر بیعت ہونے کے لیے آیا تھا لیکن یہ بزرگ تو دنیا دار نکلے۔ یہ خیال آیا ہی تھا کہ بزرگ نے نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" کہو جوان کیسے آئے"؟ اُس نے کہا کہ " میں بیعت ہونے کے لیے آیا تھا"۔ انہوں نے کہا کہ " اچھا اب جا کر آرام کرو صبح تمہیں بلاؤں گا اور پھر بیعت کریں گے "۔ یہ کہہ کر بزرگ نے تمام محفل کو برخاست کر دیا۔ تمام مُرید آداب بجالائے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح بزرگ نے اُس نوجوان کو نماز کے فوراً بعد بلایا اور کہا!" برخودار آج اس بستی میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم نے وہ ناچ گانے کی محفل دیکھنی ہے اور شام کو مجھے بتانا ہے کہ کیا دیکھا"؟۔ اس کے بعد دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ نوجوان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور فرمایا" دیکھو یہ دودھ کا پیالہ تمہارے ہاتھ پر ہی رہے گا۔ احتیاط سے چلنا یہ دودھ اس پیالے سے چھلکنے نہ پائے"۔ اور پاس کھڑے ہوئے ایک سپاہی کو حکم دیا" تم نے اس لڑکے کے ساتھ ساتھ رہنا ہے اور دیکھنا ہے کہ دودھ پیالے سے نہ گرے۔ اگر دودھ پیالے سے گرے تو تم اِس لڑکے کا سر اِس تلوار سے جُدا کر دینا"۔ انہوں نے سپاہی کو تلوار پکڑاتے ہوئے کہا۔ شام کے وقت وہ نوجوان سپاہی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا۔ بزرگ نے پوچھا" کیوں برخودار آج تو بستی کا ناچ گانا بہت دیکھا اور سُنا ہوگا۔ کیا دیکھا اور سُنا"؟۔ نوجوان نے کہا" نہیں حضور میری توجہ تو دودھ کے پیالے کی طرف تھی میں نے کچھ نہیں دیکھا میں نے ناچ گانے کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا میں تو پورا ٹائم اس خوف سے کانپتا رہا کہ ابھی دودھ چھلکا اور ابھی گردن تن سے جدا ہوئی"۔ تب بزرگ نے کہا" برخودار ہمارا حال بھی یہی ہے۔ تن پیالہ، من دودھ، سپاہی ملک الموت ہے۔ ہر وقت یہ خوف طاری رہتا ہے کہ پیالہ ہلا اور دودھ گرا اور ملک الموت نے پکڑا"۔ تب جوان کو معلوم ہوا کہ جو میرے دل میں بات آئی تھی وہ یہ کہ "یہ بزرگ تو دنیا دار ہیں" یہ اُس بارے میں بزرگ نے بتایا ہے۔ معافی مانگی اور مرید ہوا۔

شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے لوگوں نے کہا کہ " فلاں شخص پانی پر چلتا ہے"۔ فرمایا" کوئی مشکل کام نہیں۔ بطخ اور مرغابی بھی پانی پر چلتے ہیں"۔ لوگوں نے کہا کہ " فلاں ہوا میں اُڑتا ہے"۔ فرمایا" چیل اور مکھی بھی ہوا میں اُڑتی ہے"۔ لوگوں نے کہا" فلاں پل بھر میں ایک شہر سے دوسرے میں چلا جاتا ہے"۔ فرمایا" شیطان ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب میں چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے"۔ پھر فرمایا" **مرد تو وہ ہے جو مخلوق میں رہ کر اُن سے محبت اور تعلق رکھے۔ شادی کرے ، دنیاوی امور میں الجھا رہے لیکن پھر بھی کبھی ایک لمحہ کو بھی اُس کا دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو**"۔ یعنی دنیا میں رہے اور دنیا میں نہ رہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ارشاد ہے

"اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہے تو اُس سے دھوکہ نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ فرض، واجب، سُنت، مستحب، مکروہ حلال وحرام اور محافظت حدود و آداب میں کیسا ہے؟"

فقراء کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بھی محروم نہیں رہتا اور ہاں اولیاء اللہ کو ہر گھڑی ہر احوال پر قدرت نہیں ہوتی۔ کچھ وقت خاص خاص کچھ ادائیں خاص خاص۔ یہ گھڑی کسی فقیر (صوفی) کی زندگی میں کئی بار آتی ہے۔ کسی پر ایک بار آتی ہے۔ یہ اُن کی اپنی عطائیں ہیں۔ فقیر کسی کو ایک بار پیار سے بھی دیکھ لے تو اُس کی زبان سے بھی کئی باتیں پوری ہونے لگتی ہیں۔ **سب سے بڑی عطائے ربّانی یہ ہے کہ اولیاء اللہ ماہیت قلب بدل دیتے ہیں**۔ یہ طاقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو عطا ہوئی کہ جو بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی صحبت میں آکر بیٹھتا تھا اس کے قلب کی کیفیت بدل جاتی تھی۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے صدقے میں اُن کے مقبول غلاموں کو بھی یہ طاقت عطا ہوتی ہے۔ جب کسی آستانے پر حاضری کی نیت کر لیں تو حاضری لازمی ہے۔ ورنہ خاندان کو ایسی تکلیف پہنچے گی کہ مشکل بن جائے گی۔ اگر مذاق میں بھی کہہ دیا ہے کہ فلاں مزار پر حاضری دوں گا تو پھر سختی سے اِس کی پابندی کرے۔ اولیاء اللہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟۔ جو تلوار سے شہید ہوا وہ زندہ ہے۔ وہ تلوار کیا ہے؟ وہ اللہ کا اَمر ہے (حکم) جب دوسرے کے ہاتھ میں تلوار دے کر مرواتے ہیں تو حیات ابدی عطا فرماتے ہیں۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی اپنی ہی نظر شہید کر دے وہ کیا ہے؟ یہ حضرات سب سے اونچے درجے کے شہید ہوتے ہیں۔ ان شہداء کا مقام۔ سرکارِ دوعالم کے بعد سب سے اونچا ہے۔ صحابہ کرامؓ چلتے پھرتے شہید تھے۔ اِس لیئے انہیں موت کا خوف نہ تھا۔ عقل موت کی تلخی نہیں چکھتی۔ اِس لیئے ڈرتی ہے۔ دل موت کی تلخی چکھنے کے بعد وجود میں آتا ہے۔ اِس لیئے خوف سے نجات پا جاتا ہے۔

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عبادت

قرآن پاک میں سورہ الاحزاب، آیت نمبر 56 میں فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود بھیجو اور سلام بھی بار بار"۔

ایک ہوتا ہے درود پاک کا پڑھنا جیسے ہم لوگ پڑھتے ہیں۔تسبیح پر تسبیح گھماتے ہیں اور ایک ہوتا ہے درود پاک کو بھیجنا۔ **پڑھنے میں اور بھیجنے میں فرق ہے۔**

درود پاک کو پڑھنے والے اس کو کئی مقصد کے لیے پڑھتے ہیں۔حاجت طلب کے لیے۔۔۔ایصال ثواب کے لیے۔۔۔بس پڑھتے ہیں وضو بے وضو۔۔۔جیسے بھی پڑھیں یہ منع نہیں ہے۔۔۔حاجت طلب کے لیے پڑھا جائے تو چونکہ درود پاک میں ایک خاص انرجی ہوتی ہے حاجت پوری ہو جاتی ہے۔۔۔ایصال ثواب کے لیے پڑھا جائے تو جس کے لیے بھی پڑھا جاتا ہے اس کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔

اب وہ خاص بات نوٹ کریں جو عام طور پر ہم لوگ سمجھ نہیں پاتے وہ یہ کہ درود پاک پڑھا نہیں جاتا یہ بھیجا جاتا ہے۔

قرآن پاک ہمارے پاس ایک زندہ کتاب ہے۔اسی طرح درود پاک بھی ایک زندہ چیز ہے۔درود پاک ایک دعا ہے جس میں بھیجنے والا رحمتوں اور برکتوں کی آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے لیے دعا کرتا ہے۔بھیجنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ **ایک بھیجنے والا ہوتا ہے۔۔۔ایک لے کر جانے والا۔۔۔اور ایک وصول کرنے والا۔**

یہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے درود پاک کا رکھا ہے۔جب ہم اپنی زبان سے درود پاک نکالتے ہیں تو فرشتے اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے کر جاتے ہیں۔وہاں پر اس درود پاک کو چیک کیا جاتا ہے کہ اس میں کتنی محبت ہے؟ کتنی شدت ہے؟ اس میں کتنی چاہت ہے؟ یہ کیوں بھیجا گیا ہے؟ کوئی مقصد ہے؟ کوئی حاجت ہے؟ ایصال ثواب ہے یا صرف اور صرف حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت میں بھیجا گیا ہے۔پھر وہ درود پاک حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

انسان کے وجود کے دو حصّے ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔۔اللہ تعالیٰ کا تعلق ہمارے باطن کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے جب بھی بات کی قلب کی کی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سا طریقہ ہے جس طرح اللہ کے ولی درود بھیجتے ہیں؟

درود پاک دعا کا تحفہ ہے اور عاشقین یعنی ولی حضرات جب درود پاک بھیجتے ہیں چونکہ وہ خلوص دل سے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کے عشق میں مبتلا ہو کر درود پاک بھیج رہے ہیں تو نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) اس کو خود سنتے ہیں۔اس کا اجر اللہ تعالیٰ کی ذات بہت زیادہ عطا کرتی ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کے ولی ظاہر سے درود پاک بھیجتے ہیں اور باطن سے وہ اپنی روح کی پاور سے دیدار کی کوشش کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ روضہ رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی زیارت کرنے لگتے ہیں اور پھر اس بے لوث درود پاک کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کا دیدار۔۔۔عشق کا سفر۔۔۔اللہ تعالیٰ کی رضا۔۔۔اس درود پاک میں جب روح کی طاقت بڑھتی رہتی ہے تو یہ ہوتا ہے درود پاک کا اجر۔۔۔کہ درود پاک دیدار اور روضہ رسول (خاتم النبیین ﷺ) کا ذریعہ بنا۔

اب دیکھتے ہیں کہ بے لوث درود پاک جو اللہ تعالیٰ کے ولی خالص محبت رسول (خاتم النبیین ﷺ) میں بھیجتے ہیں اس کی کون سے اثرات وجود انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں؟

حضرت حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے ولی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ "اگر کوئی شخص پتھر دل ہو تو اس کو درود پاک پڑھنے کو کہا جائے۔اس کے پڑھنے سے اس کا پتھر دل نرم ہونا شروع ہو جائے گا۔کیونکہ درود پاک میں اتنی طاقت ہے کہ یہ پتھر میں سوراخ کر دیتا ہے"۔ایمان جب کسی کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے تو گناہ مشکل اور نیکی آسان ہو جاتی ہے۔دل نرم اور آنکھیں نم رہتی ہیں۔

قرآن پاک ایک زندہ کتاب ہے۔اس کتاب میں ہر راز اور ہر کام کی بات پوشیدہ ہے۔لیکن ہر راز ہر کوئی نہیں کھول سکتا۔کچھ راز صرف اللہ تعالیٰ کے ولی ہی کھول سکتے ہیں۔اس لیے کسی کام کے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ولی کوئی وظیفہ بتاتے ہیں۔یہ ان اولیاء کرامؒ کے آزمائے ہوئے اسم ہوتے ہیں۔ان وظائف کو کرنے سے ہمارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک کی طرح درود پاک بھی ایک زندہ چیز ہے۔اللہ کے ولی جب بھی درود پاک بھیجتے ہیں تو وہ اپنے ظاہر اور اپنے باطن کو ایک کر کے بھیجتے ہیں۔ظاہر سے درود پاک بھیجتے ہیں اور باطن سے دیدار کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ دل کی بات کی ہے۔انسان کے دل پر دو طرح کے پردے ہوتے ہیں۔

1- نرم پردہ 2-سخت پردہ

1- نرم پردہ :-غفلت کا پردہ ہوتا ہے جو فرائض کی پابندی سے ختم ہو جاتا ہے۔

2-سخت پردہ :-یہ پتھر دل انسان کا ہوتا ہے یعنی کہ ایسا پردہ کہ اس کو جتنا مرضی دھو یا جائے اس میں کبھی یار کا عکس نظر نہیں آئے گا یعنی وہ باطن میں کبھی دیدار نہیں کر پائے گا کیونکہ اس کے دل پر ایک سخت پردہ پڑا ہوا ہے۔ایک پتھر کی طرح سخت پردہ۔۔۔لیکن اس پتھر میں بھی درود پاک سوراخ کر دیتا ہے اور انسان کا دل آہستہ آہستہ نرم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔اس لیے اگر ہم نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں تو ایک نشانی چیک کرنی ہے۔ہمیں اپنے دل پر نظر دوڑانی ہے۔کیا ہم اپنے دل میں نرمی محسوس کر رہے ہیں؟ کیا ہم لوگوں کے درد کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں؟ کیا ہم ایموشنل ہیں؟ کیا ہم جذباتی ہیں؟ یا ہم پتھر دل ہیں؟

اگر ہم پتھر دل ہیں اور درود پاک بھی پڑھ رہے ہیں تو درود پاک ابھی تک آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات تک پہنچا ہی نہیں ہے۔وہ ابھی راستے میں ہے۔جیسے ہی وہ پہنچے گا اور اگر آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جواب دیا تو سب سے پہلی نشانی جو ہمارے دل پر ظاہر ہوگی وہ یہ کہ دل نرم پڑ جائے گا۔ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔ہمارے دل میں نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت بڑھ جائے گی۔یہ درود پاک قبول ہونے کی پہلی بڑی نشانی اور پہلا اثر ہے۔جو ہمارے دل پر ظاہر ہوا ہے یعنی دل کا نرم پڑھنا۔**اب دیکھتے ہیں کہ درود پاک پڑھنے کا دوسرا اثر انسان کے وجود پر کیا ہوتا ہے؟**

اللہ تعالی نے نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات کا جو سٹیٹس رکھا ہوا ہے۔۔۔جو پروٹوکول رکھا ہوا ہے۔۔۔یہ کائنات میں کسی کا بھی نہیں ہے۔ذرا سا غور کریں کہ ایک ایسی ہستی جس پر خود اللہ تعالی کی ذات اور اس کے فرشتے درود بھیج رہے ہیں تو وہ ذات اللہ کی کتنی محبوب ذات ہوگی۔اللہ تعالی نے تمام انبیاء کرام علیہ السلام کو۔۔۔تمام اولیاء کرامؒ کو رسالت اور امامت سب کچھ نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے میں عطا فرمایا ہے۔اب اللہ تعالی نے سب کچھ سب کو عطا کیا۔دنیا بھر کی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں۔اللہ تعالی نے تمام انبیاء کرامؑ کو۔۔۔اور تمام اولیاء کرامؒ کو۔۔۔تمام صالحین کو۔۔۔اس دنیا میں لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔لیکن کسی بھی نبی، ولی یا صالح کو بھیج کر کبھی دنیا والوں پر احسان نہیں جتلایا کہ میں نے یہ احسان تم پر کیا ہے۔لیکن جب نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باری آئی تو فرمایا: (سورہ آل عمران، آیت نمبر 164)

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا

ترجمہ: "میں نے مومنین پر احسان کیا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا"۔

تو نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات کا ایک الگ سٹیٹس ہے۔تو اتنی بڑی ذات پر ہم نے درود بھیجا جس پر اللہ تعالی کی ذات بھی درود بھیج رہی ہے۔تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہماری دعائیں قبول ہو رہی ہیں؟ کیونکہ نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات کا پروٹوکول الگ ہے۔اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم سچے دل سے، بے لوث درود پاک نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات پر بھیجیں اور اللہ کی ذات ہماری سلامتی نہ چاہے۔کیونکہ ہم اس کے محبوب کی سلامتی کی دعا کر رہے ہیں۔تو ہماری دعا قبول نہ ہو یہ ناممکن ہے۔یہ کہیں پر لکھا ہی نہیں ہوا۔ایسا کبھی ہوتا ہی نہیں ہے۔اس لیے اگر دعائیں قبول نہیں ہو رہی ہے تو ابھی درود پاک پہنچا ہی نہیں ہے۔ابھی راستے میں ہے یا پھر ہماری ذات میں کچھ ایسی خرابیاں جو ناپسندگی کی علامات ہیں مثلاً ظلم، ناجائز اور حرام کھانا پینا یا حرام کام وغیرہ---**یہ دوسرا اثر ہوتا ہے-**اس مقام پر دعائیں قبول ہوتیں ہیں۔

اب آتے ہیں تیسری نشانی اور تیسرے اثرات کی طرف۔۔۔روزِ اوّل سب سے پہلے "اسم اللہ" اور "اسم احمد" اللہ تعالی نے جزیٹ کیے۔"اسم احمد" اللہ تعالی کی ذات نے پیدا کیا۔پھر اپنے محبوب کے لیے یہ پوری کائنات بنائی۔تمام صوفی، تمام اللہ کے ولی، تمام درویشوں کو اس اسم احمد سے ہی فیض ملتا ہے۔اس فیض کے بے شمار اثرات ہمارے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔سب سے بڑی اور پہلی بات تو یہ کہ جب ہمیں اسم اللہ اور اسم احمد کا فیض ملتا ہے تو ہماری زبان پر درود پاک جاری ہو جاتا ہے۔کیونکہ "اسم اللہ" اور "اسم احمد" کا فیض انسانی وجود کے اندر نبی کریم (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت اور عشق کو بھر دیتا ہے۔اور پھر جب وہ محبت کا فیض بھرتا ہے تو ایسے انسان سے پوری دنیا محبت کرنے لگتی ہے۔**یہ تیسرا اثر ہوتا ہے-**

"اسم اللہ" اور "اسم احمد" تک جانے کے لیے ایک ہی کڑی۔۔۔ایک ہی راستہ۔۔۔اور ایک ہی سیڑھی ہے۔اور وہ درود پاک کا بے لوث بھیجنا ہے۔

اب ہم چوتھی اور سب سے بڑی نشانی کو دیکھتے ہیں یا سب سے بڑے اثر کو جو ہم پر ظاہر ہوتا ہے اس کو دیکھتے ہیں۔بے لوث درود پاک پڑھنے والے کو نبی

کریم (خاتم النبیین ﷺ) کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔اور اگر دیدار نصیب نہیں ہوتا تو کچھ روحانی نشانیاں ظاہر ہو جاتی ہیں مثلاً ہمیں مدینہ شریف نظر آتا ہے۔۔۔روضہ رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی جالیاں نظر آتی ہیں۔۔۔کعبہ شریف نظر آتا ہے۔۔۔یا ہمیں اللہ کے کسی ولی کی درگاہ نظر آتی ہے۔یہ بہت بڑی بڑی روحانی نشانیاں ہیں جو ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب بندہ سچے دل سے درود پاک کے ذریعے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) سے رابطہ قائم کرتا ہے یا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔تو رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔اپنے ظاہر اور باطن کو ایک کر کے اگر ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو ہمارا درود پاک حضور پاک (خاتم النبیین ﷺ) کی خدمت اقدس میں پہنچ بھی رہا ہے اور قبول بھی ہو رہا ہے اور دینے والا تو صرف اور صرف اللہ ہی ہے لیکن یہ سمجھ لیں کہ یہ جنت کی بشارت ہے۔یہ جنت کا ٹکٹ ہے۔کیونکہ جس قلب میں نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی محبت ہو وہ دل کبھی دوزخ میں جا ہی نہیں سکتا۔یہ ہمارا ایمان ہے۔

اس کے لیے ایک حدیث ہمارے سامنے ہے۔

حدیث:۔ حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) سے عرض کیا" یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) آپ (خاتم النبیین ﷺ) پر کثرت سے درود پاک پڑھتا ہوں۔ارشاد فرما دیجیے میں کس قدر درود پاک پڑھا کروں"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا" جتنا دل چاہے"۔حضرت کعب ؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ "اپنے وقت کا چوتھا حصہ"؟ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا" جتنا دل چاہے اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا"۔ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ "آدھا وقت"۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" جتنا دل چاہے، اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا"۔حضرت کعب ؓ نے عرض کی" یا رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) کیا دو تہائی وقت"؟ ارشاد فرمایا" جتنا دل چاہے، اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا"۔میں نے عرض کیا" میں اپنا تمام وقت آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو درود بھیجتا رہوں گا"۔آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا" تب تو یہ ضرور تمہارے رنج والم کو دور کرنے کے لیے کافی ہے اور تمہارے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے"۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر 2457)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرائض، واجبات اور سنت کے علاوہ نفلی عبادات میں سے کتنا وقت درود پاک کو مختص کر سکتے ہیں۔

حدیث قدسی:۔ حضرت محمد (خاتم النبیین ﷺ) نے فرمایا اللہ تعالی فرماتا ہے" جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب چاہتا ہے (اُن میں سے) کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔(یعنی فرائض مجھ کو سب سے زیادہ پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفلی عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں (یعنی اس کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔) اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے اس مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے کیونکہ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے"۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 6502)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ولایت کا حصول

ولایت کا حصول کیسے ممکن ہوتا ہے؟ ولایت کے معنی ہیں" قربِ الٰہی"---

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے بے شمار راستے ہیں۔ یہ اُس انسان کی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی رغبت اور محبت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرتا ہے؟

اس راہ میں سب سے پہلے تو شریعت کی پابندی آتی ہے۔اس کے بغیر یہ راہ سُجھائی ہی نہیں دیتی۔فرائض کی ادائیگی کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی طرف بڑھتا ہے اور اس بڑھنے کو ہی "راہ سلوک" پر چلنا کہتے ہیں۔اس راہ میں پہلے شریعت ہے، پھر طریقت، پھر حقیقت اور پھر معرفت ہے- یہ بہت طویل راستہ ہے لیکن یہ راستہ قدموں سے نہیں دل کی محبت، اخلاص اور عشق سے طے ہوتا ہے- یہ راہ عشق ہے اس لئے اس راہ کو طے کرنے کا وقت بندوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے- کوئی دوسرے ہی قدم پر فنا ہو جاتا ہے---اور کوئی ساری عمر کے مجاہدوں کے باوجود اس راہ میں رہتا ہے- منزل پر پہنچنا بھی ضروری نہیں ہے، ضروری یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہم اس راہ پر ہوں-

اوّل چیز اس میں کثرت ذکر ہے۔ ذکر کے معنی کسی کو یاد کرنا--اس کا تذکرہ کرنا۔ذکر میں تمام عبادات شامل ہیں چاہے نماز ہو، روزہ ہو، زکوۃ ہو یا حج۔یہ تمام اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے ذرائع ہیں۔ان اذکار میں کلام الٰہی کی تلاوت ہے۔--درود شریف کا ورد ہے۔--استغفر اللہ کا ورد ہے---پہلے کلمہ کا ورد ہے۔-اس کے ساتھ تمام اسماء الٰہی کا ذکر بھی اس میں شامل ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہر نام کی ایک الگ صفت اور الگ پہچان ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے ہیں۔سب سے پہلے توحید کا ذکر ہے یعنی لا الہ الا اللہ-

کچھ اولیاء کرامؒ تلاوت قرآن پاک سے---کچھ نوافل کے مجاہدات سے---اور کچھ مختلف قسم کے اوراد و وظائف سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں لیکن یہ پہنچنا "مرتبہ احسان" کو پا لینے کے بعد ہوتا ہے۔زیادہ تر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ درود پاک کی کثرت سے ولایت کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں کیونکہ درود پاک کی یہ خاص بات ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی درود پاک نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) پر بھیجتے ہیں۔اس لئے ذکر کوئی بھی کیا جائے بس خلوص دل مطلوب ہے-اگر ہمیں ذکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ہے تو پھر دیکھنا ہوگا کہ **1-کونسا ذکر انسان کو لباس ولایت عطا ہوتا ہے؟**

2-لباس ولایت سے کیا مراد ہے؟ اور یہ لباس کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ **3-اور یہ کہ انسان کو یہ ولایت کب اور کیسے عطا ہوتی ہے؟**

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنے امر کو پھونکا ہے۔اس کے امر کے درمیان اور ہمارے درمیان سات پردے ہیں۔ان ساتوں پردوں کو ختم کرنے کے لئے یعنی ان کے درمیان سے حجاب کو ہٹانے کے لئے (تا کہ انسان کا سینہ منور ہو سکے) اللہ تعالیٰ نے مختلف کلمات اتارے ہیں۔بعض کلمات "اسم اللہ" کے اندر سے اور بعض کلمات "اسم احمد" کے اندر سے آتے ہیں۔کلمہ توحید اول الذکر ہے، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ---یعنی اللہ کے سوا ہر چیز کی نفی

اگر ہم ذکر کے ذریعے سے اپنے جسم کو منور کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل تین لباسوں کو جاننا ہوگا:

1-جہل کا لباس (یعنی کفر اور شرک کا لباس) 2-علم کا لباس 3-ولایت کا لباس یعنی روحانیت کا لباس

1-جہل کا لباس:- کفر اور شرک کا لباس---حرص و ہوس کا لباس---بدعت نافرمانی کا لباس ہوتا ہے۔اس لباس کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے۔بہت ہی سخت دل ایسا دل جو پتھر کی مانند ہو۔ایسا دل جس میں ایسا پردہ پڑا ہو کہ جس میں سے کبھی بھی نور الٰہی داخل نہیں ہو سکتا ہو۔مطلب یہ ہے کہ پتھر کو چاہے جس طرح کے پانی سے بھی دھوئیں یا تیزاب سے دھوئیں وہ پتھر ہی رہے گا۔یہ جہل کا لباس ہے یعنی جاہل بندے کا لباس جس پر اللہ تعالیٰ کی ذات کبھی نور کی روشنی نہیں اتارتی جب تک اس کے اندر جو پتھر کا پردہ ہے-اس کو توڑ کا اس کے اندر چھپا ہوا علم کا لباس نہ نکالا جائے۔جب تک انسان کے اوپر جہل کا لباس، ہوس اور حرص کا لباس رہے گا تب تک ہم ولایت کی جانب ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔اور دل کو توبہ کے بغیر پاک اور صاف نہیں کیا جا سکتا۔اس کے بعد مسلسل ذکر اس کے دل کی سختی ختم کرتی رہتی ہے۔

2-علم کا لباس:- علم کا لباس---یہ اس وقت عطا ہوتا ہے جب انسان کے اندر سے جُہل کا لباس ختم ہو جاتا ہے۔جُہل کے لباس کے اترتے ہی انسان کو قرآن اور سنت کا علم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔یعنی پہلا پردہ جب ہٹتا ہے تو انسان علم سیکھنا شروع کرتا ہے اور پھر حواس خمسہ کے ساتھ اس کی چھٹی حس بھی بیدار ہو جاتی ہے۔یہ انسان کے اندر علم کا لباس ہوتا ہے جو انسان کے اوپر طاری ہو جاتا ہے- کشف القلوب، کشف القبور اور آئندہ آنے والے واقعات کا ایسے انسان کو اندازہ ہونے لگتا ہے۔

3- ولایت کا لباس:- اس کے بعد تیسرا الباس ہے۔ولایت کا لباس---یہ سب سے اعلیٰ لباس ہے---یہ روحانیت کا لباس ہے---یہ ایسا لباس ہے جو نور

اسرار الٰہی کا منبع ہے۔ یہ لباس جہل کے بعد اور علم کے لباس سے اعلیٰ لباس ہے۔ جس میں نہ تو شیطان ہے نہ جہل اور نہ ہی حرص وہوس ہے۔ پھر اس لباس کے اندر سے صرف تسبیح نکلتی ہے۔ محبت نکلتی ہے، عشق نکلتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات دنیا کی ہر خواہش اور ہر تمنا کو اس سے دور کر دیتی ہے۔ فقط ذاتِ الٰہی باقی رہ جاتی ہے۔ اَنا اور مَیں کا پردہ ختم ہوجاتا ہے-----اگر ہم لباس ولایت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ذکر کس طرح کرنا ہے اور کونسا کرنا ہے؟

ذکر شروع کرتے وقت پہلے دونوں لباسوں کی نفی کرنی ہے پھر اپنے علم کی نفی کرنی ہے کیونکہ حالت جُہل اور علم کی حالت میں رہ کر بھی انسان ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بھی انسان کی نیت اور اخلاص کے مطابق دے دیتا ہے۔ جُہل کے لباس کو تو ختم کرنا ہی ہے۔ لیکن علم کے تکبر کو بھی ختم کرنا ہے۔ اپنے جاننے کی نفی کرنی ہے۔ ہر چیز کی نفی کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر فوکس رکھنا ہے کہ مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات چاہئے۔ بے لوث ذکر کرنا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا اور کچھ نہیں---لا الہ الا اللہ---لا الہ الا اللہ---لا الہ الا اللہ

ذکر کرتے وقت انسان کی سوچ یہ ہو کہ مجھے جُہل کے لباس اور علم کے لباس سے اعلیٰ لباس ولایت کا لباس درکار ہے۔ اس لیے دنیا کی ہر خواہش اور حرص وہوس کی ہر وادی کو عبور کر کے اس لباس تک جانا ہوگا۔ اس ذکر کو ہم جب بے لوث ہو کر پڑھیں گے تب ہی اپنے مطلب کو پاسکیں گے۔

اب جب ولایت کا لباس مل جائے تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ لباس ہم نے پہن لیا ہے؟----اس کی پانچ نشانیاں ہیں:

1- "اسم اللہ" کے اندر سے "اسم احمد" دکھائی دینے لگتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر سے "اسم احمد" دکھائی دے کیونکہ----

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کا فرمان ہے کہ "فقط ایک میری صورت ہے جس کو شیطان نہیں اپنا سکتا"۔ (سنن ابوداؤد، السلسلۃ الصحیحۃ)

تو یہ ایک بات بنی چاہیے اس میں چاہیے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کا دیدار نصیب ہو---یا روضہ مبارک نظر آئے---یا روضہ مبارک کی جالیاں نظر آئیں---یہ بہت بڑی نشانی ہے کہ انسان کا یہ ذکر انسان کو ایک بڑی پرواز کروانے والا ہے، اگر ہم ان نشانیوں میں سے کچھ دیکھ پائیں-

2- ذکر پورے ذوق اور شوق سے کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جب عبادت عادت بن جائے تو پھر وہ عبادت عبادت نہیں رہتی بس عادت ہوجاتی ہے---اس میں شوق اور محبت ہوتی ہے۔ اس میں ذات کو سکون محسوس ہوتا ہے۔ تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی---خوشی محسوس ہوتی ہے---اطمینان اور طمانیت کا احساس اُجاگر ہوتا رہتا ہے۔ عبادت زحمت نہ ہو عبادت رحمت لگنے لگے---یہ ذات میں جذب ہونے کی نشانی ہے---جب ہم سوکر اُٹھیں تب بھی وہ ذکر ہماری زبان پر طاری ہو---یعنی ذکر ہمارے شوق کا ترانہ بن جائے۔ ذکر کو زحمت کے ساتھ نہیں محبت کے ساتھ کرنا ہوتا ہے تب ہی ذکر ہمیں فائدہ دیتا ہے۔

یہ نشانی ہے کہ ذکر نے ہمارے اندر جگہ بنالی ہے۔ اس طرح کوئی بھی ذکر کریں سوچ یہی رکھنی ہے کہ مجھے لباس ولایت درکار ہے- یہ ذکر دونوں جہانوں کی خواہش سے آزاد---تمام دنیاوی خواہشات کی نفی کروادے گا۔

3- تیسری نشانی یہ ہے کہ یہ ذکر جب آگے لے کر جاتا ہے تو تمام دنیاوی خواہشات ختم ہوجاتی ہیں۔ انسان کے اندر سے تمام خواہشات جب ختم ہوجاتی ہیں تو نہ دوزخ کا ڈر اور نہ جنت کی طلب رہتی ہے۔ بس وہاں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی تمنا ہوتی ہے۔ اور جب یہ مقام حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وہ اپنے ایسے بندے کو نبیوں کا دیدار اور بہت کچھ دکھاتا ہے---اس کے بعد

4- جب ہمارا ذکر ہماری سانسوں کے ذریعے ہماری روح تک پہنچے یعنی جب ہمارا ذکر ہماری روح تک پہنچ جاتا ہے تو انسان "عالم ملکوت" میں اتر جاتا ہے۔

"عالم ملکوت" سے مراد ہے کہ ہماری روح اب اس طریقے سے ذکر کرنا شروع کر دیتی ہے جیسے فرشتے تسبیح کرتے ہیں---ویسے ہی انسان تسبیح کرنے لگتا ہے۔ یہ بہت بڑی نشانی ہے---ہمارے اندر سائرن---ایک گھنٹی بجنے لگ جاتی ہے اور آواز انسان سن سکتا ہے۔ یہ روح کا سائرن ہے اور یہ ولایت کے لباس کے اندر ہوتا ہے۔

5- اس کے بعد پانچویں نشانی یہ ہوتی ہے کہ پھر یہ ذکر ہمیں محبت عطا کرتا ہے اور یہ محبت حقیقی ہے۔

محبت ایک تسبیح کا نام ہے---ایک ذکر کا نام ہے---ایک یاد کا نام ہے۔ انسان جب اس محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو ہر وقت انسان اپنے ذکر سے محبت کرتا ہے۔ انسان اب صرف اور صرف محبت کا پیکر بن جاتا ہے۔ انسان کی وجود کی ہر شے ذکر کرنے لگتی ہے۔ انسان کے ہاتھ پاؤں ہر عضو ذکر کرنے لگتا ہے۔ انسان کے اندر کا جو لہو ہے وہ بھی ذکر کرتا ہے۔ لہو پھر لہو کی مانند نہیں رہتا وہ تازہ دودھ بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گوبر بھی تازہ دودھ کی مانند بن جاتا ہے۔

جب اس محبت کی انتہا ہوجائے گی تو یہ محبت انسان کو عشق الٰہی کی جانب لے کر بڑھے گی۔ پھر جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے عشق میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس انسان کا نفس نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو مقام ولایت پر فائز کر دیتا ہے۔

ولایت اور کرامت

ولایت کے معنی قُرب اور نزدیکی کے ہیں۔ یہ قُرب، مقام، نسبت، دین، اعتقاد، محبت --غرض ہر اعتبار سے ہوسکتا ہے۔ ولایت اچھی اور بُری دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔ آسانی اور سہولت کے لیے پہلی قسم کی ولایت کو رحمانی ولایت اور دوسری قسم کی ولایت کو شیطانی ولایت کہتے ہیں۔

رحمانی ولایت:

یہ قربِ حق، یقین کامل اور کثرت محبت اللہ اور رسول ہے۔ یہ ولایت دو قسم کی ہے۔

(1) ولایت عام (2) ولایت خاص

(1) **ولایت عام**

اس میں تمام مومنین شامل ہیں۔ بموجب آیت شریف (سورہ مائدہ، آیت نمبر 55)

ترجمہ: "اللہ ایمان والوں کا دوست ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور تقوی بندوں کی ولایت کی شان ہے اس لیے جس درجے کا ایمان ہوگا۔ اُس درجے کی ولایت نصیب ہوگی۔ معمولی درجے کا ایمان، جو صرف عقائد کی درستی اور بنیادی اعمال کی بجا آوری کا نام ہے۔ یہ جسے میسر ہوا اُسے ادنیٰ درجے کی ولایت نصیب ہوتی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کی تکمیل کے واسطے شریعت ہے

(2) **ولایت خاص**

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے (سورہ النساء، آیت نمبر 136)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل فرمائی گئی ہیں، ایمان لاؤ!"

اس آیت شریفہ میں ایمان والوں سے ایمان لانے کے لیے کہا جا رہا ہے۔ اس لیے اگر اعلیٰ درجے کا ایمان وتقویٰ ہے تو اعلیٰ درجے کی ولایت ملتی ہے اس کو ولایتِ خاص کہتے ہیں اور اس کی تکمیل کے واسطے طریقت ہے۔

ولایت کی بنیاد واتباع رسول صلی اللہ علیہ والیہ وسلم سے پڑتی ہے۔ اور اس ولایت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جسے حاصل ہو جائے اُس کی زندگی اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دُشمنی کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ عقائد۔ عبادت، سیرت واخلاص غرض ہر امور پر اُس کی زندگی اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کے فرمان کے تابع ہوتی ہے

سچی ولایت اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے محبت کا یہی معیار ہے۔ جس سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہوتی ہے۔ چنانچہ جو شخص آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کو رسول مانتا ہے اور آپ خاتم النبیین ﷺ سے محبت کرتا ہے اور دل وجان سے آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیروی کرتا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا ہے۔ اور جو ایسا نہیں ہے وہ جھوٹا ہے۔

سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 31 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ترجمہ: "اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تُم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے"۔

کرامت:

جب کوئی خارق عادت کسی ولی سے ظاہر ہو تو اُسے کرامت کہتے ہیں ''کرامت''، علم نبوت کے زیر اثر ہوتی ہے۔ ولایت کی طرح کرامت کے بھی دو درجے ہیں۔

(1) کرامت عامہ (2) کرامت خاصہ

(1) **کرامت عامہ**

کرامت عامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو قوتِ گویائی، عقل، تدبر اور دولتِ احساس سے نوازا ہے۔ ہر طرح کی ظاہری اور باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کر دی ہیں۔ انسان ان خوبیوں سے کام لے کر اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتا ہے۔ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ دوسری مخلوق کو قابو بھی کرتا ہے۔ سائنس کا علم حاصل کرتا ہے۔ سائنس دان، انجینئر، ڈاکٹر بنتا ہے۔ بے تکلف ہوا میں اُڑتا ہے۔ خشکی میں جانوروں پر اور گاڑیوں پر، سمندر میں کشتیوں اور جہازوں پر سفر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں آیت نمبر 80 میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی اور اُن کو جنگل اور دریا میں روزی دی۔ اور دی ہم نے اُن کو سُتھری چیزیں اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر"۔

(2) **کرامت خاصہ**

یہ پہلی کرامت سے افضل ترین ہے۔ اس کرامت کے اہل وہ خوش نصیب افراد ہیں۔ جو اللہ پر ایمان لا کر اس پر قائم رہتے ہیں۔ اخلاص اور صداقت کے ساتھ احکامِ الٰہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر عام مومنین کے زمرے سے آگے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن جبکہ لوگ تین جماعتوں میں بٹے ہوئے ہوں گے یہ حضرات مقربین سے کم لیکن عام مومنین سے بہت آگے عرشِ الٰہی کے دائیں جانب بلند مقام اور قرب الٰہی سے سرفراز ہوں گے۔

چنانچہ سورۃ واقعہ آیت نمبر 27 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ترجمہ: "اور دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے"

سورۃ فاطر آیت نمبر 32 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

" پھر ہم نے اُن لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا۔ جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ متوسط درجے کے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں"۔

ایمان و استقامت پر مبنی اعلیٰ اور سب سے مخصوص درجے کی کرامت وہ ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو زیادہ سے زیادہ ایمان و تقویٰ سے نوازتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو صدقہ، خیرات، نوافل کی پابندی، جہاد، روزہ، حج زکوٰۃ کی ادائیگی میں پیش پیش ہوتا ہے۔ اس گروہ کے افراد اعلیٰ درجے کے پرہیزگار اور بڑھ بڑھ کر نیکیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کے الفاظ میں لوگ سابقین اور مقربین ہیں۔

قرآن پاک میں سورۃ واقعہ آیت نمبر 10 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

ترجمہ: "اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں۔ یہی لوگ (اللہ کے ساتھ) خاص قُرب رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور اگلے لوگوں میں سے بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے سے ہوں گے"

ان برگزیدہ گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ترجمہ: "جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کمر باندھی میں اُس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ بندہ جتنا میرے فرائض کے ادا کرنے سے میرا قُرب حاصل کرتا ہے اتنا کسی اور عمل سے نہیں۔ یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اُس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے۔ اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اُس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور دُوں۔ اگر وہ چاہے تو میں اُس کو پناہ دُوں۔ اور مجھ کو کسی چیز سے جس کو میں کرنے والا ہوں اتنا تردّد نہیں ہوتا جتنا کہ نفس مومن (کے معاملے) میں ہوتا ہے۔ کہ وہ موت کو بُرا سمجھتا ہے اور خود میں بھی اُس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا (لیکن) موت تو ہر صورت آنے والی ہے" (صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح)

مقربین کا یہی وہ گروہ ہے جو ولایت اور کرامت خاصہ کے منصب پر فائز ہے۔ یہ اگرچہ پراگندہ بال اور مفلوک الحال دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ اللہ سے دعا کریں کہ! زمین پھٹ جائے یا پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے تو باری تعالیٰ کی ذات سے یوں امید ہے کہ محض اپنی شان کریمی سے ان کو سُنے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہ خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جن کے دست حق پر باری تعالیٰ خرق عادات اور واقعات کو ظاہر فرماتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی چیزیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ زندگی سے مایوس بیمار کو شفا نصیب ہو جاتی ہے۔ گمشدہ شے دستیاب ہو جاتی ہے۔ اور مرگ ناگہانی بھی قریب آ کر دبے قدموں گزر جاتی ہے۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر کہا جا سکتا ہے۔

(2) شیطانی ولایت

دنیا میں حق و باطل اور خیر و شر کی طاقتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہی ہیں۔قرآن پاک بتاتا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر علیہ السلام نے حق کی آواز بلند کی۔سرکش جنوں اور انسانوں نے ایک محاذ بنالیا اور پیغمبروں کے کاموں میں رخنہ اندازی شروع کردی۔

سورۃ انعام آیت نمبر 112 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

"شیطان صفت انسان اور جن دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالا کرتے ہیں"۔

ایک اور جگہ سورۃ اعراف آیت نمبر 30 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالیا اور سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں'

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنوں اور انسانوں میں دوستی ہو کیسے جاتی ہے؟؟؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ہے کہ

"جنس کا جنس سے اور یکساں طبع کا ایک دوسرے سے میلان ہوتا ہے"

اس طرح بد باطن اور فاسق اور فاجر انسان جنہیں اللہ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے حکموں کا پاس ولحاظ نہیں ہوتا۔وہ شیطان سیرت جنوں سے دوستی گانٹھ لیتے ہیں۔اور پھر باہم مل کر انسانوں کو گمراہ کرنے اور زمین پر فساد برپا کرنے کی ناپاک کوشش کرتے رہتے ہیں۔اور شیطان جو اسی قسم کے واقعات کے مواقع اور تاک میں رہتا ہے۔اپنے دوست انسانوں اور جنوں کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ انہیں اسرار اور پوشیدہ رازوں سے باخبر کرتا ہے۔جھوٹی، سچی خبریں ان تک پہنچاتا ہے۔کبھی ان کے سامنے ظاہر ہوکر اور کبھی پوشیدہ طور پر اُن سے کلام کرتا ہے۔اور کبھی شعبدے اور کرتب ان کے ہاتھوں دکھواتا ہے اور اس طرح کرتب دکھا کر سادہ لوح انسانوں کو ان کے پھندے میں گرفتار کرواتا ہے۔جو سادگی اور جہالت میں ان تمام بازی گری کو کرامت اور ان شیطانوں کو ولی کامل سمجھ بیٹھتے ہیں۔

پس جو سُنت کا اتباع اور دین کے آداب کی رعایت نہ کرے خدا طلبی کے لیے اُس کی صحبت میں رہنا گوارہ نہیں کرنا چاہیے۔بلکہ اگر لاکھوں کرامات اور خوارق اُن سے دیکھ لیں۔اور از خود اُس کو کتاب وسُنت کے برخلاف پائیں تو ہرگز ہرگز اُن پر فریفتہ نہ ہونا۔کیونکہ اُن کی وہ خوارق اولیا اللہ والے نہ ہوں گے بلکہ استدراج ہوگا۔

استدراج وہ علم ہے جو اعراف کی بُری روحوں یا شیطان صفت جنات کے زیرِ سایہ کسی آدمی میں خاص وجوہ کی بنا پر پرورش پاجاتا ہے۔

استدراج کا علم غیب بینی تک محدود ہوتا ہے صاحب استدراج کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

<u>پس ولایت کا کارخانہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی متابعت کے بغیر راست اور درست نہیں اور معرفت کا راستہ دین پر استقامت کے بغیر کھل نہیں سکتا</u>

جس نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کی پس اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔جب شریعت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے تو جو شخص وسیلے کو ترک کرکے دین کے کاموں پر مستقیم نہ رہے۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس نے دین سے منہ پھیر کر دائرہ اسلام سے اپنے پاؤں باہر کھینچ لیے ہیں۔جس طرح بعض جاہل اور بدعتی فقیر کہتے ہیں اب ہم شریعت سے گزر کر طریقت اور حقیقت پر پہنچ گئے ہیں۔اس لیے اب ہمیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج وغیرہ امُور کی ضرورت نہیں رہی۔تو ایسے لوگوں کے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔چونکہ جو آدمی شریعت کو ترک کردے وہ کافر ہو جاتا ہے۔تو کافر طریقت، معرفت اور حقیقت کو کیسے پہنچ سکتا ہے؟

جب کوئی نیک بخت سالک تمام شرعی امُورات (احکامات الٰہی) پر مضبوط اور مستقل ہو اور حضورِ پاک خاتم النبیین ﷺ کے تمام تر اوصاف اور اخلاق حمیدہ کو اپنائے ہوئے ہو۔اور اُس درگاہ کا مقرب اور مقبول ہو تو اُس کو اللہ تعالیٰ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا نائب مقرر فرمادیتے ہیں۔ولایت کا تاج اُس کے سر پر رکھا جاتا ہے اُس کا نور سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے۔جو تمام جہاں کو اپنے فیض سے فیض یاب کرتا ہے۔لیکن اس پسندیدہ اور برگزیدہ مرتبہ پر اللہ تعالیٰ اُس کو سرفراز فرماتے ہیں جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے سب رُتبوں کا جامع ہوتا ہے۔

****

اولیاءاللہ اور عام و بندے میں فرق

بندہ ہونے کے اعتبار سے تو تمام انسان اللہ کے بندے ہیں مگر تمام بندے ایک جیسے نہیں ہوتے کیونکہ بعض لوگ بندہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کے دوست بھی ہوتے ہیں جنہیں یہ مقام میسر آتا ہے ان میں اور عام بندوں میں بہت فرق ہوتا ہے کیونکہ ویسے تو کائنات عالم کی ہر ہر چیز اللہ کا بندہ ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ مریم، آیت نمبر 65 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے تو اسی کی بندگی کر اور اس کی عبادت پر جم جا''۔

عبادت پر جم جانے والے لوگ ہی اپنے رب سے دوستی کا رشتہ استوار کر لیتے ہیں اس طرح ''ولی اللہ'' اللہ کا دوست بن جاتے ہیں۔ اور اللہ رب العزت ایسے بندوں کا دوست بن جاتا ہے۔ تصوف اسی ولایت (دوستی) کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس دوطرفہ تعلق کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال، آیت نمبر 34)

ترجمہ: ''اس کے دوست تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن اکثریت اس بات کو نہیں جانتی''۔

ایسے متقی افراد جو مقام ولایت کے حامل ہوتے ہیں وہ ایک طرف تو اللہ کے دوست ہوتے ہیں (جس کو سابقہ آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا) دوسری طرف اللہ ان لوگوں کا دوست ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان فرمایا گیا۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 257)

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے''۔

پہلی آیت میں بندہ اللہ کا دوست ہے۔ دوسری آیت میں اللہ بندے کا دوست۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس آیت میں پہلے بندے کی طرف سے اللہ کے لیے دوستی اور محبت کا بیان نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے بندے کے لیے دوستی اور محبت کا بیان ہے گویا پہلے اللہ اپنے بندے کو چاہتا ہے اور اس کے ساتھ دوستی کرتا ہے (چاہنا اور دوستی کرنا، ایمان پر موقوف ہے) اور پھر بندہ اپنے رب سے محبت اور دوستی کرتا ہے۔ گویا بندے کو اللہ کی دوستی کی دولت اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک پہلے اللہ اپنے بندے سے محبت و دوستی نہ کرے اور بندہ رب کو اس وقت تک محبوب نہیں بنا سکتا جب تک کہ رب العزت اپنے بندے کو اپنا محبوب نہ بنا لے۔ اور رب بندے کو ایمان لاتے ہی دوست بنا لیتا ہے۔ بندے نے کلمہ پڑھا اور رب نے کہا ''اللہ ولی الذین آمنو'' اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ بندہ رب سے محبت کرتا ہے اور رب بندے کو محبوب بنا لیتا ہے۔ جس طرح یہ محبت دوطرفہ ہے اسی طرح رضا بھی دوطرفہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط (سورۃ البینۃ، آیت نمبر 8)

ترجمہ: ''اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے''

پہلے اللہ اپنے بندوں سے راضی ہوا۔ اس کے اس کرم سے بندے کو توفیق نصیب ہوئی اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے۔ تعلق یکطرفہ نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہے۔ اسی طرح دوطرفہ تعلق کو ایک اور جگہ بیان کیا

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ (سورۃ الفجر، آیت نمبر 28-27)

ترجمہ: ''اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا ہے تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی''۔

ان آیات مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بندے اور رب کے درمیان محبت و دوستی بھی دوطرفہ اور رضا بھی دوطرفہ ہے ایک حیثیت میں بندہ محب ہوتا ہے اور دوسری حیثیت میں محبوب۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر 31)

ترجمہ: ''(اے حبیب خاتم النبیین ﷺ) آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا''

اگر تم اللہ کا محب بننا چاہتے ہو تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے غلام بن جاؤ، آپ خاتم النبیین ﷺ کی غلامی و اتباع کو اختیار کر لو تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا یعنی یہ

کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ایسے محبوب ہیں کہ جوان کا غلام بن جاتا ہے اللہ رب العزت اسے بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے اور بندے کا تعلق دوطرفہ ہوجاتا ہے۔

ولایت اور تقویٰ کا باہمی تعلق

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ الانفال, آیت نمبر 34)

ترجمہ ''اللہ کے دوست تو متقی ہوتے ہیں لیکن اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی''۔

آیت مبارکہ میں اللہ کے دوستوں اور ولایت کے مقام پر فائز ہونے والوں کی ایک صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ متقی ہوتے ہیں یعنی ولایت اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں۔تقویٰ کے بغیر ولایت کا تصور گمراہی ہے اور جو مقام ولایت کو پانا چاہتا ہے اسے تقویٰ کے لباس کو پہننا ضروری اور لازم ہوتا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بھنگ، چرس پینے والے اور شریعت مطہرہ کی مخالفت کرنے والے مقام ولایت پر کبھی فائز نہیں ہوسکتے۔نمازوں کے تارک شیطان دوست تو ہوسکتے ہیں اللہ کے دوست نہیں ہوسکتے۔اللہ رب العزت نے اپنے دوستوں کی پہچان کرادی ہے۔کہ وہ متقی پرہیزگار اور شریعت مطہرہ کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں۔اس آیت نے اس تصور کو مکمل طور پر باطل کردیا جو جہالت کی بناء پر ہمارے اندر رواج پا گیا ہے کہ''فلاں شخص نماز، روزے کا پابند تو نہیں ہے مگر ہے بڑا کامل ولی اللہ،شریعت کی پابندی و پاسداری کو اپنے اوپر لازم نہیں سمجھتا مگر بہت پہنچا ہوا اور بہت بزرگ ولی ہے''۔یہ سوچ سراسر اسلام کے خلاف اور دین دُشمنی پر مشتمل ہے۔مجذوب (مدہوش) شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔اس لیے اس سے شریعت کے احکامات کی پابندی ساقط ہوجاتی ہے مگر صاحبان ہوش کے لیے مقام ولایت پر فائز ہونے کے لیے شریعت کی پابندی ہی اصل بنیاد ہے اور جو شریعت کا پابند نہ ہو وہ شیطان کی بارگاہ میں پہنچا ہوا تو ہوسکتا ہے اللہ کی بارگاہ کا قُرب اسے میسر نہیں آسکتا ہے وہ ولی شیطان تو ہوسکتا ہے ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔پس لفظ ولی ولایت سے ہے اور ولایت کے معنی امارت، بادشاہی اور حکمرانی ہے۔ہمارے پیش نظر صرف دوصورتیں

1۔ ولی اللہ 2۔ ولی عبد

بندہ اللہ کا ولی ہے جس کو

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (سورۃ یونس, آیت نمبر 62)

ترجمہ:'' یادرکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں''۔

اور اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ الانفال, آیت نمبر 34)

ترجمہ:''اس کے دوست تو سوا متقیوں کے اور اشخاص نہیں''۔

میں بیان کیا ہے اور اللہ بندے کا ولی ہے جس کو اللہ ولی الذین امنو کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

اللہ رب العزت بندے کا ولی ہے اور ولی العبد کا معنی ولی کے پہلے معنی کی رُو سے یہ ہوا کہ بندے نے اپنا تصرف کا مقام ختم کر کے اسے اللہ کی بارگاہ میں پیش کردیا اور اس نے اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اپنے ارادے اور مرضی سے دستبردار ہوکر اپنے تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کردیا اور اللہ نے اسے قبول کرلیا۔رب اپنے بندے کا ولی ہوگیا۔اب اس بندے کے تمام معاملات وہ خود نبھائے گا کیونکہ بندے نے اپنے تمام اُمور اپنے مولا کریم کو تفویض کردیئے ہیں اور اعلان کردیا ہے

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ (سورۃ المومن, آیت نمبر 44)

ترجمہ:''میں اپنا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتا ہوں''

یعنی میں اپنی زندگی کے جملہ اُمور کو اپنی مرضی سے نکال کر تیری مرضی کی تحویل میں دیتا ہوں۔اپنے اختیار سے دستبردار ہوکر اپنا سب کچھ تیرے اختیار کے حوالے کرتا ہوں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الاعراف, آیت نمبر 162)

ترجمہ:'' آپ فرمادیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے''۔

جب بندہ اپنا جینا مرنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، عزت وآبرو، شہرت ناموری، بیماری وصحت سب کچھ اللہ رب العالمین کے سپرد کردیتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ ’’لوگو میں اپنے بندے کا ولی ہوں اس کے جملہ معاملات میں نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں اور اپنے وہ معاملات جو بندوں کی رشد و ہدایت اور ان کی اصلاح احوال سے متعلق تھے۔ وہ اپنے اس بندے کو دے دیئے ہیں تو اب سن لو کہ اس کے تمام معاملات میں خود سنبھال لوں گا‘‘۔

ولی کے دوسرے معنی کی رُو سے ولی العبد کا معنی یہ ہوا کہ اس بندے پر اگر حکمرانی ہے تو وہ صرف اللہ کی ہے۔ اس بندے نے اپنے آپ کو اللہ کی حکمرانی میں دے دیا ہے۔ اب دنیا کا کوئی فرد اس پر حکمران نہیں ہوسکتا۔ اس پر حکمرانی صرف اپنے رب کی ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ ڈرتا ہے۔ ڈرتا ہے تو صرف اپنے رب سے وقت کا بڑے سے بڑا فرعون اور قارون بھی اپنے مال و دولت اور سرمایہ سے اسے خرید نہیں سکتا وہ صرف اس طرف چلتا ہے جہاں رب چلاتا ہے وہاں جُھکتا ہے جہاں رب جُھکاتا ہے۔ اس نے اپنے اوپر صرف رب کی حکمرانی قائم کی ہوتی ہے اور اللہ اسے دنیا کی حکمرانی دے دیتا ہے۔ اللہ اس کا ولی ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ولی ہوتا ہے وہ بندے کا ولی کیسے اور کس معنی میں ہوتا ہے۔؟ حدیث پاک ہے:

مَنْ کَانَ اللّٰہُ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

ترجمہ: ’’جو اللہ کا ہوا۔ اللہ اُس کا ہوا‘‘ - (مشکوۃ شریف۔تفسیر روح البیان)

جو اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے لیے وقف کر دے اور اپنے معاملات کو بھول جائے تو اس کے معاملات کی ادائیگی اللہ رب العزت اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپؓ کے کام زیادہ ہوتے ہیں، خلافت کی مصروفیات، لوگوں کے مسائل، جہاد کے معاملات وغیرہ اتنے زیادہ کام آپ کیسے سرانجام دے لیتے ہیں؟۔ ان تمام کے لیے آپ وقت کیسے نکال لیتے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ ’’میں اپنی بساط کے مطابق اپنے رب کے کام کرتا رہتا ہوں اور جب کبھی میرے ذاتی کام اور اللہ کے کام میں تعارض پیدا ہو یعنی ایک وقت میں یا اللہ کا کام ہوسکتا ہے یا اپنا کام تو ایسی حالت میں میری زندگی کا معمول یہ ہے کہ میں اپنا کام چھوڑ دیتا ہوں اور اللہ رب العزت کا کام کرتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میرا ذاتی کام میرے کرنے سے بھی بہتر طریقے سے سرانجام پاتا ہے کہ ایسی صورت میں میرا کام میرا رب اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ جبکہ میں اس کا کام اپنے ذمہ لیتا ہوں کیونکہ ایسی صورت میں اللہ رب العزت اپنے بندے کا ولی بن جاتا ہے اور اس کا سرانجام دیا ہوا کام ہر قسم کے نقص و کمی سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ بندے کے سرانجام دینے کی نسبت ہزار ہا گنا بہتر ہوتا ہے‘‘۔

ولی اللہ:

اللہ کو کسی معاملہ میں بھی کسی دوسرے کی ولایت کی حاجت نہیں وہ اس سے پاک اور بے نیاز ذات ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل و احسان سے اپنے خاص بندوں کو نوازنے کے لیے بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت ان کی اصلاح احوال کے بہت سے معاملات ان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اللہ کی طرف سے بندے کو ان معاملات کی سپردگی کو ولایت کہتے ہیں اور یہ معاملات جس کے سپرد کئے جاتے ہیں اس کو ’’ولی اللہ‘‘ کہتے ہیں۔ اگر وہ ولایت میں کامل ہو تو جو فیصلہ وہ کرتا ہے وہی رب کا فیصلہ ہوتا ہے چونکہ وہ اللہ کا ولی ہے اور اللہ نے ان امُور پر اس کو متصرف بنایا ہے۔

مقام ولایت جس کو عطا کیا جاتا ہے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: ’’جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔‘‘ (ابن ماجہ حدیث 3989۔ السلسلۃ الصحیحۃ حدیث 979)

کیونکہ اس کا معاملہ اس کا معاملہ ہی نہیں بلکہ وہ تو میرا معاملہ ہو گیا ہے۔ اس سے محبت کرو گے تو مجھ سے محبت ہوگی اس سے دشمنی کرو گے تو مجھ سے دشمنی ہوگی۔ یہ میرا بندہ ہے میں نے اپنے دین کے کام اپنی مخلوق کی بھلائی کے کام ان کی رشد و ہدایت کے کام جو کچھ اس کے سپرد کرنا چاہا کر دیئے اور وہ کام اس بندے نے اپنے ذمہ لے لیے تو وہ بندہ میرا ولی ہو گیا اور اس بندے نے اپنے سارے کام میرے سپرد کر دیئے تو میں اس کا ولی ہو گیا‘‘۔

حضرت اویس قرنیؒ اور مقام ولایت

ایک شخص حضرت اویس قرنیؒ کے پاس زیارت کے لیے حاضر ہوا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا آپ کی بھیڑوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ اور آپ عبادت میں مصروف ہیں۔ آپ فارغ ہوئے تو ماجرہ دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپؒ نے فرمایا ’’بات سادہ سی ہے کہ جو بندہ رب کے کام میں لگ جاتا ہے رب کی مخلوق اس کے کام میں لگ جاتی ہے‘‘۔ اس لیے اللہ کے ولی کے پاس جانا ان سے تعلق ارادت قائم کرنا گویا اللہ کے غیر کے پاس جانا نہ ہوا بلکہ اللہ ہی کی بارگاہ کی طرف رجوع ہوا۔ جب بندہ اللہ کا ولی بنتا ہے تو وہ اپنے بندے کو صاحب ولایت بنا دیتا ہے اور ولایت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العزت یہ اعلان کرتا ہے کہ لوگو میں نے اس بندے کو تمہارا حکمران بنا دیا۔

میری طرف سے میرا یہ بندہ تمہارا بادشاہ بنا دیا گیا'' ہے۔ اب اگر حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دریا کی مچھلیوں کو حکم دیں گا کہ میری سوئی لے کر نکل آؤ تو مچھلیاں فوراً اس حکم کی تعمیل پر نکل آتی ہیں۔ کیونکہ یہ مچھلیوں پر بھی حکمران ہیں۔ دریا کی لہریں اور لوگوں کے دلوں کی سرزمین سب ان کی حکمرانی میں داخل ہیں۔

غوث اعظمؒ اور مقام ولایت

حضرت غوث اعظمؒ کی مجلس وعظ میں ہزاروں کا مجمع ہوتا اور بغیر لاؤڈ سپیکر کے آپؒ کی آواز تمام لوگوں تک برابر پہنچتی۔ جب آپ باہر تشریف لاتے تو مجمع کھڑا ہو جاتا اور آپؒ کی زیارت کے لیے لوگوں کے جذبات قابل دید ہوتے اور ایک ہنگامہ سا برپا ہو جاتا مگر ایک دن ایسا ہوا کہ آپؒ مجمع کو چیرتے مجمع کے درمیان آ گئے اور آپؒ کے استقبال کے لیے ایک شخص بھی کھڑا نہ ہوا۔ کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضور آج کیا بات ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا ''لوگوں کے دلوں کی حکمرانی ہمارے پاس ہے ہم چاہیں تو اٹھنے دیں اور چاہیں تو نہ اٹھنے دیں''۔ انہوں نے اتنی سی بات آہستہ سے کہی اور اچانک سارا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔ فرمایا ''نہ اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لیا اب اٹھنے کا رنگ بھی دیکھ لو''۔

جب اللہ اپنے کسی بندے کو مقام ولایت عطا فرماتا ہے تو اسے خلق خدا کے دلوں پر حکمرانی عطا فرماتا ہے اور یہ حکمرانی ہماری دنیا کی حکمرانی سے مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کی حکمرانی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف اللہ کے ولی کی حکمرانی ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کو اس دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے ساڑھے نو سو برس گزر گئے ہیں مگر آپؒ کے مزار مبارک پر جا کر دیکھیں، لوگوں کے دلوں پر آپؒ کی حکمرانی نظر آئے گی۔ اسی طرح غوث پاکؒ حضرت خواجہ معین الدینؒ حضرت بابا فریدؒ اور دیگر بے شمار اولیاء کرام جن کو وصال فرمائے صدیاں گزر گئیں مگر ان کی حکمرانی جو اللہ نے انہیں انسانوں کے دلوں پر عطا کی وہ اب بھی قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گی۔

مفہوم ولایت حدیث قدسی کی روشنی میں

حضرت غوث الاعظم نے اپنی کتاب ''سرالاسرار'' میں ولایت کا ماحصل اور نتیجہ یوں بیان کیا ہے۔

''انسان اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرے، بشری صفات کا لباس اتار کر صفات الٰہی کا لباس پہن لے''۔

جب انسان بشری لباس اتار پھینکے اور اخلاق الٰہیہ کا لباس پہن لے، بشریت کا رنگ ختم کر کے اپنے آپ کو اللہ کے اوصاف اور اللہ کے اخلاق کے رنگ میں رنگ دے۔ اس مقام کو حدیث قدسی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے: حدیث قدسی

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'جو شخص میرے کسی پسندیدہ شخص سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے، اور میرا بندا جن جن عبادات کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے وہ عبادت مجھے بہت محبوب ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو میں اسے عطا کر دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دے دیتا ہوں، میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے کرنے میں مجھے کبھی اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کسی مومن کی جان قبض کرتے وقت تردد ہوتا ہے وہ موت کو ناگوار جانتا ہے اور میں اس کی ایذا کو ناگوار جانتا ہوں، حالانکہ وہ (موت) تو اسے ضرور آنی ہے۔''

(رواہ البخاری۔ مشکوۃ المصابیح)

اوصاف بشریت کا لبادہ اتار کر انسان جب اخلاق خداوندی کا جامہ زیب تن کر لیتا ہے تو سنتا انسان ہے مگر سننے کی قوت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے۔ دیکھتا تو بندہ ہے مگر دیکھنے کی قوت اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ پکڑتا بندہ ولی ہے مگر گرفت اللہ رب العزت کی ہوتی ہے، بولتا انسان ہے مگر قوت گویائی اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ چلتا بندہ کامل ہے مگر پاؤں کی قوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ گویا اس حدیث قدسی کی روشنی میں ولایت کا معنی یہ ہے کہ انسان قرب کی منزل طے کرتا ہوا اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پہنچے کہ بندہ اللہ کا ہو جائے اور اللہ بندے کا ہو جائے۔ بندہ اللہ کا ولی ہو جائے اور اللہ اپنے بندے کا ولی بن جائے۔

قُربِ نوافل، قُربِ فرائض اور جمع بین المقرابین

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء'' میں

1۔ قُربِ نوافل 2۔ قُربِ فرائض 3۔ جمع بین المقرابین

انہی قُربِ خداوندی کی تین منازل میں ولی اللہ کے تین مختلف احوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

1۔قربِ نوافل:

قربِ نوافل یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ تمام افعال کا فاعل بندہ ہوتا ہے۔جبکہ اللہ تعالی کا تعلق قرب بطور آلہ اِس عمل و فعل کا ذریعہ ہوتا ہے۔جیسا کہ حدیث قدسی میں سننا، دیکھنا، بولنا، پکڑنا اور چلنا انسان کا فعل ہوتا ہے۔مگر تمام افعال کا محرک اور ذریعہ اللہ رب العزت کی ذات ہوتی ہے۔ "میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے یعنی ذرائع آلہ افعال واعمال خود اللہ تعالی ہوتا ہے۔یہ قربِ نوافل ہے۔اور اِس سے ترقی کر کے انسان قربِ فرائض کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

2۔قربِ فرائض:

تو اَب حالت بدل جاتی ہے کہ یہاں بندہ صرف آلہ رہ جاتا ہے۔فاعل خود اللہ تعالی ہوتا ہے۔اَب انسان یہاں صرف آلہ کار یا ذریعہ رہ جاتا ہے۔مطلب یہ کہ قربِ نوافل میں اللہ رب العزت نے فرمایا۔میں کان بن جاتا ہوں سنتا بندہ ہے۔میں زبان بن جاتا ہوں بولتا بندہ ہے۔مگر قربِ فرائض میں ترتیب بدل جاتی ہے یعنی سنتا میں ہوں کان بندے کے ہوتے ہیں۔بولتا میں ہوں زبان بندے کی ہوتی ہے۔

اِسی طرح رب تعالی کی یہ دوستی انسان کو اللہ تعالی کی بارگاہ کے قریب سے قریب تر کرتی چلی جاتی ہے۔اور اس راہ پر ترقی کرتے کرتے قرب کا تیسرا درجہ مل جاتا ہے۔

3۔جمع بین المقربین:

آخر کار یہ تیسرا درجہ آ جاتا ہے۔جہاں بندہ نہ فاعل رہتا ہے۔نہ آلہ و ذریعہ بلکہ فاعل بھی اللہ رب العزت بن جاتا ہے۔اور آلہ بھی وہ خود ہوتا ہے۔یہاں بندے کا اپنا کچھ بھی نہیں رہتا۔بس بندہ خالی بندہ ہی رہ جاتا ہے۔مگر اس میں ساری قوتیں رب کی کارفرما ہوجاتی ہیں۔گویا جب بندہ مقام محبوبیت کو پالیتا ہے۔اپنے ارادہ وفعل کو اللہ تعالی کے ارادہ وفعل میں گم اور فنا کر دیتا ہے تو اُسے درجہ بین المقربین کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔

یہاں بندے کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔بس بندہ خالی بندہ ہی رہ جاتا ہے مگر اس میں ساری قوتیں رب کی کارفرما ہوجاتی ہیں گویا بندہ مقام محبوبیت کو پالیتا ہے اپنے ارادہ وفعل کو اللہ کے ارادہ وفعل میں گم اور فنا کر دیتا ہے تو یہ تیسرا درجہ جمع بین المقربین کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔اب وجود تو انسان کا ہے مگر اس کی ساری قوتیں معدوم ہوگئیں۔ اس کے ارادے، نیتیں، اور فاعلیت سب کچھ عدم ہوگئے۔اب فاعلیت بھی رب کی ہے، ارادہ بھی اسی کا ہے، نیت بھی اسی کی ہے اور فیصلہ بھی اس کا ہے اَب بندہ ایک قسم کا پتلا ہے۔جدھر رب چلا رہا ہے چل رہا ہے۔بھیج رہا ہے جا رہا ہے۔وہ ہنسا رہا ہے تو ہنس رہا ہے وہ رُلا رہا ہے تو رو رہا ہے۔اس کے ظاہر پر تصرف اللہ رب العزت کا ہے۔یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔اللہ رب العزت نے اپنے حبیب خاتم النبیین ﷺ کی ذات میں یہ تینوں قرب جمع فرما دیئے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (سورۃ انفال، آیت نمبر 17)

ترجمہ: ''اے (رسول خاتم النبیین ﷺ) جس وقت آپ نے مٹھی بھر خاک دشمن پر پھینکی تھی تو آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی''۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے ان تینوں مقامات کا ذکر کیا ہے۔(ومارمیت) اے محبوب خاتم النبیین ﷺ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں یہ قرب خداوندی ہے۔''از رمیت'' جب آپ نے پھینکیں تھیں۔اس میں قربِ نوافل کا بیان ہے (ولکن اللہ رمی) بلکہ وہ تو اللہ نے ماریں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نہ آلہ فعل رہے نہ فاعل رہے بلکہ فاعل بھی رب اور آلہ فعل بھی وہ خود ہوگیا تو قرب کا یہ مقام جمع بین المقربین ہے۔ (سبحان اللہ)

****

لطائف کیا ہیں؟ لطیفہ سے کیا مراد ہے؟

لطائف لطیفہ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے ایسی باتیں جن کا انسانی حواس ادراک نہ کر سکے۔ یہ تصوف کی ایک اصطلاح ہے-لطیف کا مطلب ہے ہلکا- جب انسانی روح جسم میں آتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے کچھ معاون بھی جسم کے اندر ڈال دیے جاتے ہیں جن کو لطائف کہتے ہیں- جس طرح روح نظر نہیں آتی اسی طرح یہ لطائف بھی نظر نہیں آتے - یہی لطائف وسیلہ علم وعقل اور باریابی (رسائی-پہنچ) انوار مولا ہوتے ہیں- باطن میں ان لطائف کے الگ الگ ذکر اور الگ الگ مراتب ہیں-

جسم اور روح کا وزن کیا جائے تو جسم بھاری اور روح لطیف یعنی ہلکی ہوگی۔ ایک مرتے ہوئے انسان کے جسم کا وزن کیا گیا اور نوٹ کر لیا گیا۔ پھر جب وہ مر گیا یعنی روح اس میں سے نکل گئی پھر وزن کیا گیا وزن میں کمی تھی لیکن کم۔۔۔ یہ وزن کی کمی اصل میں روح کا وزن ہے۔ جسم زیادہ وزن رکھتا ہے اس لئے کہ یہ کثیف ہے۔ روح لطیف ہے یعنی بھاری چیز کثیف ہے اور کثیف کی ضد لطیف ہے۔

انسان دس عناصر کا مرکب ہے۔ پانچ کا تعلق جسم سے اور پانچ کا تعلق روح سے ہے۔ جسم کثیف اور روح لطیف ہے۔ جسم روح کے اوپر ایک لباس ہے۔ اس دنیا کو جس میں ہم رہتے ہیں یعنی عالم ناسوت یا عالم اجسام بھی کہتے ہیں۔ اس عالم کو عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے اس عالم میں رہنے کے لئے ہمارا جسم پانچ چیزوں کے مرکب سے مل کر بنا ہوا ہے۔

1- نفس 2- آگ 3- ہوا 4- پانی 5- مٹی

یہ پانچ عناصر جسم کثیف بناتے ہیں۔

اسی طرح روح کے بھی پانچ عناصر ہیں، یہ اس کے اوپر پانچ لباس ہیں۔

1- قلب 2- روح 3- سِر 4- خفی 5- اخفی

ان کو لطائف بھی کہتے ہیں-

ہر لطیفہ سے پہلے ہم لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سِر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی وغیرہ لگاتے ہیں۔ ہر لطیفے کا ذکر الگ ہے۔ جب بھی ہم لطیفہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ذکر کرتے ہیں تو اس وقت ہماری روح ہمارے جسم کے اندر ہی ہوتی ہے۔

جب نفس انسان کے جسم میں آتا ہے تو اپنے ساتھ پانچ بُرائیاں بھی لے کر آتا ہے اور ان لطائف کے ہمسایہ کر دیتا ہے۔

(i) لطیفہ قلب کے ساتھ شہوت

(ii) لطیفہ روح کے ساتھ غصّہ اور غضب

(iii) لطیفہ سر کے ساتھ حرص

(iv) لطیفہ خفی کے ساتھ حسد و بخل

(v) لطیفہ اخفی کے ساتھ تکبر و فخر

یہ برائیاں انسان کے باطنی لشکر کو گمراہ کر کے اپنے کنٹرول میں کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں- جب نفس ناری غذا لے کر قوی ہو جاتا ہے تو برائی کا امر کرتا ہے (حکم دیتا ہے) اِس نفس کو نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

ہماری روح لطیف ہے بے حد لطیف---لیکن ہمارے گناہوں کی وجہ سے یہ کثیف ہو جاتی ہے۔ جب ہم لطائف کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری روح کی دھلائی شروع ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ ہلکی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی اصل تو بہت لطیف ہے۔ جب آئی تھی تو گناہوں سے بالکل پاک تھی اس لیے ہلکی تھی۔ جب روح لطیف ہونا شروع ہوئی تو جسم اس سے محروم نہیں رہتا- اس لئے اگر انسان مراقبہ میں ہے تب تو محسوس ہوگا ہی، لیکن مراقبہ میں نہیں بھی ہوگا تو اس کو اپنا پورا وجود ہی ہلکا محسوس ہوگا۔

اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں جب ہم سوتے ہیں تو خواب میں ہم اڑتے چلے جا رہے ہوتے ہیں اور ہوا میں اپنے آپ کو ہم بہت ہلکا محسوس کرتے ہیں۔ علماء کرام اس خواب کی ہلکی پھلکی روح کو سیرانی روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ نیند کے بعد جسم سے نکل کر مختلف جگہوں پر مثلاً مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی سیر آرام سے کر لیتی ہیں لیکن اس کا تعلق جسم سے برقرار رہتا ہے۔ اگر کسی نے جسم کو ہاتھ لگایا ادھر یہ روح سینکڑوں میل سے واپس اپنے بدن میں آ گئی۔

تو ذکر الٰہی کی وجہ سے ہماری روح اپنی اصلی حالت (لطیف حالت) کی طرف لوٹنے لگتی ہے اور دنیا کے گناہوں کی کثافت اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ جب ہم اذکار لطیفہ کے ذکر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ نفس، لطیفہ سر، لطیفہ خفی۔ تو یہ تمام لطائف ہلکے سے ہلکے ہوتے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ جسم بھی ہلکا ہوتا

رہتا ہے۔

لطائف انسانی جسم میں اعضائے رئیسہ کی طرح ہوتے ہیں اگر اعضائے رئیسہ درست ہوں اور ٹھیک عمل کریں تو پورا جسمانی نظام درست رہتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر ہمیشہ اعضائے رئیسہ کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں۔

پہلا لطیفہ قلب :

راہ سلوک یا راہ تصوف میں پہلا قدم جو باطن کی طرف اٹھاتے ہیں وہ یہ ہے کہ لطیفہ قلب سے سفر کا آغاز کرنا ہے- یہاں قلب سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا نہیں جو ہمارے جسم میں خون کو پمپ کرتا ہے۔ لطیفہ قلب کا پوائنٹ بائیں جانب پاستان سے دوانگلی نیچے بائیں طرف کا ایریا ہے۔ یہ نوری قلب کہلاتا ہے-**یعنی لطیفہ قلب وہ مقام ہے جہاں سے اللہ کا نور ہمارے اندر داخل ہوتا ہے اور اسی کی صفائی سے باطنی پاکیزگی ملتی ہے اور انسان اللہ کی طرف پہلا قدم اٹھاتا ہے۔** یہ مقام دافع شہوت اور دافع غفلت ہے۔ اس کو قلب نوری بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارے جسم کے اوپر پوائنٹ نہیں ہے بلکہ ہماری روح کے اوپر پوائنٹ ہے۔ اس پوائنٹ کو قلب کیوں کہا جاتا ہے؟ اس لیے کہ جو ہمارے جسم میں خون کا لوتھڑا ہے یعنی جو خون کو پمپ کرتا ہے یہ پوائنٹ اس کے بالکل قریب ہے۔ اور اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کو لطیفہ قلب یا قلب نوری کا نام دیتے ہیں۔ قلب نوری پر جب نور و تجلیات کا ظہور ہوتا ہے تو عام قلب (جو خون بنا رہا ہوتا ہے) پر بھی اس نور کا اثر ہوتا ہے۔ اور پھر وہ نوری خون جسم کے تمام حصوں میں جا رہا ہوتا ہے۔ لطیفہ قلب کا عالم ملکوت ہے-

یعنی پہلا لطیفہ قلب ہے اس لئے سب سے پہلے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ جسم انسانی میں میل کی تہیں جم جائیں تو مسام بند ہو جاتے ہیں اور جسم بیمار ہو جاتا ہے۔ گندے ماحول ، ناقص تعلیم ، غلط تربیت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے کرتے دل پر بھی میل کی تہہ جم جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی نشاندہی فرمائی ہے یعنی: (سورۃ المطففین ،آیت نمبر 14) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

ترجمہ : " اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے" ۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "ہر چیز کو چمکانے کیلئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے لیکن دلوں کو ذکر الٰہی سے ہی چمکایا جا سکتا ہے۔"

روح کو قرب الٰہی کی طرف بڑھانا ، اعمال صالح کا کام ہے اور لطیفہ قلب کے راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں اعمال صالح کی رغبت اور فکر پیدا ہو جائے اور توجہ اللہ کی طرف لگی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک سورۃ الشعراء، آیت نمبر 89-87 میں فرمایا:

ترجمہ ":اور جس دن سب زندہ ہو کر آئیں گے۔ جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ ہاں جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا"۔

قلب سلیم اس دل کو کہتے ہیں جو بیمار نہ ہو۔ دل کی سب سے بڑی بیماری کفر و شرک ہے۔ اس بیماری کے ہوتے ہوئے نجات ممکن نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کے بارے میں فرمایا :(سورۃ البقرۃ،آیت نمبر 10) فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَض ترجمہ:"ان کے دل میں بیماری ہے" -

ظاہر ہے کہ یہ بیماری کفر اور شرک ہے۔ مگر دل کی چھوٹی چھوٹی بیماریاں بے شمار ہیں۔ کسی بیماری سے دل پر میل آ جاتا ہے۔ کسی بیماری سے دل بسمل ہو جاتا ہے۔ کسی بیماری سے دل پھر جاتا ہے۔ ان تمام بیماریوں سے نجات پانے کے لئے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ذکر الٰہی تجویز فرمایا ہے۔ لطائف کے سلسلے میں ایک بات پڑھنے اور سننے میں آتی ہے مثلاً جب لطیفہ قلب کروایا جاتا ہے تو کہتے ہیں " زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام "۔

اہل فن اس کا مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ اس لطیفہ میں یعنی لطیفہ قلب میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض بلواسطہ حضرت آدمؑ سے پہنچتا ہے۔ اصل فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ہی ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ہی پوری کائنات کے لئے شمس تاباں اور سراج منیر ہیں۔ تمام انبیاء کرام سے ان کی امتوں کو جو فیض پہنچا ، وہ اصل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہی کا فیض تھا۔ اپنے اپنے دور میں انبیاء اکرام آئے اور اس فیض کو پہنچانے کے لئے واسطے کا کام انجام دیا۔ تمام انبیاء اپنے اپنے دور میں خیر البشر تھے اور انسان کامل بھی ہیں مگر کوئی ایک بات خصوصیت سے ان سب کی سیرت مبارکہ میں ممتاز نظر آئی ہے۔ اسے ان کی خصوصیت کہیں یا ممتاز پہلو کہیں۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے۔

تو زیر قدم حضرت آدمؑ سے مراد حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیض کا وہ پہلو جو حضرت آدمؑ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ سالک کو اس سے حصہ ملتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی سیرت طیبہ میں ایک چیز سامنے آتی ہے کہ آپؑ سے ایک لغزش ہوگئی " فازلھما الشیطان عنھا "(پس شیطان نے انہیں بہکا دیا) مگر اس کے بعد آپ علیہ السلام کو ندامت ہوئی اور آپ علیہ السلام نے اپنے رب سے معافی مانگتے ہوئے عرض کیا " ربنا ظلمنا انفسنا "(اے ہمارے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا

) گویا انسانیت کا یہ خاصہ ہے کہ ٹھوکر لگ جائے تو نادم ہو کر معافی مانگے دوسری طرف ابلیس سے نافرمانی کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگا " انا خیر منہ "(میں اس سے بہتر ہوں) گویا گناہ پر اصرار کرنے لگا اور اکڑنے لگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ پر اصرار کرنا اور اترانا سراسر شیطانیت ہے۔ لطیفہ قلب کے منور ہونے کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ انسان خطا کا پتلہ ہے جب ٹھوکر کھائے تو فوراً نادم ہو کر توبہ کرے اور رب سے گڑگڑا کر معافی مانگے۔ اور لطیفہ قلب کے ذکر سے جو نور بنتا ہے اسکی شان یہ ہے کہ انسان جب ڈگمگانے لگے تو پہلے یہ نور اس کو غلطی سے آگاہ کر دیتا ہے۔ اور اگر لغزش ہو جائے تو استغفار پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لئے سالک کو ہمیشہ اپنی عملی زندگی کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔

ذکر: یہاں پر ذکر خفی "اللہ ھو" کرنا ہے۔ ناف کے نیچے سے سانس کو اٹھانا ہے اور ماتھے کے مقام پر ذکر کرتے ہوئے لے کر جانا ہے۔ پھر اس کی ضرب کو سینے کے اوپر کھینچنا ہے اور زبان سے بلکہ سوچ کے ساتھ کہنا ہے "اللہ" اور "ھو" کی ضرب کو اس جگہ ہٹ کرنا ہے (لطیفہ قلب کے اوپر ضرب لگانی ہے)۔ یہ یاد رہے کہ اللہ ہی ہمارا مقصد ہے اور اس کی رضا ہمیں مطلوب ہے اس طرح کرنے سے ہمارے اندر کی بیماریاں ختم ہو جائیں گی، ہماری روح پاک ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے لگے گی اور ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہو جائے گی۔

دوسرا لطیفہ روح:

لطیفہ روح کا مقام: لطیفہ روح قلب کی مخالفت میں پستان سے دو انگلیاں نیچے اور انتہائی دائیں طرف واقع ہے۔ نفس نے روح کے ساتھ جو بیماریاں لگائیں ہیں وہ غصہ اور غضب ہیں۔ باقاعدگی کے ذکر سے سالک کی طبیعت میں اعتدال اور سکون آجاتا ہے اور غصہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، بے سکونی کے معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہے لیکن روشنی اور رنگ نظر آنا ضروری نہیں ہے۔ لطیفہ روح کا عالم جبروت ہے۔

ذکر: اس کا ذکر اس طرح کرنا ہے کہ ناف سے لفظ "اللہ" کو اٹھانا ہے سانس اندر لیتے ہوئے لفظ "اللہ" کو پڑھنا ہے اور سانس باہر نکالتے ہوئے "ھو" کو ادا کرنا ہے اور روح کے مقام پر "ھو" کی ضرب لگانی ہے۔

اگر کوئی شخص پوچھتا ہے کہ آپ جو لطائف کے یہ معاملات بتا رہے ہیں یہ کہاں سے ثابت ہیں؟ تو ابن ماجہ کی حدیث مبارکہ ہے:

ترجمہ: "پھر سرور عالم حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ نے ابومحذورہ ؓ کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا ہاتھ ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے۔ پھر جگر پر لے گئے۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کا ہاتھ مبارک ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے"۔ (ابن ماجہ، باب ترجیح الاذان، صفحہ نمبر 52)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ماتھے سے شروع کیا اور ناف تک ہاتھ پھیرا۔ یہ مقام نفس ہے۔۔۔ نفس امارہ۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ مبارک کا لمس جب نفس امارہ پر گیا ہوگا تو وہ نفس، نفس مطمئنہ سے بھی آگے نفس راضیہ بلکہ نفس مرضیہ تک پہنچ گیا ہوگا۔

لیکن آج کے دور میں ان معاملات کو پانے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقے کار سے ذکر کے ذریعے اپنی ذات کے اندر تزکیہ کے معاملات طے کرنے ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ جو شخص بھی اللہ کی طرف سفر کی کوشش کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔

عالم جبروت کے اندر روح کا مقام ہے۔ عالم جبروت کے اندر بڑی خاص الخاص ارواح ہوتی ہیں۔ ان کو جبروت میں اس لیے رکھا جاتا ہے کہ ان روحوں کے اللہ کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں۔

لطیفہ روح کی تربیت کے وقت اہل فن کہتے ہیں۔ زیر قدم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام یعنی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض ان دو الوالعزم پیغمبروں حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے توسط سے سالک کو پہنچ رہا ہے۔ ان حضرات کی سیرت میں چند خصوصی پہلو نظر آتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی قوم کو دین حق کی دعوت دی نہ اکتائے ، نہ دعوت کا کام بند کیا۔ بس یہ کہا کہ الٰہی میں جتنا ان کو تیری طرف بلاتا ہوں یہ اتنا ہی دور بھاگتے ہیں۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ "باری تعالیٰ زمین پر ان ظالموں کا نام و نشان نہ رہنے دے یہ جب تک رہیں گے بغاوت پھیلائیں گے۔ اور سانپ ہمیشہ سنپولیے ہی پیدا کریں گے"۔ اس سے سالک کو دو امور کی راہنمائی ملتی ہے۔

1۔ دعوت دین کی راہ میں ہر مشکل برداشت کرے یعنی نتیجہ سے بے نیاز ہو کر دعوت الی اللہ کا کام کرتا چلا جائے ، نتیجہ خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

2۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کے سالک کو یہ دیکھ کہ حضرت نوحؑ نے آخیر تنگ آکر باغیوں اور نافرمانوں کو تباہ کر دینے کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کر ہی دی یہ سوچنا

چاہیے کہ یہ معاملہ ایک اولوالعزم پیغمبر کا ہے۔ جسے رب تعالیٰ سے براہ راست حقائق منکشف ہوتے ہیں۔یعنی نبی خود نہیں کہتا اس سے کہلوایا جاتا ہے۔اور یہ منصب کسی غیر نبی کو حاصل نہیں۔ہمیں تو بس دعوت کے ساتھ ساتھ خواہ کتنی ہی مشکلات آئیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

3۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعوت کا کام شروع کیا۔گھر سے مخالفت ہوئی ، باپ مخالف، برادری مخالف، قوم مخالف، مگر اس قدر مخالفت کے باوجود حضرت ابراہیمؑ میں ان سب کے لئے خیر خواہی کا جذبہ موجود رہا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کا تصور بھی انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔باپ کو چھوڑا، رشتہ داروں کو چھوڑا، گھر بار چھوڑا، مگر امتحان کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔بڑھاپے میں بیٹا عطا ہوا۔بچہ اور بیوی کو سنگلاخ زمین میں چھوڑا تو بعد میں اس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔لطیفہ روح کے راسخ ہونے اور منور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عملی زندگی میں اس کی سیرت اور کردار سے یہ ظاہر ہو کہ واقعی یہ شخص ان دو اولوالعزم پیغمبروں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس میں دعوت دین کا جذبہ موجود ہے۔اس کے پیش نظر ہر وقت سیرت نوح علیہ السلام اور اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام مشعل راہ ہو اور نگاہ ہر حالت میں مسبب الاسباب پر رہے۔

تیسرا لطیفہ سر:

لطیفہ قلب اور لطیفہ روح کے بعد لطیفہ سر ہے۔

لطیفہ قلب کا عالم ملکوت ہے۔اور لطیفہ روح کا عالم جبروت ہے۔اس کے بعد لطیفہ سر ہے۔ سر کہتے ہیں پوشیدہ راز کو۔اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات بندے کے ساتھ پوشیدگی کے معاملات شروع کر دے گی۔

لطیفہ سر لطیفہ قلب سے دو انگلیاں دائیں سائیڈ پر ہے۔اس کا تعلق عالم لاہوت سے ہے۔

عالم لاہوت میں اللہ تعالیٰ اپنے راز کھولتا ہے اور اپنی طرف سے اعتبار کا اظہار کرتا ہے۔اس مقام پر منفی لالچ وحرص بدل کر مثبت میں تبدیل ہو جائے گی۔اور وہ یہ کہ یہ لالچ پیدا ہو جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اللہ کی طرف لے کر آئیں ۔ایسے بندے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں گھبراتے۔اس کے بعد ان پر کشف القبور کھل جائے گا یعنی کسی قبر پر جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یہاں پر کوئی اللہ کا ولی دفن ہے۔

یہ بہت رونے دھونے والے، اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ خاص الخاص لوگ ہوتے ہیں۔عقل مخلوق ہے اور مخلوق کے پیمانے میں اللہ کی شان نہیں آسکتی۔جو عقل والے ہیں وہ کچھ ٹائم ٹھہرتے ہیں اور پھر بے بس لوٹ آتے ہیں۔یہ منزل خاص الخاص لوگوں کی ہے۔ یہ منزل صرف دیوانوں (عشاق) کی منزل ہے۔

ذکر: اس لطیفے میں " ھو " کی ضرب لطیفہ سر پر لگانی ہے۔ اس لطیفہ کی تربیت کے وقت کہا جاتا ہے زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔یعنی یہاں پر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کا فیض بالواسطہ حضرت موسیٰؑ پہنچتا ہے۔حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں چند باتیں نمایاں ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت کے بدترین شخص کے پاس دعوت حق کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا اور حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے سرکش سے بھی بات نرمی سے کرنے کو کہا گیا۔اور فرعون نے جب اپنے احسانات بتائے تو حضرت موسیٰؑ نے ہر بات اور ہر احسان کو مانا۔لیکن نہ مشتعل ہوئے نہ غرور میں آئے بلکہ حکم الٰہی کے مطابق بات انتہائی نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی پھر بھی وہ سرکش نہ مانا۔حضرت موسیٰؑ جب اپنی قوم کو لے کر نکلے ، دریا پر عصا مارا ، پوری قوم نکل گئی اور فرعون اور اس کا لشکر جو پیچھے آرہا تھا۔وہ پورا کا پورا اس پانی میں غرق ہو گیا۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم نے اس کے بعد بچھڑا بنایا۔جب آپ کوہ طور پر کتاب لینے گئے۔اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بے حد نوازا۔ ابر (بادل) ان کے اوپر رکھا۔بارہ چشمے جنگل میں جاری کئے۔من وسلوا اُن کے لئے اتارا لیکن ان کی قوم نے ہمیشہ ہی سرکشی اور نافرمانی کی۔حضرت موسیٰؑ کو ہمیشہ یعنی ہر جگہ اپنی قوم سے دکھ ہی اٹھانے پڑے۔ان سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ سالک کو اپنے ساتھیوں کی طرف سے جس قسم کے واقعات پیش آئیں۔ثابت قدم رہنا ہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے۔دعوت تبلیغ کا کام مشکل بھی ہے اور نازک بھی۔دین کی سمجھ عطا کرنا۔اس کی رحمت ہے اور دین کی راہ پر چلنا اس کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے۔

چوتھا لطیفہ خفی:

جس کا لطیفہ خفی ہے اس کا عالم ہاہوت ہے۔یہ چوتھا لطیفہ ہے جو کہ انسان کی روح کے اوپر کا معاملہ ہے۔جہاں سے اللہ کا نور انسان کی روح کے معاملات کو کھولتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی قربتوں کی طرف سفر کرتا ہے۔

لطیفہ خفی کا مقام لطیفہ سر کے مقام کے بالکل سامنے ہماری دائیں طرف ہے۔
اس لطیفے کے ساتھ جو وابستہ بیماریاں ہیں وہ حسد، کینہ، بغض اور خَبِیّت (ناامیدی، یاس، مایوسی) کے معاملات کھلتے ہیں۔یعنی فکر کے معاملات اس پر کھل جاتے ہیں اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے-(فنائیت کا سفر طے کرتے ہوئے جب اللہ تعالی کے معاملات کھلتے ہیں اور سالک اس موقع پر عجیب قسم کی باتیں کرتا ہے اس کو خَبِیّت کا نام دیا جاتا ہے-)

ذکر: سانس کو اندر لیتے وقت لفظ "اللہ" کہنا ہے اور سانس باہر نکالتے وقت "ھو" کی ضرب مقام لطیفہ خفی پر لگانی ہے-اس طرح کرنے سے تمام بیماریاں ختم ہو جائیں گی-

یہاں سالک مرشد کی نگاہ اور فیض سے سارے معاملات طے کرے گا-مرشد سے محبت اور مرشد کا ادب بہت ضروری ہے، اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوگا-مرشد کے علاوہ کسی کی طرف جھکاؤ حجاب بن جاتا ہے-یہ قربت الٰہی کا سفر ہے اور ایک اچھا انسان ہی قربت الٰہی کا سفر درست طریقے سے طے کرتا ہے-جب لطیفہ خفی درست طریقے سے طے ہوجاتا ہے تو حسد، کینہ، بغض اور خبیت دور ہوجاتی ہے-
شریعت پر عمل پیرا لوگوں کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا دیدار نصیب ہوجاتا ہے-
یہ چیز یاد رکھی جائے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ایک کچہری نہیں ہے-آپ خاتم النبیین ﷺ رحمت اللعالمین ہیں---تمام عالمین کے لئے رحمت-ہر ایک عالم پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا عجیب وغریب معاملہ سالک پر کھلتا ہے-جتنا اوپر جاتے جائیں گے اتنا قرب ملتا جائے گا-یہاں سالک چاہتا ہے کہ انتہائی قرب ملے-حضوری بھی مختلف طریقے کی ہے مثلاً عارف ہے، معارف ہے، عاشق ہے، پھر محبوب ہے-سالک پر بہت ہی اعلی معاملات کھلتے ہیں-جو محبوب ہوتے ہیں ان کا معاملہ اور ہوتا ہے اور جو عاشق ہوتے ہیں ان کا معاملہ الگ ہوتا ہے-سالک پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے-یہ فنا در فنا کی کیفیات ہیں-اکثر اوقات لوح محفوظ پر تقدیر کے معاملات تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے-
اس لطیفہ کی تعلیم کے وقت کہا جاتا ہے۔" زیر قدم حضرت عیسیٰؑ "
جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس لطیفے کی تربیت کے دوران حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض بواسطہ حضرت عیسیٰؑ پہنچتا ہے۔حضرت عیسیٰؑ اپنی بعثت کے بعد مختصر عرصے کے لئے قوم کے درمیان رہے۔اس عرصے میں آپ کو دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا :

1۔ دشمن اور مخالف   2۔ عقیدت مند اور اتباع و محبت کا دعویٰ کرنے والے

سب سے پہلے تو دشمنوں نے آپ علیہ سلام کی والدہ کو ستم کا نشانہ بنایا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو پنگھوڑے میں گویائی دی اور آپ علیہ السلام نے ہر ایک کا جواب دیا۔
دشمن اس وقت تو خاموش ہو گئے لیکن بڑے ہو کر جب آپ علیہ السلام نے دین حق کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو حکومت وقت حرکت میں آ گئی۔ آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ لوگوں نے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو ناکام کیا اور آپ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو بڑے بڑے معجزے دیئے تھے مثلاً کوڑی کو شفاء دینا، برص کوڑھی والے کو شفا دینا، مردے کو زندہ کرنا، مٹی کا پرندہ بنانا اور اس میں پھونک مار کر اڑا دینا ، ان تمام معجزوں کو دیکھنے کے بعد بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے دل نہ پسیجے اور بہت کم لوگوں نے آپ علیہ السلام کی شریعت کو قبول کیا جنہیں حواری کہا جاتا ہے۔سالک کو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی عاجزی اور انکساری سکھائی جارہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا ہے۔تکبر اور انانیت گمراہی ہے اس لئے ہر حال میں اس سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

پانچواں لطیفہ اخفی :

لطیفہ اخفی کا تعلق حضرت محمد مصطفی خاتم النبیین ﷺ کے نور محمدی سے ہے۔اللہ تعالی نے اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال کی تجلیات کا فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کو عنایت فرمایا اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کے لطائف مبارک سے یہ فیض مختلف انبیاء کرام علیہ السلام تک پہنچا-ذات، صفات اور افعال کا یہ فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے انبیاء کرام علیہ السلام کو پہنچا ہے جو اللہ کی ذات کا فیض ہے-اللہ کی ذات کا فیض صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات ہی کو ملا ہے۔اس لیے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو جو ان صفات اور افعال کا فیض ملا ہے وہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے سینہ مبارک سے ہوتا ہوا ملا ہے-یہ سارا فیض اصل میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا فیض ہے۔پھر اس فیض میں سے چار حصے انبیاء کرام علیہ السلام کو مل گئے اور ایک حصہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو یعنی ٹوٹل پانچ حصوں میں یہ فیض تقسیم ہوگیا۔ہر نبی کو جو

فیض ملا اس کا آدھا حصہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ تک پہنچا۔ یعنی جو لطائف سے حصہ ملا آدھا حصہ حضرت آدم علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت نوح علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، آدھا حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور پھر آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کو وہ ذات کا فیض حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔

اس لطیفے کا فیض سالک کے باطن میں براہ راست حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ سے آتا ہے۔ اِسے تصوف وسلوک کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ! زیرِ قدم حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ! اس لطیفے کے راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک میں اتباع سُنت کی استعداد، جذبہ اور شوق بیدار ہونے لگتا ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا تاہم آپ خاتم النبیین ﷺ کے چند اوصاف اِس قدر نکھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان کا اعلان بھی فرما دیا۔

"یعنی آپ خاتم النبیین ﷺ کو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے" سورۃ الانبیا آیت نمبر 101

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد تمام ظلمات کو ختم کیا۔ اسلام سے پہلے ہر قوم میں انسان بنی نوع کے حق میں درندہ بن چکا تھا۔ کہیں زبان وجہ منافرت تھی تو کہیں جغرافیائی حدود نے انسان کو برسرِ پیکار کر رکھا تھا اور کہیں رنگ ونسل نے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہ تمام امتیازات ختم کیے اور اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانیت کو ایک عالمگیر اصول دے دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "کہ تم میں سے معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" سورۃ الحجرات آیت نمبر 13

آپ خاتم النبیین ﷺ سراپا رحمت تھے۔ آپ نے اپنے ساتھ کی گئی برائی کا کبھی بدلہ نہیں لیا، دشمنوں کو ہمیشہ معاف کیا۔ اس لطیفے کے راسخ ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک کی طبیعت میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی رحمت اللعالمینی کی جھلک آنے لگے۔ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے، وہ روٹھے ہوؤں کو منائے، وہ گرتوں کو سہارا دے، وہ گُم کردہ راہ لوگوں کو راہ دکھائے (یعنی ہدایت دکھائے) وہ تباہ ہونے والوں کو تباہی سے بچائے، وہ بگڑے ہوؤں کو سنوارے اور اُس کی ہر ادا زبان حال سے کہہ رہی ہو۔

هم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے
کیا یہ ممکن ہے ساقی نہ رہے جام رہے؟

اتباع سنت کا دامن کسی صورت بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اِس سلسلے میں **یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ترکِ سُنت اور خلافِ سُنت میں فرق ہے۔**
ترکِ سُنت کی وجہ غفلت بھی ہوسکتی ہے اور نادانی اور جہالت بھی یہ حالتیں نسبتاً کم نقصان دہ ہیں لیکن خلاف سُنت سالک کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ سالک کے اندر اتباع سُنت امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور مخلوق کی بھلائی اور بہتری کا جذبہ روز بروز ترقی کرتا چلا جائے۔ سالک کا وجود مجسم تبلیغ ہو۔ سالک کے شب وروز سے ظاہر ہو کہ اس کے ہر عمل پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کا اثر چھایا ہوا ہے۔ اس لیئے سالک کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنائے رکھے۔

لطیفہ اخفی کا جو معاملہ ہے وہ عُجب اور تکبر سے ہے۔ اس کا مقام وسط سینہ ہے۔

لطیفہ اخفی کی بیماریاں: لطیفہ اخفی میں، عُجب (تکبر)، فخر اور اپنی ذات کا اونچا پن ہونا۔

لطیفہ اخفی کو طے کرنے سے عجز وانکساری پیدا ہوتی ہے، جس طرح مٹی بیٹھ جاتی ہے مٹی پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا (اسی طرح لطیفہ اخفی طے کرنے والوں پر بھی کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا)۔

اس کا تعلق آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے ہے اور جب آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے فیضان ملتا ہے تو یہ سارے معاملات بڑے اچھے انداز میں طے ہوتے ہیں۔

جب سالک لطیفہ قلب طے کرتا ہے تو شہوت سے نکل جاتا ہے--- جب لطیفہ روح طے کرتا ہے تو غصے سے نکل جاتا ہے--- جب لطیفہ سِر طے کرتا ہے تو اس کے اندر لالچ نہیں رہتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگتا ہے--- جب لطیفہ خفی طے ہو جاتا ہے تو اسے لوگوں سے حسد بھی نہیں رہتا---

اور جب وہ لطیفہ اخفی طے کرتا ہے تو وہ عُجب میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت اس کے دماغ میں یہ بات آسکتی ہے کہ میری ذات قرب والی ہے اور اس کے اندر ہی اندر یہ چیز پیدا ہونے لگتی ہے میں کسی کو غصہ نہیں کرتا تو اس کو عجز ونیاز کا تکبر ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو اپنی نیکیوں پر تکبر ہو جاتا ہے اور اپنے اندر ایک نیا بُت بنا لیتا ہے کہ میں

اللہ کے قریب ہوں میں قرب والا ہوں۔ میں بہت نیک ہوں-اس تکبر کے اندر یہ ساری چیزیں کرنے کا فائدہ نہیں رہتا کیونکہ اس کو نفس نے پھر پھنسا لیا ہے-اب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے فیض ہی سے ممکن ہے کہ اس کے اندر سے وہ معاملہ نکلے۔اگر اس کا لطیفہ اخفی صحیح طرح سے طے ہوجاتا ہے پھر اس کے اندر عجز کا تکبر ختم ہوجاتا ہے-

1- لطیفہ قلب طے کیا--نفس نکلا (شہوت گئی) 2- لطیفہ روح طے کیا--آب نکلا (غصہ گیا)

3- لطیفہ سر طے کیا--آگ نکلی (لالچ گیا) 4- لطیفہ خفی طے کیا--ہوا نکلی (حسد گیا)

5- لطیفہ اخفی طے کیا--مٹی نکلی (تکبر، عُجب، انا گئی)

اب اس سے نفس کا لباس اتر گیا ہے-اس کی entry عالم ملکوت میں ہوجائے گی- پھر روح پر پہنچ کر عالم جبروت میں، عالم لاہوت میں، عالم ہاہوت میں ہوجائے گی--- پھر اس کی رسائی نور محمد خاتم النبیین ﷺ تک ہوگئی۔اب وہ اللہ کے قرب میں ہوگا۔اب وہ فنائیت کے قریب ہے اور اس کی ذات فنا ہوجائے گی اور اب اس کے جسم کا ہر حصہ ذاکر ہوجائے گا-اب اس کے اندر سے "ھو" "ھو" کی صدائیں آنے لگیں گی یعنی بازو میں، کبھی سینے میں، بغیر کبھی کسی طرف ضربیں لگائے آوازیں آئیں گی- اس کو اپنی ذات کچھ بھی نہیں لگے گی- نیکی اور عجز و انکساری کے باوجود وہ اپنے آپ کو سب سے برا تصور کرے گا اور باقی سب کو اچھا سمجھے گا- یہاں اس کی کامل "لا" (نفی) ہوجائے گی، وہ اپنی ذات، اپنی صفات اور اپنے افعال سے نکل کر اللہ کی ذات، اللہ کی صفات اور اللہ کے افعال میں فنا ہوجائے گا-اپنی ذات کو چھوڑ دے گا یعنی اپنی ذات کو بھول جائے گا-اس لئے اصل مقصد لطیفہ اخفی کا طے ہوجانا ہے۔

ذکر: لفظ "اللہ" کو ناف سے لے کر ماتھے تک اٹھانا ہے، ناک سے سانس لینا ہے اور "ھو" کی ضرب لطیفہ اخفی پر لگانی ہے-اب اس کی ضرب خود بخود نفس، قلب، روح، سر اور خفی پر محسوس ہوگی اور "ھو" کی آواز خود بخود آنے لگے گی-

لطیفہ اخفی پر ضرب لگاتے ہی باقی لطائف بھی ایکٹیو (active) ہوجاتے ہیں-ان کا فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کے نور محمدی سے ملتا ہے جو کامل فیض ہے اس طرح اگر یہ لطیفہ اخفی صحیح طے کرلیا تو اسے اپنی منزل مل جائے گی-یعنی اصل مقصدیت حاصل ہوجائے گی-اصل مقصد منزل کا مل جانا ہے-

لطائف میں ذکرِ الٰہی یا تو اسم ذات کا کرایا جاتا ہے یعنی "اللہ"-"اللہ" یا نفی اثبات کا یعنی "لا الٰہ الا اللہ"-پھر نفی اثبات کے ذکر کے چار درجے رکھے گئے ہیں یعنی ناسوتی "لا الٰہ الا اللہ"، ملکوتی "الا اللہ" اور لاہوتی "اللہ ھُو"-ذکر جہر صرف مبتدی کے لیے ہوتا ہے بعد میں سب سلسلوں میں ذکر خفی ہی ہوتا ہے۔

سب لطائف جاری ہوگئے تو گویا روح میں قوت پیدا ہوگئی کہ ایک طرف جسم کے اعمال کو صحیح سمت میں لگادے۔دوسرا اس میں قوت پرواز پیدا ہوگئی کہ اپنے وطن اصل کی طرف سرگرم سفر ہوسکے۔اپنی ساری کوشش قلب کو منور کرنے میں صرف کردینی چاہیے کیونکہ قلب ہی کا عکس باقی تمام لطائف پر ہوتا ہے۔

ان تمام چیزوں کا اصل مقصد انسان کو صحیح معنوں میں بندہ یعنی عملی انسان بنادینا ہے تاکہ وہ اللہ کا بندہ اور مخلوق کا خادم بن کر اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر زندگی کے دن گزارے۔

جب سالک کا کوئی لطیفہ منور ہوجاتا ہے تو اِس کی روح میں یہ قوت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لے اور اِسی لطیفے کی خصوصیت کا رنگ اس کی عملی زندگی میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔لطائف کا منور ہونا دو پہلوؤں سے سالک کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ایک تو اس کی ذاتی تربیت ہونے لگتی ہے دوسرے وہ فیلڈ ورک (تبلیغ) کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔اسی طرح وہ ان باتوں کے بعد اپنی استعداد کے مطابق ماحول کو متاثر کرتا اور خداشناس معاشرہ کی تعمیر میں کوشاں ہوتا ہے۔کیونکہ باطن میں جب انوار جاگزیں ہوتے ہیں تو اعضاء اس کی شہادت دیتے ہیں اس طرح سلوک کی بنیاد یہ لطائف ہی ہیں۔

حضرت رامپوریؒ فرماتے ہیں " ان لطائف کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قلب حرکت کرنے لگتا ہے یا انوار نظر آنے لگتے ہیں بلکہ قلب کا جاری ہونا یہ ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکل جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہنے لگے۔جب یہ بات ہوجائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ کام بن گیا ہے"۔

مختصر یہ کہ

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بہت طویل ہے-اس کے آخیر تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے-کوشش اور مجاہدے ہی سے انسان اس طویل راستے کو طے کرسکتا ہے-ہر ایک کے لئے اس راستے کو طے کرنا ممکن بھی نہیں ہے-بس ضروری یہ ہے کہ---جب ہمیں موت آئے تو ہم اس راستے پر گامزن ہوں-

****

سلوک میں لطائف کے بعد مراقبہ

لطائف کے بعد مراقبات کی تربیت کی جاتی ہے اور مراقبات ثلاثہ یکے بعد دیگرے کئے جاتے ہیں

مراقبہ:- مراقبے کے لفظی معنی انتظار، نگہبانی اور حفاظت کے ہیں یعنی سالک پورے حضور قلب سے اس بات کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ، رحمت ، فیض اور انوار اس کے قلب میں جاگزیں ہونے لگیں۔ اس کے لئے پوری توجہ اور یکسوئی ہونا ضروری ہے تا کہ اس کا قلب منبع ہدایت اپنی ذات کے لئے اور دوسروں کے لئے بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کا وجود اور اس کی ذات مخلوق کے لئے رحمت بن جائے۔ اور توفیق الٰہی سے فیض یزدانی اور انوار رحمانی اس کے ظاہر اور باطن کو سنوار دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اس کی نگہبانی اور حفاظت ہونے لگتی ہے۔ نگہبانی اس بات کی کہ کوئی جذبہ اور خیال اس کی توجہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہٹا سکے۔ اور حفاظت اس دولت کی جو لطائف کی صورت میں حاصل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیاطین جن وانس سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ مراقبہ کی اصطلاح کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد ہم اپنے پہلے سبق میں

(1)۔ مراقبہ احدیث:- اس مراقبہ کے وقت اور اس کے دوران زبانِ قلب اور زبانِ ظاہر سے چند الفاظ کہے جاتے ہیں۔ پہلا ہے ''فیض اللہ'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض آنے کے انتظار میں بیٹھ گیا ہوں۔ اجمالی طور پر اس مراقبے کے راسخ ہونے کا اثر سالک کے اعمال پر یہ ہونا چاہیے

اَنْتَ مَقْصُودِیْ وَرِضَاکَ مَطْلُوبِیْ ، لَا مَقْصُوْدِیْ اِلَّا اللّٰہ ، نَافِعْ اِلَّا اللّٰہ

(2)۔ مراقبہ معیت:- یہ مراقبات میں دوسرا سبق ہے اس مراقبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض کے انتظار میں یہ الفاظ منہ سے اور دل سے ادا کرتے ہیں۔

اللہ حاضری ، اللہ ناصری ، اللہ ناظری ، اللہ حاضری ، اللہ معی

(3)۔ مراقبہ اقرابیت:- یہ تیسرا مراقبہ ہے۔ اس مراقبے کے دوران یہ وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورۃ ق۔ آیت نمبر 6)

قُرب کے مختلف درجات ہیں۔ ایک قُرب حقیقی اور ایک قُرب مجازی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت شعار بندوں کے اتنا قریب ہے کہ ان کی شہ رگ بھی اتنی قریب نہیں۔ ایک ہوتا ہے قرب اور ایک ہوتا ہے اقرب۔

قرب تو یہ ہے کہ ٹکٹ کو لفافے پر چپکا دیا۔ تو ٹکٹ کو لفافے کا قرب حاصل ہو گیا اور اقرب ایک اور چیز ہے۔ یعنی ٹکٹ اور لفافے کے درمیان ایک اور چیز بھی ہے اور وہ ہے گوند تو وہ گوند لفافے کے لئے اقرب ہے۔ تو اس مراقبے میں پہلے سالک قرب حاصل کرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اقرب کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ مراقبات ثلاثہ ختم ہوئے۔

مراقبات ثلاثہ کے بعد دوائرِ محبت آتے ہیں۔ دائرے کا لفظ آتے ہی ذہن مرکز کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کیونکہ مرکز سے دائرہ تشکیل پاتا ہے۔ دائرے کا محیط خواہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو لامحالہ مرکز کے گرد ہی گھومتا ہے۔ گویا مرکز اور دائرہ لازم وملزوم ہیں۔ دائرہ محبت اول میں وظیفہ

یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (سورہ المائدہ، آیت نمبر 54)

اس وظیفہ کے الفاظ کی ترتیب میں ایک نقطہ ہے کہ ایک طرف سے ابتدا ہو رہی ہے اور دوسری طرف سے ردِعمل۔ یعنی ابتدا ہی نہ ہو تو ردِعمل کیوں کر ہو گا۔ یُحِبُّھُمْ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء اُدھر سے ہوتی ہے یعنی وہ بلاتے ہیں تو کوئی آتا ہے۔ وہ پٹ کھولتے ہیں تو داخلہ ملتا ہے۔ اُدھر سے کشش نہ ہو تو ادھر سے حرکت کیسی ہو؟ یعنی یہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اصول یہ ہے کہ ادھر سے بلاوا تو آتا ہے مگر بڑھنے کے لئے ادھر سے ارادہ بھی تو پیدا ہو۔ قدم تو حرکت میں آئیں یعنی یُحِبُّوْنَہٗ کا ردِعمل اس طبقے کی طرف سے ہوتا ہے جو ہدایت کی بارش کا ہر قطرہ سمیٹنے کے لئے اپنے قلب کا رخ سیدھا کر کے عرصہ حیات میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس دائرے کی تربیت کے دوران سالک کے لطیفہ نفس کے سامنے ایک نورانی دائرہ محسوس ہوتا ہے۔ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ خواہش کرنا نفس کی خاصیت ہے۔ ہر خواہش مرغوب اور محبوب تو ہوتی ہے مگر خواہش کا کوئی خاص امتیازی مرکز بن جائے تو انسانی کوشش اس کے گرد گھومتی ہے۔ اس سبق میں سالک کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہم نفس کو اس کی خاصیت سے محروم نہیں کر سکتے (خواہش کرنے سے) ہاں البتہ اتنا کر سکتے ہیں کہ اس خواہش کا مرکز ''فانی'' سے بدل کر ''باقی'' بن جائے۔ جب مرکز بنے گا تو لازماً محبت پیدا ہو گی اور ''باقی'' سے محبت ہو جانا مقصود اصل ہے۔

دائرہ محبت اول کے بعد دائرہ محبت دوم ہے یہ پہلے دائرے سے بڑا ہے۔ اس کا وظیفہ بھی یہی ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ

یعنی محبت الٰہی میں ترقی اور قرب میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پھر دائرہ محبت سوئم ہے۔اس وظیفہ میں بات ''حب'' سے اَشَدُ حُباً للہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔ایک یہی صورت ہے کہ انسان قانون کی پابندی یعنی اطاعت اور بندگی کا شیوہ اختیار کرے۔

مراقبہ الظاہر والباطن:۔ اس مراقبہ میں وظیفہ ''ھولاول والاخیر والظاہر ولباطن'' ہے۔ھُوَ الاَوَّلُ وَ لاَخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ البَاطِنُ

اس مراقبے کے بعد مراقبہ الظاہر والباطن کرایا جاتا ہے۔اس مراقبے میں ایک نور سالک کے ظاہر اور باطن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

مراقبہ فناء بقا:۔ اس مراقبے کا وظیفہ ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝ (سورۃ الرحمٰن 27-55:26)

ترجمہ: ''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے (ف 26) اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا''۔

مراقبہ عبودیت میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز اس وحدہ لاشریک کے سامنے سربسجود ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ کی ایک گونج سنائی دے رہی ہے۔

مراقبہ فنا میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز فنا ہو گئی ہے۔انسان، حیوان، شجر، حجر ہر چیز غائب ہے۔بلکہ سالک کو اپنے وجود کا بھی احساس نہیں رہتا، یہ فناء کی کیفیت ہے مگر ہر سالک کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔فنا کے معنی معدوم ہو جانا یا مٹ جانا نہیں ہے بلکہ فنا کے معنی اپنی انانیت کو مٹا دینا ہے۔فنا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوائے اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری میں نہ رہے۔اور سینہ و دل کا میدان خواہشوں سے پاک وصاف ہو جائے۔اس مراقبے کا مقتضیٰ کیا ہے (مقصد کیا ہے)؟

فنا کا اثر یہ ہے کہ معاصی اور فضولیات کے متعلق تقاضہ فنا ہو جائے۔معاصی کی طرف سے بالکل میلان جاتا رہنا ضروری نہیں اور آسان بھی نہیں البتہ نفس کا تقاضہ کھونے کی ضرورت ہے۔فنا سے پہلے معصیت کی طرف سے نگاہ کا روکنا مشکل تھا اب معصیت کا قصد نہیں ہوتا، برائی سامنے آئے تو سر جھک جاتا ہے اس کا نام فنا ہے۔

بقاء:۔ فنا میں حال کا غلبہ ہوتا ہے۔بقاء میں آ کر وہ حال مغلوب ہو جاتا ہے اور سکون ہو جاتا ہے۔اور وہ حالت مبتدی کی سی ہوتی ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ پہلے خالی تھا اب پُر ہو گیا ہے۔پہلے فیض خود لیتا تھا۔اب اس سے دوسرے فیض لیتے ہیں۔فنا کی تین منزلیں ہیں۔

پہلی منزل:۔ صفات وخصائص ذاتی واوصاف طبعی کی ہے تاکہ بندہ اتباع شریعت میں اپنی خواہشات کی بجائے اللہ کی مرضی پر عامل ہو سکے اور نفس امارہ کی خواہشات کو فناء کر کے احکام خداوندی پر عمل کر سکے۔

دوسری منزل:۔ یہ ہے کہ بندہ لذات حسیّ سے کنارہ کش ہو جائے۔فناء کی یہ منزل دینی اور باطنی زندگی سے متعلق ہے۔

تیسری منزل:۔ یہ ہے کہ یہ شعور بھی فناء ہو جائے کہ مجھے خدا کی حضوری حاصل ہے۔اس حالت میں اگرچہ مادی جسم باقی رہتا ہے مگر شخصیت فناء ہو جاتی ہے۔فناء کی اس آخری منزل پر پہنچ کر انسان باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔گویا اس مراقبے کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک اپنے ارادے اور اپنی پسند کو فناء کر دے۔اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی پسند باقی رہے۔

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں: فناء اور بقا شہودی ہے (مشاہدہ) وجودی نہیں ہے۔کیونکہ بندہ فناء نہیں ہوتا نہ ہی حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔بندہ ہمیشہ بندہ ہے اور رب ہمیشہ رب۔فناء کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ماسوائے اللہ بھول جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی گرفتاری نہ رہے اور سینہ ودل کا میدان اپنی تمام مرادوں اور خواہشوں سے پاک و صاف ہو جائے۔

مراقبہ سیر کعبہ:۔ تعلق معہ اللہ کے مختلف درجے ہیں۔ابتدا میں سالک کو اس تعلق کی ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔پھر وہ تدابیر اختیار کرتا ہے۔جس سے تعلق معہ اللہ پیدا ہو۔پھر ترقی کر کے اور راسخ ہو جائے۔اس رخ بڑھنے کو اصطلاح میں ''سیر'' کہا جاتا ہے۔پھر اس سیر کے بڑے بڑے دو حصے ہیں۔

1- سیر الی اللہ **2- سیر فی اللہ**

1- سیر الی اللہ:۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا، شفاء ہوئی تو ذکر وشغل (ذکر خفی) سے اس کو قوی بنایا۔باطن انوار ذکر سے معمور ہو گیا۔رکاوٹیں دور ہو گئیں۔نیکی کی طرف رغبت بڑھنے لگی۔عبادات میں سہولت ہونے لگی۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر لگ گئی، گویا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو گیا، نسبت حاصل ہو گئی۔

2- سیر فی اللہ:- اللہ تعالیٰ کی صفات میں تفکر و تدبر ہونے لگا تو حسب استعداد صفات کا انکشاف ہونے لگا۔ سیر فی اللہ اسکی صفات میں تفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مسجودیت (سجدہ اس کے لئے ہے) کے مظہر کے طور پر کعبہ کا انتخاب کیا ہے۔ حجرہ اسود سے طواف شروع کر کے ہر چکر میں یہ تجدید عہد کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ میری توجہیات، میری کوشش، میرے عمل کا مقصد تیری رضا کا حصول ہے۔ سجدے کی حالت انسان کے انتہائی عجز اور تذلیل کی صورت ہے۔ مگر اس صورت کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا انسان کو اپنے رب سے زیادہ قرب اس حالت میں ہوتا ہے جب وہ اپنا سر نیاز زمین پر اپنے رب کے سامنے رکھتا ہے۔ تو سجدہ کیا ہے؟

انتہائی پستی کی حالت میں انتہائی بلندی کا حصول۔ اس مقام پر سالک کی روح مقام ملتزم سے چمٹ کر رو رو کر التجا کرتی ہے۔ پھر حجرہ اسود سے طواف شروع اور اس عہد کی تجدید ہوتی ہے کہ میرا مقصد تیری رضا کا حصول ہے۔ مغفرت کا تعلق گناہ سے ہے اور گناہ کا صلہ عذاب ہے۔ گناہ کا علاج توبہ ہے اور توبہ کا محرک ایمان باللہ ہے۔ یعنی نجات کا مدار ایمان پر ہے۔ عمل کے بغیر ایمان بے کار اور ایمان کے بغیر عمل بے کار۔ درجات کا مدار ایمان کے بعد عمل صالح پر ہے۔ جب ایمان باللہ موجود ہے تو مغفرت کی توقع ظاہر ہے اور جب مغفرت ہوگی تو نجات یقینی ہے۔

مراقبہ سیر صلوٰۃ:- طہارت باطنی بھی کر لی۔ اور سجود حقیقی کی صفت سجودیت کے مظہر کے گرد طواف بھی کر لیا۔ اب آگے قدم بڑھانا ہے کہ صرف سجدہ کرنا مطلوب نہیں ہے بلکہ اس طرز خاص سے سجدہ مطلوب ہے جو مسجود حقیقی نے بتایا ہے اور اس کے آخری رسول خاتم النبیین ﷺ نے سکھایا ہے۔ اس طریقے سے سجدہ کرنے کا نام صلوٰۃ ہے۔ اس مراقبے میں سالک کو چار باتوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

1۔ یہ کہ مظہر مسجودیت سامنے ہو اور توجہ ذات کی طرف۔ 2۔ اظہار عجز کے لئے ترتیب ملحوظ ہو

3۔ حالت رکوع میں 4۔ حالت سجود میں

ہر حالت میں سالک کے سامنے مالک کی رضا ہو۔ اور دل میں اس کی محبت ہو۔ دائمی توجہ مومن کی معراج ہے۔ یہی رب الٰہی کی کیفیات کی سیر ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔

مراقبہ سیر قرآن:- اس مراقبے میں سالک سب سے پہلے نُزول قرآن کی حقیقت پر غور کرتا ہے۔ عمل نزول کی صورت سالک کو یوں محسوس ہوتی ہے جیسے اس کے دو حصے ہیں۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن پاک کا نُزول ہو رہا ہے اور وہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے قلب اطہر سے قرآن پاک کا فیض دو صورتوں میں حاصل کرتا ہے۔

1۔ لسان نبوت سے

2۔ علمائے ربانی کی وساطت سے الفاظ قرآن کا فیض سالک کے قلب پر آرہا ہے۔

اس مراقبے کا مقصد سالک کو اپنی ذات کا جائزہ قرآن پاک کے آئینہ میں لینا ہوتا ہے۔ ذاتی اصلاح کے بعد دعوت تبلیغ پر توجہ مرکوز کرے۔ علم و عمل کی جو دولت اس کتاب ہدایت سے یعنی قرآن پاک سے حاصل ہوتی ہے اس کو ذخیرہ کر کے نہ رکھے، اس کو پھیلائے عام کرے اور دوسرں تک پہنچائے۔۔

مراقبہ روضہ اطہر:- اس مراقبے کا وظیفہ صلوٰۃ و سلام ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو انتہائی ادب کے ساتھ روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ کے پاس کھڑا ہوا محسوس کرے اور روح کی زبان سے پورے ذوق وشوق کے ساتھ درود وسلام پڑھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سالک کے قلب میں ایک اور کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔ (سورۃ النساء۔ آیت نمبر 64)

"ترجمہ: اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور تیرے پاس آجائیں اور پھر آپ ان کے لئے مجھ سے دعائے مغفرت چاہیں تو وہ مجھ کو معاف کرنے والا غفور رحیم پائیں گے"۔

تو سالک سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگتا ہے۔ اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کی شفاعت فرمائیں۔ اور اس دوران سالک کی روح کی زبان پر مسلسل درود وسلام رہتا ہے۔

مراقبہ مسجد نبوی یا دیار نبوی خاتم النبیین ﷺ:- مراقبہ روضہ اطہر کے بعد مراقبہ دربار نبوی خاتم النبیین ﷺ کروایا جاتا ہے۔ اس میں سالک یہ تصور کرتا ہے کہ نبی

کریم خاتم النبیین ﷺ مسجد میں اپنے ممبر پر تشریف فرما ہیں اور ایک طرف صحابہ کرامؓ بیٹھے ہیں، پیچھے اولیاء کرام تشریف رکھتے ہیں اور وہ خود اولیاء کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ نگاہیں جھکی ہوئی ہیں اور اللہ کی اس کرم و رحمت کے لیے سراپا شکر بنا ہوا ہے۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے اور روح کی زبان پر درود شریف کے الفاظ رواں ہیں۔

کہاں میں اور کہاں دیر و حرم کا کشمکش نقشہ
کسی کے نقشِ پا پر رکھ دیا گھبرا کے سر میں نے

مراقبہ فنافی الرسول خاتم النبیین ﷺ:- دربار نبوی خاتم النبیین ﷺ کی اس نورانی محفل میں سالک یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس کا سارا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اور یہ کہ ہر ٹکڑے سے درود پاک کی آواز آ رہی ہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد یہ ٹکڑے اپنے اپنے مقام پر آ جاتے ہیں اور اب سالک کی زبان پر درود تشریف آ جاتا ہے۔ جیسے کہ ہمیں معلوم ہے کہ فنا کے معنی اپنی انانیت کو مٹا دینا ہے تو جب فنا کے ساتھ فی الرسول کا اضافہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنی پسند ناپسند کے اعتبار سے دستبردار ہو گیا ہے۔ اور اس نے اپنی پسند کو نبی رحمت کی پسند کے ماتحت کر دیا ہے۔ اس مراقبے سے سالک کی زندگی پر یہ اثر پڑتا ہے کہ محبت کا صرف سرکاری پیمانہ قابل قبول ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِی فَقَدْ اَحَبَّنِی

ترجمہ: ''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی''۔ (تاریخ ابن عساکر: ۳/ ۱۴۵) اگر یہ نہیں تو محبت نہیں صرف اداکاری ہے۔

سالک کی زندگی عملی طور پر آپ خاتم النبیین ﷺ کی پیروی اور اتباع کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اور اسے اس بات کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے کہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے بندوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکتا ہوں۔

مراقبہ روحانی بیعت:- یہ خصوصیت صرف نسبت اویسیہ میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ روح سے اَخذِ فیض اور اجرائے فیض اویسیہ نسبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اجرائے فیض کا سب سے بڑا مرکز نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس ہے یہ دولت جس طرح جسم رحمۃ العالمین خاتم النبیین ﷺ سے بنتی تھی۔ اس طرح روح رحمۃ العالمین خاتم النبیین ﷺ سے بنتی ہے۔ اور اس دولت کے باٹنے اور اس سے جھولیاں بھرنے کی صورت رب العالمین خاتم النبیین ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ یعنی (سورۃ فتح، آیت نمبر 10) ترجمہ: "اے نبی جو لوگ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر ہی بیعت کرتے ہیں''۔

تو روح سے اَخذِ فیض کی یہی صورت اس مراقبے میں بیان کی گئی ہے۔ سالک کی روح میں لطائف کے راسخ ہونے اور مراقبات کی مشق سے قوت پرواز ہو چکی ہوتی ہے۔ اس لئے سالک کی روح دربان نبوی خاتم النبیین ﷺ میں حاضر ہوتی ہے اور نبی رحمت خاتم النبیین ﷺ کی روح اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ میں دے کر بیعت کا شرف حاصل کر لیتی ہے۔

تصوف کی دنیا میں سلوک کا یہ پہلا قدم ہے۔ اس مراقبے کا سالک کی عملی زندگی میں دو قسم کا اثر ہوتا ہے۔

1۔ اصلاح ذات 2۔ خدمت خلق

ایک تو اس کی اپنی ذات میں تبدیلی آ جاتی ہے کہ اپنے محبوب پر نگاہ پڑتی رہتی ہے۔ جو اتنی بڑی تبدیلی ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ: ترجمہ: ''خوش قسمت ہے وہ انسان جسے اپنے عیب دیکھنے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ دوسروں کے عیوب کا کھوج لگاتا پھرے''

دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے آشنا کرنے اور اس کے عذاب سے بچانے کی تدابیر اور عملی کوششوں میں اپنی ساری صلاحتیں کھپا دینے میں راحت محسوس ہوتی ہے۔ یہ وہ حالت ہے کہ گویا اب سالک فکری اور عملی اعتبار سے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے رنگ میں رنگ گیا ہے اور اس سے بڑی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یاد رکھیں کسی کو اس کے مرشد کی طرف سے جو بہترین چیز دی جاتی ہے وہ احساسِ گناہ اور توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔

****

مراقبہ،محاسبہ اور مجاہدہ

وہ اسباب جن سے ایک عارف اللہ کی راہ حاصل کر لیتا ہے۔ (1)مراقبہ (2)مشاہدہ (3)محاسبہ (4)مجاہدہ

مراقبہ: خالق پر اسطرح نظر رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نا

مشاہدہ: واردات غیبیہ کا دل پر نُزول

محاسبہ: یعنی یہ معلوم کرتے رہنا کہ گزرا ہوا لمحہ حضوری میں گزرا یا غیر حضوری میں

مجاہدہ: اصل مجاہدہ نفس کی مخالفت ہے یعنی اپنے نفس کو ان اشیاء سے دور کر لو جن کے ساتھ اس کو اُلفت ہے۔

1- مراقبہ:- ہر ایک سانس ایک جوہر بے مُول ہے اور دن رات میں چوبیس گھنٹے ہیں اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ''ہر شب و روز میں چوبیس خزانے ایک قطار میں پھیلائے جاتے ہیں۔ اس لیے سستی، کاہلی اور آرام طلبی کو مت اپناؤ ورنہ درجات علیین میں تجھ سے وہ بات فوت ہو جائے گی جو دوسروں کو ملے گی اور ہمیشہ حسرت اور افسوس رہے گا''۔ اس لیے بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ہم نے مانا کہ گنہگار کی خطا معاف ہو جائے گی مگر یہ کہ ان کو محسنوں کا سا ثواب نہ ملے گا۔

مراقبے کی فضیلت:- حضرت جبرائیلؑ نے جو احوال احسان کا آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا کہ ''خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھتے ہو پس اگر یہ بات نہ بنے کہ تم اس کو دیکھتے ہو تو وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے''۔

حضرت ذوالنونؒ سے کسی نے پوچھا کہ بندہ کس چیز سے جنت حاصل کر لیتا ہے انہوں نے فرمایا پانچ باتوں سے۔

1۔ استقامت جس میں کمی نہ ہو 2۔ دوسرے اجتہاد جس میں سہو نہ ہو

3۔ تیسرے ظاہر اور باطن میں خدا تعالیٰ کا مراقبہ 4۔ موت کا انتظار اور تیاری

5۔ نفس کا حساب لینا اس سے قبل کہ اس سے حساب لیا جائے۔

مراقبے کے درجات اور اس کی حقیقت:-

مراقبے کے درجات:-

1۔ مراقبے کی پہلی حالت محبت ہے۔ محبت ایک نور ہے پھر یہ نور نورِ ازلی کو پکارتا ہے بندے نے کیا خاک پکارنا ہے یہ تو جز ہے جو اپنے کل کو پکارتا ہے۔

2۔ مراقبے کی دوسری حالت مشاہدہ ہے یہ دید خود کی نہیں ہے اُس روشنی کی ہے جیسے نورِ ازلی کہتے ہیں۔

3۔ پہلی حالت محبت، دوسری مشاہدہ، تیسری معرفت۔ جب دیکھتا ہے پہچان جاتا ہے جو خود کو پہچان جاتا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے۔

4۔ مراقبے کی چوتھی حالت محرم اسرار ہے۔ پہچان دینے والا راز دار بن جاتا ہے۔ اُسے مکاشفہ غیبی عطا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے رازوں میں شریک فرما لیتے ہیں۔ ان کے سینے اللہ تعالیٰ کے رازوں کی قبریں بن جاتے ہیں۔ جو معبود چاہتے ہیں وہی ان کی زبانوں سے نکلواتے ہیں۔ جب معبود نہیں چاہتے تو یہ خاموش رہتے ہیں۔ کسی دوست کو سارے جہاں کا راز داں بنایا کسی کو آدھے جہاں کا جتنا ہاضمہ ہوتا ہے اتنی خوراک ملتی ہے۔

مراقبے کی حقیقت:- عبدالواحد بن زیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ "اس زمانے میں سے کوئی ایسے شخص کے بارے میں بتایئے جو اپنے حال میں مشغول ہو کر خلق سے بے خبر ہو"۔ آپ نے فرمایا کہ "ایک شخص کو جانتا ہوں جو ابھی تمہارے پاس آئے گا"۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ عتبہ غلام داخل ہوئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ " کہاں سے آرہے ہو"؟ انہوں نے کسی ایسی جگہ کا نام لیا جس کا راستہ بازار میں سے گزرتا تھا۔ انہوں نے پوچھا" بازار میں تم سے کون کون ملا تھا"؟ انہوں نے جواب دیا" میں نے بازار میں کسی کو نہیں دیکھا"۔

پس مراقبے کی حقیقت یہ ہے کہ خالق پر نظر اس طرح رہے کہ مخلوق پر نظر پڑے ہی نہ۔

بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا وہ تیراندازی کر رہے تھے۔ اور ایک شخص ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا میں اس کی طرف بڑھ گیا اور چاہا کہ کچھ گفتگو کروں۔ اس نے کہا کہ ''خدا تعالیٰ کا ذکر زیادہ خوشبودار ہے''۔ میں نے پوچھا کہ آپ تنہا ہیں اس نے کہا کہ ''میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور دو فرشتے ہیں''۔ میں نے پوچھا کہ تیراندازوں میں سے بڑھا ہوا کون ہے؟ اس نے کہا کہ ''جس کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہو''۔ میں نے پوچھا کہ ٹھیک راستہ کہاں کو ہے؟ اس

نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور اٹھ کر یہ کہتا ہوا چل دیا، ''تیری اکثر مخلوق تجھ سے غافل ہے''۔

پس جن لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی ذات کی تعظیم اور اس کا جلال غالب آ جاتا ہے ان کے مراقبے کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ ان میں کسی اور چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ لوگ مراقبے میں اول درجے پر ہوتے ہیں، دوسرا درجہ اصحاب میں ایسے پرہیزگاروں کا ہے کہ ان کے دلوں پر یہ بات یقینا غالب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن پر مطلع ہے۔ مگر ملاحظہ جلال نے انہیں مدہوش نہیں کیا بلکہ ان کے دل حدِ اعتدال پر باقی رہے اور ان میں گنجائش اس بات کی بھی رہی کہ احوال اور اعمال پر نظر رکھیں۔ اس طرح بندوں کے مرتبے اللہ تعالیٰ کے ہاں مراقبوں میں مختلف ہوا کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''بندے کی ہر حرکت میں تین دفتر کھولے جاتے ہیں، کیوں کیا؟ کس طرح کیا؟ کس کے لیے کیا؟'' پس جب تک اپنے نفس، اپنے رب اور اپنے دشمن ابلیس کو نہ جانے گا تب تک سلامتی مراقبے میں نہ ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے پر یہی ہے کہ جب کام کے واسطے قصد کرے اور اعضا سے اس لیے کوشش کرے تو اپنے نفس کا نگران رہے اور کام کے کرنے میں جلدی نہ کرے یہاں تک کہ نورِ علم سے ثابت ہو جائے کہ یہ کام اللہ ہی کے لیے کر رہا ہے۔ اگر اس کے پاس خود نورِ علم نہیں تو کام کرنے سے پہلے علمائے دین کے نور سے اقتباس کرے مگر ایسے علماء کے پاس نہ جائے جو گمراہ کرنے والے اور دنیا پر متوجہ ہونے والے ہوں بلکہ ان سے ایسے بھاگے جیسا شیطان سے بھاگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ''میرے بارے میں اس عالم سے سوال مت کرنا جس کو دُنیا کی محبت نے بدمست کر رکھا ہو وہ تجھ کو میری محبت سے الگ کر دے گا۔ ایسے لوگ میرے بندوں کے راہزن ہیں۔ پس جو دل دنیا کی محبت اور کثرت طمع کے باعث چوپٹ اندھیرے میں ہیں وہ خدا تعالیٰ کے نور سے محجوب ہیں۔ اس لیے کہ دلوں کے نور کا چشمہ ربوبیت ہے۔ پس جو شخص کہ اس سے منہ پھیر لے گا اس کو نور کس طرح حاصل ہوگا؟ اور جو شخص کہ شہوات دنیا سے عشق پیدا کرے گا اس کو وہ تجلی کب ملے گی؟ اس لیے مرید کی ہمت اول اسی طرف ہونی چاہیے کہ خود علم سیکھے اور عالم ایسا تلاش کرے جو دنیا سے رُوگرداں یا اس کی کم رغبت رکھنے والا ہو۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''رزق دو طرح کے ہیں ایک جس کو تُو تلاش کرتا ہے اور ایک جو تجھ کو تلاش کرتا ہے اور اگر تُو اس کو نہ پہنچے تو وہ تیرے پاس خود آئے۔ پس جو کچھ تجھ کو دنیا سے ملے نہ اس پر خوش ہو اور ایسی چیز جو جاتی رہے نہ اس پر افسوس کر بلکہ تو شۂ آخر پر خوش ہو اور افسوس ایسی چیز پر کر جو پیچھے چھوڑ دی جائے گی اور آخرت میں مشغول رہ اور موت کے بعد کی فکر کر''۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جن میں وہ ہوں ان کا ایمان کامل ہے۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف کرے۔

2۔ اپنے کسی عمل میں ریا نہ کرے۔

3۔ جب اس کو دو امر پیش آئیں ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا تو آخرت کو دنیا پر اختیار کرے۔

پس اگر سب اُمور میں خدا تعالیٰ کا مراقبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر نیت، حسن فعل اور رعایت آداب کے ساتھ قادر ہو جائے گا۔ مثلاً اگر بیٹھا ہو تو چاہے کہ قبلہ رخ بیٹھے اس لیے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں ''بہتر نشست وہ ہے جو قبلہ رخ ہو'' اور چارزانو نہ بیٹھے اس لیے کہ بادشاہوں کے سامنے بیٹھنے کی یہ صورت نہیں ہوتی تو بادشاہ حقیقی جو اس کے حال کو دیکھتا ہے اسکے سامنے کیسے چارزانوں بیٹھے گا۔

<u>2-مشاہدہ:-</u> صوفیہ کرام کے نزدیک لفظ مشاہدہ سے مراد جلوت اور خلوت میں چشم دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔

حقیقت مشاہدہ کی دو صورتیں ہیں: **1- صحت یقین** **2- غلبہ محبت**

یعنی دوست محبت کے مقام میں اس درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ ہمہ تن دوست کا ذکر بن جائے-

نفس الہامہ کے بعد نفس ملھمہ کا درجہ آتا ہے- الہام عقل پر نہیں دل پر ہوا کرتا ہے- اس راہ پر چلتے وقت قدم عقل کے ساتھ رکھتے ہیں اور پھر عقل کو چھوڑ دیتے ہیں- پھر دل سے کام ہونے لگتے ہیں- جو کام بھی کیا جائے دل سے کیا جائے- عاشق دل کی زبان سے کلام کرتا ہے- کوئی قدم اٹھائیں تو دل سے- شیطان بڑا مکار اور حیلہ ساز ہے- حق کا روپ بھی دھار لیتا ہے- کچھ لوگ اس مقام پر شیطان کو جبرائیل سمجھ لیتے ہیں-

ہمارا دل انسانی دل ہے اور بدن حیوانی- ہمارے اندر ایک جنگ حیوان اور انسان کی ہوتی رہتی ہے- الہام کے لئے دل کو پاک رکھنا ضروری ہوتا ہے- بری خصلتوں کا الہام سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا- شیطان کی حقیقت تک صرف الہام سے جانا ہے- الہام والوں کے لئے دنیا جائے عبرت ہے-

یاد رکھیں! نفس کبھی بھی مرتا نہیں ہے- بس سوجاتا ہے- سونے والے دشمن سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہئے- یہ ہمارے اندر کا دشمن ہے- معلوم نہیں کب جاگ جائے-

نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی راہ پر چلنے کے لئے استقامت ضروری ہے- استقامت نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی طرح اور نیت حضرت علیؓ کی طرح- جو سلسلہ حضرت علیؓ تک نہ جائے وہ بندگلی کی طرح ہوتا ہے- حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ کی---- درود پاک نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) پر--- جتنا زیادہ لگاؤ ہو گا اتنی زیادہ ہماری قربت بڑھتی چلی جائے گی- وہ دوست تو ہماری فطرت میں پنہا ہے- جو خود سے ہی ناواقف ہو، اسے دوست کیسے نظر آئے گا-

یاد رکھیں! کہ مارنے والے کو مارنا نہیں ہے--- کوسنے والے کو کوسنا نہیں ہے--- درگزر اور بس عفو و درگزر ہی سبق ہے نبی کریم (خاتم النبیین ﷺ) کی تعلیمات کا اور یہی ان کے عمل سے ظاہر تھا-

مشاہدہ صرف اور صرف وحدت والے لوگوں کو ہوتا ہے- وحدت والے لوگوں کی راہ ایک ہی ہوتی ہے- لیکن اس وحدت کی منزل پر کوئی کوئی پہنچتا ہے- ورنہ یہ نفس باقی تمام لوگوں کو راہ کے مختلف موڑ پر ہی روکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے- تو مشاہدہ حق واردات غیبیہ کا دل پر نزول ہے- دل جو کہتا ہے وہ سچ کہتا ہے- دل کے آئینے کو صاف رکھنا ضروری ہے- دل خدا کا تخت ہے- توڑنے کی سزا سخت ہے- اگر ہم کسی کا دل دکھاتے ہیں تو یہ عبادتیں اور نمازیں کس کام کی- ہر وقت، ہر پل اللہ کو یاد رکھنا ذکر ہے- ذکر پکار کا نام ہے--- یاد کا نام ہے- ذکر دائمی ہو، مستقل ہو، متواتر ہو- متواتر پکارتے رہیں- جتنا زیادہ پکاریں گے وصل کا امکان اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا-

3- محاسبہ:- سورہ الحشر، آیت نمبر 18 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ترجمہ: "اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہر ایک دیکھے کہ اس نے کل کے واسطے کیا بھیج رکھا ہے"۔

اس آیت میں گزشتہ اعمال پر محاسبہ کرنے کا اشارہ ہے اور اسی لیے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اپنے نفسوں سے حساب لو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے"۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ "مومن اپنے نفس پر ناظم ہوتا ہے اِس لیئے خدا تعالیٰ کے واسطے اس سے حساب لیا کرو ان لوگوں پر حساب ہلکا ہو گا جنہوں نے دنیا میں اپنے نفسوں سے حساب لیا اور قیامت کو سخت حساب ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے اپنے کاموں کو بے محاسبہ کیا۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حجاج کا خطبہ سنا وہ کہتا تھا "اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو اپنے نفس کا حساب لے اس سے قبل کہ اس کا حساب دوسرے کے قبضے میں چلا جائے"۔ اپنے نفس سے پہلے فرائض کا حساب لے کہ جیسا چاہیے تھا ویسا ان کو ادا کیا ہے یا نہیں؟۔ صورت اول میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور نفس کو رغبت دلانی چاہیے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے۔ اگر ادا ہی نہیں کیا تو قضا کرے اور اگر ناقص ادا کیا ہے تو تلافی نوافل کی زیادتی سے کرے۔

قصور کے بعد نفس کی تادیب (باز پرس):- جب آدمی اپنے نفس کا حساب کرے اور ارتکاب گناہ اور قصور سے خالی نہ ہوا اور خدا تعالیٰ کے حقوق میں سستی ثابت ہو تو چاہیے کہ اس کو مہلت نہ دے۔ اس لیے کہ مہلت دے گا تو گناہوں کا کرنا اس پر اور آسان ہو جائے گا اور گناہوں سے اس کو ایسا انس ہو جائے گا کہ پھر باز آنا دشوار ہو جائے گا۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ایک طویل حدیث پاک مروی ہے کہ حضرت جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور چند سوالات کیے، اُن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ "یارسولَ اللہ (خاتم النبیین ﷺ)! اِحسان کیا ہے؟" آپ (خاتم النبیین ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "تم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔" (بخاری)

علامہ ابو القاسم عبد الکریم ھوازن قشیری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مراقبہ بندے کے اس بات کو جاننے (اور یقین رکھنے) کا نام ہے کہ ربّ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے"-

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مدت تک عبادت کی پھر اس کو کچھ حاجت اللہ تعالیٰ سے ہوئی اس لیے ستر ہفتے تک ریاضت کی کہ ایک ہفتے میں گیارہ خرمے کھاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمائی انہوں نے اپنے نفس کو مخاطب ہو کر کہا کہ " تو نے جیسا کیا ویسا پایا، اگر تجھ میں کچھ خیر ہوتی تو حاجت پوری ہوتی"۔ اسی وقت اس کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ "اے ابن آدم تیری یہ ایک ساعت تیرے تمام گزشتہ زمانے کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تیری حاجت پوری کی"۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام لونڈی، زن و فرزند کو تو بری عادت کے شروع کرنے پر یا قصور صادر ہونے پر سزا دیتا ہے اور ڈرتا ہے کہ اگر در گزر کر جاؤں گا تو کہیں یہ لوگ میرے ہاتھ سے نہ نکل جائیں اور سر نہ چڑھ جائیں۔ پھر اپنے نفس کو کیسے جانے دیتا ہے وہ تو سب سے بڑا دشمن اور زیادہ سرکش ہے۔ زن و فرزند کی سرکشی کو اس کی سرکشی سے کیا نسبت، لیکن عقل ہو تو جانے کہ دنیا کا عیش ہیچ ہے۔

4- مجاہدہ:- واضح ہو کہ سب سے بڑا دشمن آدمی کا اپنا نفس ہے یہ بغل کا گھونسا ہے اور بدی کا امر کرتا ہے، مائل بہ شر ہے اور خیر سے بھاگتا ہے، آدمی کو اس کے تزکیہ اور راست رکھنے کا حکم ہوا ہے اور زبردستی اللہ تعالیٰ کی عبادت پر آمادہ کرنے، شہوات سے روکنے اور لذت سے علیحدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پس اگر آدمی اس کی خبر نہ لے گا تو یہ سرکشی کر کے بھاگ جائے گا اور پھر ہاتھ نہیں آئے گا لیکن اگر اپنے نفس کو ہمیشہ ڈانٹ، عتاب اور ملامت کرتا رہے گا تو وہی نفس پھر نفس لوامہ ہو جائے گا، جس کی قسم خدا تعالیٰ نے کھائی ہے اور توقع ہے کہ رفتہ رفتہ نفس مطمینہ ہو جائے گا جو زمرہ بندگان الٰہی میں راضیہ اور مرضیہ ہو کر بلایا جائے گا۔ اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ کسی وقت بھی اس کی نصیحت اور عتاب سے غافل نہ ہو اور دوسرے کو نصیحت جب کرے جب پہلے اپنے نفس کو کرے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ ''اے ابن مریم تو اپنے نفس کو پہلے نصیحت کر اگر وہ نصیحت مان لے تو پھر لوگوں کو نصیحت کر ورنہ مجھ سے شرم کر''۔

پس کسی کو اگر اپنے نفس کی نگہداشت اور حفاظت منظور ہے تو ان مردوں اور عورتوں کا حال دیکھے، جنہوں نے مجاہدہ کیا تا کہ تم کو بھی کچھ سرور ابھرے اور حرص مجاہدہ زیادہ ہو، اگر نفس باز نہ آئے تو تم بھی اس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے سے باز نہ آؤ اور اس کو بتاتے رہو کہ یہ نافرمانی تیرے حق میں بری ہے، پس کیا عجب ہے کہ وہ ان باتوں کے باعث اپنی سرکشی سے باز رہے۔

جب نفس سے حساب لیا اور اس کو مرتکب کسی گناہ کا پایا تو فوراً سزا دے، دیکھے کہ کاہلی کے باعث کسی وظیفے یا مستحب میں سستی ہوئی ہے تو چاہیے کہ اس کی تادیب اسی طرح کرے کہ وظیفوں کا بوجھ اس پر لاد دے، یہی دستور سلف کے عمل کرنے والوں کا تھا، جب خدا تعالیٰ کے لیے کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب عصر کی نماز جماعت سے نہ ملی تو نفس کو یہ سزا دی کہ ایک زمین جس کی قیمت 2 لاکھ درہم تھی صدقہ کر دی، ایک بار مغرب کی نماز کو اتنی دیر ہوئی کہ دو ستارے نکل آئے تو دو غلام آزاد کئے۔ ابن ابی ربیعہ کی فجر کی سنتیں قضا ہو گئیں تو آپ نے ایک غلام آزاد کیا اور سب سے زیادہ نافع علاج یہ ہے کہ کسی ایسے بندے کی صحبت کا جو عبادت میں خوب جدوجہد کرتا ہو اس کی اقتدا کرے۔ بعض اکابر کا کہنا ہے کہ جب عبادت میں مجھ کو سستی پیش آتی میں محمد بن واسعؒ کا حال اور ان کا مجاہدہ دیکھتا۔ ایک ہفتہ ایسا ہی کرتا پھر سستی جاتی رہتی۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے ایسی جماعتوں کے ساتھ رہا کہ وہ دنیا کی کسی چیز کے آنے سے خوش نہ ہوتے تھے اور نہ کسی چیز کے جانے کا غم کرتے تھے۔ دنیا ان کے نزدیک اس مٹی سے بھی زیادہ ذلیل تھی جو ان کے پیروں کو لگ جاتی تھی۔ ان کو میں نے کتاب اللہ اور حدیث پر عامل پایا جہاں رات ہوئی وہاں پر کھڑے ہو گئے، چہروں کو زمین پر رگڑتے اور رخساروں پر آنسو بہاتے کہ آخرت میں رہائی پائیں۔ جب کوئی اچھی بات کرتے تو شکر کرتے اور خوش ہوتے جب کوئی برائی سرزد ہو جاتی تو غمگین ہوتے اور اللہ سے معافی مانگتے۔

حضرت ربیعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو نماز فجر پڑھ کر بیٹھا ہوا پایا، میں بھی بیٹھ گیا اور دل میں کہا کہ ان کے وظیفے میں حرج نہیں ہونا چاہیے، آپ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ ظہر پڑھی اور ظہر کے بعد عصر تک برابر نوافل پڑھتے رہے۔ بعد نماز عصر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مغرب تک بیٹھے رہے، نماز مغرب کے بعد نوافل پڑھتے رہے یہاں تک کہ عشاء پڑھی۔ پھر اسی جگہ جم گئے یہاں تک کہ صبح پڑھی، صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے بیٹھے سو گئے، کچھ دیر کے بعد آنکھیں کھولیں اور فرمایا الٰہی ''میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے ایسی آنکھوں سے جو سو جائیں اور ایسے شکم سے جو سیر نہ ہو'' میں نے سوچا کہ مجھ کو ان سے اسی قدر سبق کافی ہے، پھر میں واپس آ گیا''۔

ثابت بنانیؒ کہتے ہیں کہ "میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو نماز پڑھتے پڑھتے اتنا تھک جاتے تھے کہ اپنے بستروں پر گھٹنوں کے بل آ سکتے تھے"۔

ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہ' کے ساتھیوں میں سے راوی ہیں کہ میں نے آپؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی، سلام پھیرا تو اپنی دائیں طرف کو پھر گئے، کچھ غم کا اثر چہرے پر تھا آفتاب کے نکلنے تک ویسے ہی بیٹھے رہے، پھر اپنا ہاتھ پلٹا اور فرمایا کہ "بخدا میں نے اصحاب محمد خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا ہے اور آج ان کی مثل کوئی کام نہیں پایا جاتا۔ وہ صبح کو میلے زرد رنگ، الجھے بال لیے اٹھتے اور رات کو سجدہ و نماز میں کاٹ دیتے اور خدا کی کتاب پڑھتے۔ وہ پاؤں اور پیشانی پر زور دیتے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو ایسے ہلتے جیسا درخت تند ہوا کے وقت ہلتا ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اتنے گرتے کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے اور اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ خوب غافل ہو کر سوتے ہیں"۔

حضرت علیؓ ہی کا قول ہے کہ "شب بیداروں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ رنگ زرد، آنکھیں چندھی، ہونٹ خشک اور ان پر خشوع والوں کی طرح غبار ہوتا ہے۔

حضرت حسنؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تہجد گزار شخصوں کے چہرے اچھے ہوتے ہیں"، آپؓ نے فرمایا کہ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے نور میں سے نور پہنا دیتا ہے''۔

پس اپنے نفس کو یوں کہنا چاہیے کہ اے نفس تو کتنا بڑا جاہل ہے، تو تو کہتا ہے کہ میں حکمت اور ذکا اور دانائی میں پکا ہوں، مگر تیرے برابر بیوقوف اور کم فہم کوئی نہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں اور ان میں سے ایک میں تو عنقریب جائے گا، تجھے کیا ہوا ہے کہ خوش ہوتا، کھیلتا ہے اور ہنستا ہے حالانکہ شاید آج یا کل تجھ کو موت آ جائے۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں موت آنے والی چیز ہی ہوتی ہے، بعید تو وہ ہے جو آنے کی نہیں۔ پس نا معلوم تجھے کیا ہوا ہے کہ باوجود موت اتنی نزدیک ہے اس کی تیاری نہیں کرتا۔ اگر تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اس لیے جرأت کرتا ہے کہ تیرے اعتقاد میں خدا تعالیٰ مجھ کو نہیں دیکھتا تو تو کافر ہے اور اگر اللہ کو اپنے اوپر مطلع سمجھتا ہے تو سخت بے حیا ہے۔ یا یہ مغالطہ ہے کہ خدا تعالیٰ کریم ہے اور صاحب فضل ہے، پس اللہ تعالیٰ کے کرم کو دنیا کے کاموں میں کیوں نہیں اعتماد کرتا۔ جب دنیاوی کام آتا ہے تو سخت محنت کیوں کرتا ہے؟، کیوں اس وقت بھی شان کریمی اور فضل کے بھروسہ پر نہیں بیٹھ جاتا؟، کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ صرف آخرت ہی میں کریم ہے اور دنیا میں نہیں؟۔ تجھے یہ تو معلوم ہی ہے کہ دنیا اور آخرت کا ایک ہی پروردگار ہے اور اس کا طریق بدلہ نہیں کرتا، دیکھ تیرا آقا اور پروردگار فرماتا ہے، دنیا کے بارے میں وہ کہتا ہے

وَمَامِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورة هود 06 : 11)

ترجمہ: ''کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اسی کی روزی''

اور آخرت کے بارے میں فرماتا ہے

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (سورة النجم 39 : 53)

ترجمہ: ''انسان کے لیے وہی ہے جو کچھ اس نے کوشش کی''

اب مندرجہ بالا دونوں آیتوں کو اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خاص دنیا کے امر کی کفایت تو خود اس نے فرمائی ہے کہ تیری سعی کی اس میں کچھ حاجت نہیں اور آخرت کو بندے کی کمائی پر منحصر رکھا ہے۔ مگر تو نے اپنے افعال سے خدا تعالیٰ کو جھوٹا کیا کہ جس چیز کی کفایت وہ کرتا ہے اور اس نے خود ذمہ لیا ہے اس پر تو پاگلوں (باولوں) کی طرح کوشش کرتا ہے اور امر آخرت کو تیری کوشش پر منحصر رکھا گیا ہے تو اس سے تو روگرداں ہے، پس یہ تو نشان ایمان نہیں اور اگر زبان ہی سے ایمان معتبر ہوتا تو منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں کیوں جاتے؟۔ پس اگر تجھ کو یہی گمان ہے تو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا تو تیرے برابر کوئی جاہل نہیں اور تو پکا کافر ہے۔ اگر بالفرض کوئی یہودی تجھ سے کہہ دے کہ تیرے مرض میں فلاں کھانا مضر ہے گو وہ تیرے نزدیک کھانوں سے افضل ہو مگر تو اس پر صبر کرے گا اور چھوڑ دے گا۔ کیا انبیاء، علماء، حکماء اور تمام اولیاء کے قول تیرے نزدیک اس یہودی کی بات سے کمتر ہیں۔ جس کی بات تو نے فوراً مان لی۔ اگر کسی مریض کو کوئی طبیب کہے کہ ٹھنڈا پانی تین دن مت پینا تا کہ تندرست ہو جاؤ اور پھر مزے سے عمر بھر پیا کرنا اور یہ بھی کہہ دے کہ ان تین دن کے اندر پیو گے تو کسی سخت مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمام عمر کا پینا چھوٹ جائے گا تو اس صورت میں عقل کا تقاضہ اس بیمار کے لیے ہے کہ تین دن صبر کرے اور تمام عمر عیش سے رہے۔ یہی حال موجودہ زندگی کا ہے کہ بس تین دن کی بات ہے کہ اس میں صبر کر لو اور باقی ایام کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں آرام پاؤ گے۔

پس جو شخص مجاہدہ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا وہ خدا تعالیٰ کے عذاب کی تکلیف کو کیسے برداشت کرے گا؟۔ پس جو شخص نفس پر مشقت کرنے میں سستی کرتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا خفیہ کفر کرتا ہے یا اعلانیہ بیوقوفی۔ خفیہ کفر تو یہ ہے کہ روز حساب پر ایمان ضعیف ہے اور مقدارِ عذاب کو بڑا نہ جانتا ہو اور اعلانیہ بے وقوفی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے۔

اب فرض کرو کہ تو اہل بصیرت میں سے نہیں جس کو یہ باتیں سوجھیں بلکہ سرشت سے ہی چاہتا ہے کہ کسی کے موافق ہو جائے اور کسی کی اقتدا کرے تو اس صورت میں انبیاء، علماء اور حکماء کی عقل کو اور ان لوگوں کی عقل کو جو دنیا پر اوندھے منہ گرے ہوئے ہیں مقابلہ کر اور اگر تو اپنے آپ کو عاقل جانتا ہے تو ان میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ عاقل ہو ان کا اتباع اور اقتدا کر اور جان رکھ کہ موت تیرے وعدے کی جگہ ہے، قبر تیرا گھر ہے، مٹی تیرا بستر، کیڑے تیرے انیس، اندھیرا تیرا جلیس ہے اور خوف اکبر یعنی قیامت کا سامنا لگا ہوا ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ مُردوں کا لشکر شہر کے دروازے پر تیرا منتظر ہے؟۔ انہوں نے قسمیں کھا لیں ہیں کہ تجھے لیے بغیر نہ ہلیں گے کیا تو یہ نہیں جانتا کہ وہ سب یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم کو ایک روز ملے جو دنیا میں جا کر اپنے قصوروں کا تدارک کرا دیں اور اگر تو اپنی عمر کا ایک دن تمام دنیا کے عوض ان کو دے دے تو وہ ہزار خوشی کے ساتھ لے لیں گے بشرطیکہ ان کو قدرت ہو اور تو اپنے دنوں کو یوں غفلت اور بے کاری میں ضائع کر رہا ہے۔ کم بخت تجھ کو شرم نہیں آتی، ظاہر کو سنوارتا ہے اور باطن میں گناہ کر کے اللہ سے لڑتا ہے۔ کچھ قبر والوں کے حال ہی سے عبرت پکڑ لے کہ کیسے دنیا میں تھے اور اب کیا ہیں؟ تو کتنا بیوقوف ہے کہ آخرت سے روگرداں ہے حالانکہ وہ تیری طرف آ رہی ہے اور تُو دنیا کی طرف متوجہ ہے جبکہ وہ تجھ سے رُوگرداں ہے۔

پس اگر دل کی سختی نصیحت قبول نہیں کرتی تو اس کو ہمیشہ کی تہجد گزاری اور شب بیداری سے دور کر اور اگر اس تدبیر سے دور نہ ہو تو ہمیشہ روزہ رکھ اور اگر اس سے بھی نہ جائے تو ملاقات اور گفتگو کم کر اور یہ بھی مفید نہ ہو تو قرابت داروں سے سلوک اور یتیموں پر شفقت کر اور یہ بھی کارگر نہ ہو تو جان لے کہ خدا تعالیٰ نے دل پر مہر لگا کر قفل لگا دیا ہے اور تاریکی گناہوں کی دل کے ظاہر اور باطن پر خوب چھا گئی ہے، پس اپنے آپ کو دوزخ میں گیا ہوا جان لے اگر گنجائش نصیحت سننے کی نہیں رہی ہے تو اپنے نفس سے مایوس اور ناامید ہو اور ناامید ہونا گناہ کبیرہ ہے، خدا پناہ دے اس لیے ناامید تو ہو نہیں سکتا اور امید کی بھی کوئی صورت نہیں کہ تمام خیر کے راستے بند ہو چکے۔ اپنے نفس پر ترس کھا کہ کوئی آنسو آنکھ سے گرتا ہے یا نہیں، اگر گرتا ہے تو آنسوں کا منبع بحر رحمت سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تجھ میں امید کی جگہ باقی ہے اس صورت میں نوحہ گریہ زاری کر، شاید وہ تیرے ضعف پر رحم کر کے تیری فریاد قبول کرے اس امر میں اقتدا اپنے باپ حضرت آدمؑ کی کر۔

چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدمؑ کو خدا تعالیٰ نے جنت سے زمین پر اتارا تو یہاں اس طرح رہے کہ آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ساتویں دن ان پر نظر عنایت کی کہ وہ تو رنجیدہ خاطر اور نیچے کو سر ڈالے ہوئے ہیں ان پر وحی بھیجی کہ ''اے آدم اتنی کوشش جو تو اب کرتا ہے کیا وجہ ہے''؟ عرض کیا کہ ''الٰہی میری مصیبت بڑھ گئی ہے اور گناہوں نے مجھ کو گھیر لیا ہے، عالم ملکوت سے نکالا گیا ہوں اور بڑی کرامت کے بعد ذلت کے مقام پر آ گیا ہوں اور سعادت سے نکل کر بدبختی میں پڑا ہوں اور راحت کے بعد دار مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ عافیت کے بعد اس بلا میں مبتلا ہوا ہوں۔ میں دوام اور بقا کو چھوڑ کر اس موت اور نیستی کے گھر میں آیا تو اپنی خطا پر کیسے نہ روؤں''؟۔ خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ '' آدم کیا میں نے تجھ کو اپنے لیے برگزیدہ نہ کیا تھا اور تجھ کو اپنے گھر میں نہیں اتارا تھا اور اپنی کرامت سے مخصوص اور ممتاز نہیں کیا تھا اور اپنے غصہ سے نہیں ڈرایا تھا۔ کیا تجھ کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا اور اپنی روح تجھ میں نہیں ڈالی تھی اور تجھ کو فرشتوں سے سجدہ نہیں کروایا تھا، پھر تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور میرے عہد کو بھول گیا اور میرے غصے کا مستحق ہوا، قسم ہے میری عزت اور جلال کی اگر میں زمین کو ایسے لوگوں سے بھر دوں کہ سب کے سب تجھ جیسی عبادت کریں اور تسبیح کریں اور پھر میری نافرمانی کریں تو ان کو گناہ گاروں کے مقام میں اتار دوں گا۔ یہ سن کر حضرت آدمؑ تین سو برس تک روئے۔''

منصور بن عمارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات کو کوفہ میں ایک عابد کو سنا، اپنے رب سے مناجات کر رہا تھا اور یہ کہتا تھا کہ الٰہی قسم ہے تیری عزت کی تیری نافرمانی سے میری غرض یہ نہ تھی کہ تیری مخالفت کروں اور نہ اس جہت سے گناہ کیا کہ مجھ کو تیرا رتبہ معلوم نہ تھا یا تیرے دیکھنے کو کچھ حقیر جانتا تھا بلکہ اصل یہ ہوئی کہ میرے نفس نے ایک چیز کو میری نظروں میں اچھا کر دیا اور میری نحوست نے اس بات میں میری تائید کی اور تیری پردہ پوشی نے مجھ کو مغالطہ دیا تو اپنی جہالت کے باعث تیری نافرمانی کی اور اپنے فعل سے تیری مخالفت کی۔ اب تیرے عذاب سے مجھے کون بچائے گا؟ اور اگر تو میری رسی کو منقطع کر دے گا تو میں کس رسی کو پکڑوں گا؟۔ بڑی خرابی کی بات ہے کہ جب کل کو تیرے سامنے سب کھڑے ہوں گے اور ہلکے پھلکے لوگوں کو گزر جانے کا کہا جائے گا اور بھاری بوجھ والوں کو حکم ہوگا کہ تم اتر جاؤ تو میں ہلکوں کے ساتھ ہو کر پار ہو جاؤں گا یا بھاری لوگوں کے ساتھ نیچے اتار دیا جاؤں گا، ہائے افسوس جتنی میری عمر بڑھی اور برس زیادہ ہوئے اتنے ہی گناہ اور معاصی بڑھ گئے اب کہاں تک میں توبہ کروں گا اور کہاں تک میں ان گناہوں کو دوبارہ کرتا جاؤں گا کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اپنے پروردگار سے شرم کروں؟

پس جان لے کہ طاعات میں جتنے فائدے ہیں سب تیرے ہی لیے ہیں۔ جو کوئی اچھا کرے گا تو اپنے واسطے کرے گا اور برا کرے گا تو اپنے واسطے اللہ تعالیٰ سب سے بے پرواہ ہے۔

****

علم ظاہر اور علم باطن

علم کے معنی جاننے کے ہیں۔

علم کی اقسام:۔

علم کی دو قسمیں ہیں:

(1) علم حصولی (2) علم حضوری

(1) **علم حصولی:۔**

علم حصولی کو علم ظاہر کہتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے جو شعور میں رہتے ہوئے مکانیات کی حد بندیوں میں قیام کرتے ہوئے حاصل کیا جاتا ہے۔ دُنیا کے تمام علوم علم حصولی کے دائرے میں آتے ہیں۔

(2) **علم حضوری یا علم باطن:۔**

یہ وہ علم ہے جو مکانیات اور روحانیات کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ علم حضوری حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کو دو ناموں سے جانا جاتا ہے:-

(1) سالک (2) مجذوب

(1) **سالک:۔**

رَب کے متلاشی کو سالک کہتے ہیں۔ اور قُربِ الٰہی اور معرفت ربّانی حاصل کرنے کے ذرائع اپنانے کو سلوک کہتے ہیں۔ یعنی سالک کی راہ راہِ سلوک ہے۔ سلوک میں بندہ اپنی کوشش سے رب کی طرف جاتا ہے۔ ذِکر لسانی میں سلوک ہے۔

(2) **مجذوب:۔**

مجذوب جذب سے ہے۔ ذِکر قلبی یا ذِکر خفی میں جذب ِ ربّانی ہے۔ جذب ربّانی میں رب اپنے بندے کو خود اپنی طرف کھینچتا ہے۔ زبانی ذکر کو جو زبان سے کیا جائے ذکرِ لسانی یا صرف ذکر کہتے ہیں دل سے جو ذکر کیا جائے اُسے ذکرِ خفی، ذکرِ قلبی یا شغل کہتے ہیں۔

سالک کے لیے ضروری ہے کہ اُس کی طبیعت اور اُس کے اعمال اور اُس کے افعال میں اور اُس کی حرکات سے خالق کائنات کی صفات نمایاں ہوتی رہیں۔ ان طالبات یا طلبا کو فیضِ ربّانی مختلف طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔

(1) ایک وہ جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے (ظاہری فیض) (2) ایک وہ جو باطن سے تعلق رکھتا ہے (باطنی فیض)

باطنی فیض کی سب سے پہلی صورت " سرور" ہے۔ انسان کے اندر ایک خاص قِسم کی خوشی بس جاتی ہے۔ باطنی فیض کی دوسری صورت یا اعلیٰ شکل **"کیف"** ہے۔ پھر اِس سے اعلیٰ **"وجد"** ہے۔ پھر اس سے اعلیٰ **"محویت"** ہے۔

سرور اور کیف کیا ہے؟

اِس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اُنس کا چھینٹا دیتے ہیں۔ جس سے اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذّت پیدا ہوجاتی ہے۔ اِن لذات کی وجہ سے اُسے خاص قِسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا تعلق احساس سے ہے بیان سے نہیں۔

وجد کیا ہے؟ یہ ایک جامِ توحید ہے جسے پیتے ہی انسان اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک چیز کو بھول جاتا ہے۔

محویت کیا ہے؟ وجد کے بعد انسان مشاہدے کے علاوہ تمام چیزوں سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔ **گویا محویت ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔**

استغراق کیا ہے؟ جب صاحبِ وجد اپنے مرتبے (مقام) پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ مقام اُس کے مرتبے کے مناسب حال ہوتے ہیں۔ اگر فنا فی شیخ کے مقام کا حامل ہے تو شیخ کے قدموں میں حاضر کر دیا جائے گا اور اگر فنا فی رسول کے مقام پر فائز ہے تو دربار رسالت میں حاضر کر دیا جائے گا اور اگر فنا فی اللہ کے مقام پر فائز ہے تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہونا شروع ہوجائے گا اور اب وہ دیدارِ لامکاں میں کھڑا کر دیا جائے گا اِس کو **استغراق** کہتے ہیں۔

یہ تمام وہ ذرائع ہیں جن سے اللہ تعالیٰ انسانی قلوب پر اپنے فیضان کی بارش کرتا ہے۔

وجد و تواجد

وجد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ، صدق نیت اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں جو حالات پیدا ہوں وہ'' **وجد** '' ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ زمر آیت نمبر 23 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ ":اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے۔ جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بدن کانپ اٹھتے ہیں"۔ پھر یہ بدن اور دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر (یاد) کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے"۔

جب کوئی کانپتا ہے تو بدن میں حرکت پیدا ہوتی ہے'' مراد یہ ہے کہ سارا بدن یا بدن کا کچھ حصہ۔ اللہ کے خوف سے یا محبت میں متحرک یا مضطرب ہو جاتا ہے۔ یہ چیز'' وجد'' ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ انفال، آیت نمبر 2 میں فرماتا ہے:

ترجمہ : "یعنی کاملین مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرزنے لگتے ہیں۔ اور ان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے"۔

مفتی محمد حسین نعیمی اپنے ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ " جسم کے کانپنے کے قریب المعنی چار الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں:

1۔رقص 2۔تواجد 3۔وجد 4۔اضطراب

رقص:

اگر جسم اور اعضاء کی حرکات موزونیت اور ترتیب و نظم کے ساتھ ہوں۔ تو یہ رقص ہوگا۔ اور یہ ہر حال میں حرام ہے۔

تواجد:

اگر جسم و اعضاء کی حرکات بے ترتیب ہوں۔ لیکن قصد، و ارادے سے ہوں تو یہ تواجد کہلاتا ہے۔ اس میں اگر ارادہ پاک ہو اور نیت ٹھیک ہو تو یہ جائز ہوگا۔ ورنہ ناجائز ہوگا۔

وجد:

اگر جسم اور اعضاء کی حرکات بے ترتیبی سے بلا قصد و بلا ارادہ ہو۔ تو یہ وجد ہوتا ہے۔ یہ درست اور روحانی کیفیت کا اظہار ہے۔

اضطراب:

اگر جسم اور جسم کے اعضاء کی حرکات کا اظہار نہ ہو بلکہ اندرونی سرور اور لذت کی حالت ہو تو یہ اضطراب ہے۔ یہ نہایت مطلوب اور اعلیٰ کیفیت اور قابل رشک ہے۔ اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ نماز میں خشوع و خضوع کا موجب ہے۔

سورہ الحدید آیت نمبر 16 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ" : کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں حقیقت میں مومن نہیں ہوتا مگر خشوع قلب کے ساتھ''۔

رونا اور بے اختیار گرنا۔ گویا وجد اور جذب خشوع قلب کی زیادتی کا باعث ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت زیدؓ کو فرمایا " تم ہمارے بھائی اور دوست ہو یہ سن کر وہ رقص کرنے لگے اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا"۔ (یہ تواجد ہے)

مشکوٰۃ شریف میں ہی ایک اور حدیث ہے کہ " جب حضرت جعفر بن ابی طالبؓ فتح خیبر سے تشریف لائے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کی پیشانی کو چوما اور گلے سے لگایا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا" تم جسمانی اور اخلاقی طور پر مجھ سے زیادہ مشابہت رکھتے ہو"۔ یہ سن کر حضرت جعفرؓ رقص کرنے لگے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں منع نہیں فرمایا اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (یہ تواجد ہے)

ابوداؤد اور شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نماز کسوف ادا فرما رہے تھے اور سجدے میں اُف اُف کہتے جا رہے تھے اور روتے رہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ نماز میں رونا اور وجد میں آنا جائز ہے۔

حضرت اُنسؓ سے روایت ہے کہ " حبشی آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے رقص کرتے تھے اور اپنی زبان سے " محمد عبد صالح " محمد نیک بندے ہیں۔ کہتے تھے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر منع نہ فرمایا"۔ (مسند احمد)(یہ تواجد ہے)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا :

ترجمہ " گڑگڑاؤ اور رو۔ تحقیق کہ آسمان ، زمین ، سورج ، چاند اور ستارے بھی روتے ہیں"۔(جب خشوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ حرکت کا ظہور بھی ہوتا ہے)

بخاری شریف میں ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو پشت اور شانوں کے درمیان تھا حرکت کر رہا تھا۔ کندھا مبارک لرز رہا تھا اور فرمایا کہ : " قسم ہے کہ ڈر رہا ہوں کہ کہیں وفات نہ پا جاؤں " آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام اعضاء مبارک حرکت کر رہے تھے۔ کیونکہ تمام اعضاء دل کے تابع ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور اولیا کرامؒ کے قول و عمل سے وجد کے ثبوت:

سرکار دو عالم خاتم النبیین ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جب حضرت بلالؓ پہلی مرتبہ مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کے اصرار پر اذان کے لیے کھڑے ہوئے اور جب " اشھد ان محمد رسول اللہ " پر پہنچے تو شدت رنج والم کی وجہ سے خود پر قابو نہ پا سکے اور محبت و فراق رسول خاتم النبیین ﷺ کے سبب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اور پورے مدینے میں آہ و بکا مچ گیا۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے سورۃ الطور، آیت نمبر 8- 7 پڑھی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ

ترجمہ " : بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہوگا۔ کوئی چیز اس عذاب کو واقع ہونے سے نہیں روک سکتی "۔ تو حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی"۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا" کچھ لوگ وجد کرتے اور ادھر ادھر جھکتے ہیں"۔ آپؒ نے فرمایا" انہیں چھوڑو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ طریقت نے ان کے جگر کاٹ دیئے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں پھٹ گئے ہیں اور اگر اب وہ اپنے اس حال کے مداوے کے لئے کچھ کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں"۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں "اگر تو سچا ہے تو وجد میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تو مخلص ہے تو ذکر میں ادھر ادھر جھکنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں "۔

علامہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ " میں نے شیخ شبلیؒ کو دیکھا کہ ایک گڑھے میں تواجد کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے کپڑوں کو پھاڑ دیا اور شعر پڑھتے رہے جن کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ " : میں نے اپنے کپڑوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے عشق میں پھاڑ دیا اور میرا کپڑوں کو پھاڑنے کا ارادہ نہ تھا۔ میرا تو اپنا دل پھاڑنے کا ارادہ تھا۔ لیکن دل کے بجائے میرے ہاتھوں نے گریبان اور کپڑوں سے ٹکر کھائی۔ اگر میرے گریبان کی جگہ دل ہوتا تو یقیناً پھاڑنے کے لئے دل ہی مستحق تھا" ۔

****

فنا اور بقا

اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے کہ :(سورہ نحل، آیت نمبر 96) مَاعِندَکُم یَنفَدُ وَ مَاعِندَاللّٰہِ بَاقٍ
ترجمہ:" جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے واالا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا"---- باری تعالیٰ کا یہ ارشاد فنا اور بقا کے تصورات کی اساس ہے۔

فنا:- فنا اس حالت کو کہتے ہیں جب سالک کی نگاہ غیرت سے اٹھ کر سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کچھ نہ دیکھے یا جب سالک کی نگاہ سے غیرت اٹھ جائے اور اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔

بقا:- بقا اس حال کو کہتے ہیں کہ اس حال فنا سے اس کو افاقہ ہو اور خالق ومخلوق حادث وقدیم میں تمیز کر سکے۔ طالب صادق کو پہلے فنائے فعلی ہوتی ہے اور پھر فنائے صفاتی اور پھر فنائے ذاتی ہوتی ہے۔یعنی سب سے پہلے اپنے افعال کو افعال خدا میں ، پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پا تا ہے،
فنا کی بھی تین قسمیں ہیں: (1) فنائے اوّل (2) فنائے ثانی (3) فنا اُلفنا

(1) فنائے اول :- کا سالک حالت خواب اور حالت مراقبہ میں اپنے آپ کو مردہ اور تمام جہان کو نیست ونابود پا تا ہے اس فنا کو عوِ ڈ (پلٹ جانے کا) کا خوف ہے اور یہ فنا حقیقت ہے۔

(2) فنائے ثانی :-کا سالک جاگتے میں چشم ظاہر سے اپنے آپ کو اور تمام جہان کو معدوم اور صرف ایک ذات الوجود کو موجود پا تا ہے اس فنا کو عوِ ڈ (پلٹ جانے کا) کا خوف نہیں ہے۔

(3) فنا اُلفنا:- اس کو کہتے ہیں کہ سالک کو شعور فنا بھی باقی نہ رہے یہی فنا شریعت سے چسپاں اور طریقت سے وابستہ ہے۔

اولیائے فنا ثانی اور فنا اُلفنا کا وجود خلق کے لئے رحمت حق اور اُن کی ذات ذاتِ کبریت احمر ہے اگرچہ تینوں قسم والی فنا کی جماعت اولیاء میں داخل ہے لیکن مرتبہ اور فیض میں ،قرب خدا اور اثر محبت میں ان کے بہت فرق ہے۔

فنا اور بقا دونوں صفتیں ہیں اور ہمارے ہی اوصاف کی تحقیق ہیں فنا اور بقا دونوں ساتھ ساتھ چلتی ہیں لیکن یہ کہنا رَوا ہو گا کہ فنا اور بقا دونوں یکسر جدا گانہ صفتیں ہیں اس لیے کہ فنا سے ذکر غیر اور بقا سے ذکر حق مراد ہے وہ جو اپنے آپ سے فانی ہو جائے حق کے ساتھ باقی ہو جا تا ہے اور اگر کوئی بندہ اپنے مقامات بندگی میں ہی الجھ جائے اور اس کی بندگی اس کی نگاہوں میں ہی چمکنے لگے تو وہ اپنا مقام بندگی کھونے لگتا ہے۔ بندہ اپنی بندگی کی حقیقت تک تب ہی پہنچتا ہے جب اس کا عمل اس کی نگاہوں میں بچ ہو جائے اور ہمہ وقت ذات حق کا مشاہدہ ہی اس کی نگاہوں میں رہے۔ **دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کے تمام اعمال وافعال اس کے اپنے ارادے اور طاقت کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ذات حق کی طرف منسوب ہوں ،بندے کا ہر فعل ناقص اور فاعل حقیقی کا ہر فعل کامل ہوتا ہے چنانچہ جب بندہ غیر اللہ کے تعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو وہ فنائیت سے آگے گزر کر بقائے دوام کی منزل کو پالیتا ہے۔** آخر میں یہ بات دھیان میں بھی رہے کہ فنا اور بقا کے سرچشمے اخلاص اور وحدانیت سے پھوٹتے ہیں یہی عبودیت کی جان ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہو وہ زندیقی ہے فنا سے فنا ہو جانا یعنی فنا (اُلفنا) گو یا حق سے ہم کلام ہو جانا ہے۔جسم ،روح ،جان ،قلب ،سرتاپا عجز،عاجزی ،انکساری اور تواضع سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

خواجہ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کی باتیں معلوم ہوتی ہیں ان کا وقوف مختلف صورتوں میں ہوتا ہے حقائق کائنات ان کو صورت پذیر ہو کر نظر آتے ہیں کبھی خوبصورت انسانی شکلیں دکھائی دیتی ہیں کبھی بدصورت شکلیں۔کبھی لکھی ہوئی سطریں نظر آتی ہیں تو کبھی ڈراؤنی آوازوں کی صورت میں کچھ کہا جاتا ہے ان معاملات میں زمانہ قدیم ہی سے لوگ ہر قسم کے خواب کو بے تکا اور بے جوڑ نہیں سمجھتے رہے بلکہ عقیدہ یہ چلا آرہا ہے کہ بعض اوقات خواب سے گزشتہ یا آئندہ واقعات کا انکشاف براہ راست ہوتا ہے۔اور بعض اوقات گہری نفسی حقیقتوں اور روح کی گہرائیوں کے میلانات اور تاثرات تمثیل کی صورت میں پیش آتے ہیں۔ **سطحی شعور کی زبان حسی اور عقلی ہے لیکن انسان کے باطن کی زبان تمثیلی ہے انسان کا تحت الشعور تمثیل ساز اور صورت گر ہے ۔تحت الشعور کے بہت سے طبقے انسان کی ذاتی کشائش حیات سے تعلق رکھتے ہیں** اور یہی کشائش خواب میں بہروپیوں کی طرح مختلف لباسوں میں متمثل ہوتے ہیں لیکن روح انسانی کی گہرائیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟
انہی گہرائیوں میں شیطان بھی ہیں اور ملائکہ بھی۔ اور انہی گہرائیوں میں صفات الٰہی کے پرتو (عکس) اور اسرار غیب کے انکشافات بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی نسبت سورہ الحدید، آیت نمبر 3 میں خود فرما تا ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ

ترجمہ: " وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے"۔

موجودات کا ظاہر اس کے باطن سے الگ نہیں ہر جگہ باطن کا آئینہ ہے علمائے ظاہر کی نظر ظاہر پر زیادہ پڑتی ہے اور باطن پر کم۔ اس کے برعکس انبیاء اکرام اور اہل باطن صوفیاء اکرام کی نظر سطحوں سے نیچے موجودات ومظاہر کے باطن در باطن پر پڑتی ہے۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ تصوف سیکھنے کی چیز نہیں ہوتی یہ انعام ازلی ہے اور جس کے خمیر میں ہے وہ ہی اس سے فائدہ مند ہوسکتا ہے اسلئے کہ جب حقیقت پسندی کا شوق دل میں ہوتا ہے تو ہر چیز میں حقیقت کی تلاش ہوتی ہے مثلاً حُسن ،لذت ،مسرت انسان کے اصل مطلوب ہیں اب ان چیزوں میں بھی حقیقت ومجاز کے مراتب ہیں۔ بچہ کھیل ،تماشے ،چھوٹی اور مصنوعی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کا مزاج کسی قدر صحیح ہونے لگتا ہے تو پسند کا معیار بھی ترقی کر جاتا ہے اور اب وہ ان سب چیزوں کو پسند کرتا ہے جو واقعیت اور اصلیت ہوتی ہیں اور جب اس کی عقل وادراک میں اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو یہ معیار اور زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔

خواجہ فرید الدین عطارؒ کی بے شمار تصنیفات ہیں ان میں " منطق الطیر" ہے یہ ایک تمثیلی مثنوی ہے جو کہ 4600 اشعار پر مشتمل ہے مثنوی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ،رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی نعت اور صحابہ اکرام کی منقبت اشعار تحریر کئے گئے ہیں۔ آخیر میں ایک خاتمہ ہے۔ مضمون پرندوں کے اجتماع سے شروع ہوتا ہے آپؒ پرندوں کا خیال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پرندوں کے خیال میں دنیا میں کوئی ملک بادشاہ کے بغیر خوشحال نہیں رہ سکتا، اسلئے پرندے بھی اپنے بادشاہوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے اور وہ اپنا بادشاہ سیمرغ کو خیال کرتے ہیں اس کو تلاش کرنے کے لئے تمام پرندے ہُدہُد کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں ہُدہُد وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمام پرندوں کو سیمرغ تک پہنچا دے گا مگر راستے کی سب صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے وہ قوت برداشت رکھتے ہوں، ان پرندوں میں تیس پرندے ایسے ہوتے ہیں جن کی طلب صادق ہوتی ہے ان کو سالک کہا جاتا ہے ،سالک جو صعوبتیں برداشت کرتے ہیں وہ حقیقت میں عارفوں کی ریاضتیں اور مجاہدے ہیں۔

<u>(1) پہلی وادی طلب وجستجو ہے:</u> -جب تک کوئی سالک اپنے اندر طلب یا جستجو پیدا نہ کرے وہ کمال کے راستے پر گامزن ہو نہیں سکتا جو طلب کرے گا سو پائے گا۔

<u>(2) دوسری وادی عشق کی ہے:</u> -اس کے لئے سالک کو اپنی منزل مقصود سے اتنی وابستگی ہو کہ وہ راہ طریقت میں بلا اندیشہ چل پڑے اور راستے کی تکلیفوں سے نہ ڈرے۔

<u>(3) تیسری وادی معرفت کی ہے:</u> -معرفت ہر سالک کی عقل وخرد کے مطابق ہوتی ہے۔

<u>(4) چوتھی وادی استغنا کی ہے:</u> -اس وادی میں سالک کو دنیا ومافیا سے بے نیاز ہونا پڑتا ہے جو شخص خواہشات دنیا کا اسیر ہوگا وہ اس وادی تک نہیں پہنچ سکتا ،سالک بلند نظر ہوتا ہے اس کی نظر میں دنیا اس نقش کی مانند ہے جو کسی تختی پر بنا کر مٹا دیا جاتا ہے۔

دنیا کو بقدر ضرورت ہاتھ میں رکھو یہ ہاتھ میں ہے تو دَوا ہے دل میں ہے تو درد ہے۔

<u>(5) پانچویں وادی توحید کی وادی ہے:</u> -یہاں پہنچ کر سالک اگر اس مقام کو پہچان لیتا ہے تو اسے کثرت میں وحدت نظر آنے لگتی ہے وہ ہر شے میں اللہ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے " من وتو " کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔

<u>(6) چھٹی وادی بے خودی کی ہے:</u> -اس میں سالک بے خود اور آوارہ ہو جاتا ہے وہ بے خود اور آوارگی کی حالت میں گھومتا رہتا ہے یہاں اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری معلومات محدود تھیں اور وہ محض لاعلم تھا تو وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی ہستی سے بھی بیگانہ ہو جاتا ہے۔

<u>(7) ساتویں وادی مقام فنا کی ہے:</u> -یہاں آکر سالک کی جسمانی خواہش، تکبر، غرور ،خود پرستی سب کچھ زائل ہو جاتا ہے اس لحاظ سے وہ اپنے آپ کو کھو کر عالم وحدت کا ایک حصہ بن جاتا ہے اور " واصل حق "ہو جاتا ہے۔ اسی فنا سے اسکو بقا حاصل ہو جاتی ہے یہی سالک کے راستے کی سات منازل ہیں جنہیں خواجہ عطارؒ نے پرندوں کی سات وادیوں اور منزلوں کی صورت میں ظاہر کیا۔ چنانچہ تیس پرندے بھی راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بالآخر وادی فنا میں پہنچ جاتے ہیں یہی وادی فنا سیمرغ کی بارگاہ ہے جہاں سیمرغ اور " سی مرغ " میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، تیس پرندے گویا خود اپنی حقیقت پا لیتے ہیں-

بقا صرف ذات باری تعالیٰ کو ہے اور بندہ جب تک اپنی ذات کے پنجرے میں مقید رہے گا اس وقت تک نہ اسے بقا کی منزل ہاتھ آئے گی اور نہ ہی وہ حسن مطلق کا مشاہدہ کر سکے گا لہٰذا مشاہدہ حق کی خاطر اسے اپنی ذات۔ اپنی انانیت ،اپنا جسم ، اپنی روح اور اپنا وجود یہ سب کچھ فنا کرنا ہوگا کیونکہ یہ تمام چیزیں عالم خلق سے ہونے کے باعث فانی ہیں جب تک ان کا وجود باقی رہے گا اللہ بندے سے محجوب (چھپا ہوا) ہی رہے گا اور ان کے فنا ہوتے ہی بندے کو ذات مطلق سے تعلق کے باعث بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

فکروعبرت (فکر کیا ہے؟)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک ساعت کا فکر ایک برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فکر کیا ہے؟ فکر کیسے کرتے ہیں؟ اور کن چیزوں میں کرتے ہیں؟

فکر کی راہیں:- واضح ہو کہ فکر کبھی تو ایسے کام میں ہوتا ہے جو دین سے متعلق ہوں اور کبھی ایسے کام سے متعلق ہوتا ہے جو دین سے متعلق نہ ہوں (غیر دین) میں۔

ہم یہاں پر دین سے متعلق فکر پر بات کریں گے۔

دین سے متعلق سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ معاملات جو خدائے تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں۔

فکر دو طرح کا ہے۔

1۔ **بندہ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق** 2۔ **اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق**

(1) جو فکر بندے سے متعلق ہے اس کی دو قسمیں ہیں

(الف) بندے کے ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں (ب) بندے کے ان احوال میں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہیں

اور ان دونوں قسموں کے سوا اور کسی چیز میں فکر کی حاجت نہیں

(2) اور جو فکر اللہ سے متعلق ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں

(الف) وہ یا تو اس کی ذات وصفات اور اسمائے حسنیٰ میں ہوگا۔

(ب) یا پھر اس کے افعال ملک اور ملوک اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان کی چیز میں ہوگا۔

اب ہم اول قسم کا بیان شروع کرتے ہیں یعنی

(1) بندہ اور اس کی صفات اور احوال سے متعلق:۔

فکر کرنا اپنے نفس کی صفات اور افعال میں:۔ یہ فکر علم معاملہ سے متعلق ہے یعنی یہ علم مکاشفہ سے نہیں ہے۔

اب جو صفات اللہ کے نزدیک محبوب یا مکروہ ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

1) ظاہری جیسے (الف) ''طاعات'' (بندگی) اور (ب) ''معاصی'' (گناہ)

2) باطنی جیسے (ج) ''مہلکات'' (ہلاک کرنے والی) اور (د) ''منجیات'' (نجات دینے والی)

اب ان چاروں کی ایک ایک مثال دی جاتی ہے۔

طاعات:۔ فرائض جو بندے کے ذمہ فرض ہیں ان کو دیکھئے کہ اس کو نقصان اور تقصیر (کمی) سے بچاتا ہے یا نہیں؟ پھر ہر عضو کے باب میں فکر کرے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں وہ اس سے ہوتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً جیسے کہ آنکھ دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہے کہ زمین وآسمان کے اسرار دیکھے تا کہ طاعت الٰہی میں لگی رہے۔ اسی طرح کان کے لئے خیال کرے کہ میں مظلوم کی فریاد بھی سن سکتا ہوں۔ میں حکمت وعلم اور قرات اور ذکر سننے پر قادر ہوں؟ پھر کان کو بیکار کیوں رکھتا ہوں؟ اسی طرح زبان میں فکر کرے کہ میں زبان سے تعلیم اور واعظ کے باعث اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتا ہوں اور نیک بختوں کے دل میں محبوب ہوسکتا ہوں پھر اس نعمت سے اپنی زبان کو کیوں محروم رکھتا ہوں؟ اسی طرح مال میں فکر کرے کہ میں فلاں مال کو صدقہ کرسکتا ہوں اس لئے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور اگر آئندہ حاجت ہوگی تو رب تعالیٰ عنایت فرمادیں گے جبکہ فلاں شخص اس مال کا مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے۔ پس تمام اعضا، مال ومویشی، غلاموں اور اولاد میں فکر کرے پھر ان میں اخلاص ونیت کی تدبیر سوچے جن سے اللہ تعالیٰ کی طاعات کی طرف رغبت پیدا ہو۔

انسان صرف وہی ہے جو اللہ کی ذات کو جانے اور پہچانے- اور اس کے بعد اس کی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے- موت سب سے بڑی حقیقت ہے جس کو آج ہم بھلا بیٹھے ہیں- اس کے برعکس زندگی سب سے بڑا دھوکا ہے جس کے پیچھے ہم بھاگ رہے ہیں- نفس امارہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے جو ہمیں اس دنیا میں الجھا کر موت کو نظر انداز کروا دیتا ہے- ہم غور ہی نہیں کرتے کہ آج جبکہ ہم زندہ ہیں کوئی ہمارے ساتھ وفا نہیں کرتا اور کل جب ہم ڈھیروں مٹی تلے ہوں گے تو کون ہمیں یاد

رکھے گا؟

قبر کی تنہائی سے پہلے بھی قدرت ہمیں کئی مواقع دکھاتی ہے تا کہ ہم اللہ تعالی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کر سکیں- یہ مال وجاہ کی محبت ہی ہے جو ہمیں اللہ کی یاد سے اور اس کی اطاعت سے غافل رکھتی ہے- ہر انسان دوسرے انسان کی خواہش کے ڈھانچے میں نہیں ڈھل سکتا-لیکن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے ایک دوسرے کا ادب، محبت واحترام اور ایک دوسرے کو حق بات کرنے کی تلقین کرنا ہمارے اختیار میں ہے-اس لئے اپنے ہاتھ سے کی ہوئی نیکی اور دوسروں سے سرزد ہونے والے گناہوں کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے کیونکہ اپنی نیکی کو چھپانا ہمارا امتحان ہے اور دوسروں کے گناہوں کو چھپانا ہمارا ے کردار کا نام ہے-

بہت ہی عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو زندگی کی تلخ لمحات کی کرواہٹ کا مزہ چھکنے کے باوجود خود کڑوے نہیں ہوتے بلکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ----اللہ تعالی کے احکامات کو مانتے ہوئے---اپنے اخلاق ،اپنے رویے اور محبت کی مٹھاس کو قائم رکھتے ہوئے ہمیشہ ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہیں-نرم لہجے میں بات کرتے ہیں---مسکراتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حسن اخلاق تمام اعمال سے بھاری عمل ہے-

(ب) قسم دوئم معاصی:- انسان کو چاہیے کہ صبح اٹھ کر اپنے سارے اعضاء جسم میں فکر کرے؟ کہ میرا کوئی عضو کسی معصیت کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔ اگر مرتکب ہوا ہو تو توبہ اور ندامت کرے۔ مثلاً زبان میں فکر کرے کہ جھوٹ ،غیبت ،ٹھٹھا اور دوسروں کی بات کاٹنے میں تو مصروف نہیں ہوتی۔اسی طرح کان میں فکر کرے کہ ان سے جھوٹ ،غیبت اور فضول کلام کی باتیں تو نہیں سنی جاتیں؟ اور پیٹ کے بارے میں فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کھانے پینے میں تو نہیں کرتا۔اس طرح کہ حلال رزق سے اتنا کھا جاتا ہے کہ جس سے شہوت بڑھتی ہے اور شہوت شیطان کا ہتھیار ہے۔ یا مال حرام یا مشتبہ تو استعمال میں نہیں آتا؟ اس لئے کہ حرام مال کے ساتھ تمام عبادات بیکار ہو جاتی ہیں۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔''اللہ اس بندے کی نماز قبول نہیں کرتا جس کپڑے میں ایک درہم حرام کا لگا ہوا ہو''۔

اسی طرح سب اعضاء میں فکر کرے-

اللہ تعالی سے اچھا گمان رکھا جائے-نیک اعمال کے ساتھ **''حسن ظن''** بہترین حاصل ہے-ہمارا گمان ہی درحقیقت ہماری تقدیر کا وہ خفیہ سافٹ ویئر (software) ہے جو خاموشی سے ہماری زندگی کے نتائج مرتب کرتا ہے-اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہمارا ذہن ایک سپر کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے-ہم جو پروگرام، جو سوچ، جو یقین اس میں انسٹال کریں گے وہی ہماری زندگی کا رزلٹ بن کر سامنے آجائے گا۔

(ج) مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزیں):۔ تیسری قسم وہ صفات مہلکہ ہیں جن کا محل دل ہے۔اور وہ یہ صفات ہیں۔ شہوت کا غالب ہونا اور غضب اور بخل اور کبر اور عُجب ، ریا، حسد، بدگمانی ،غفلت اور غرور وغیرہ کا موجود ہونا۔ان صفات میں سے جو صفت بھی اپنے اندر پائے اس پر غور وفکر کرے اور ملامت کر کے تدارک کرے ورنہ ہلاکت ہے-

اس لئے ہمیں چاہئے کہ شکووں اور کم ہمتی کے بوسیدہ نظام کو اپنے وجود سے کھرچ کر پھینک دیں-جو لوگ ہر وقت حالات کا رونا روتے رہتے ہیں وہ کبھی نہیں بدلتے -بدلتے وہ ہیں جن کا اللہ کی رحمت پر گمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے-اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نبی کریم کی اتباع اور قرآنی احکامات میں سے کن احکامات کو مان کر اپنی زندگی کا ایک نیا اور کامیاب وژن (Vision) خود لکھیں گے-ہمیں چاہئے کہ ہم اب بھی غفلت کی نیند سے جاگ جائیں اور اس نظام حق کی سر بلندی کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں-کیونکہ ہم وہ نہیں بنتے جو ہم چاہتے ہیں بلکہ ہم وہ بنتے ہیں جس پر ہمارا پختہ یقین ہوتا ہے-ہمیں اللہ تعالی سے اچھا گمان رکھتے ہوئے اس کی ہر نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے فضل وکرم کا آرزومند رہنا ہے-ہم نے کوشش کرنی ہے کہ مندرجہ بالا تمام برائیاں ہم ختم کرسکیں-

(د) منجیات (نجات دینے والی چیزیں):۔ چوتھی قسم نجات دینے والی چیزیں ہیں۔یعنی توبہ اور گناہوں پر ندامت ، بلا پر صبر ، نعمت پر شکر ، خوف ورجا (امید) اور دنیا میں زہد اختیار کرنا ، اخلاص واوصاف صدق اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی تعظیم کرنا اور اس کے افعال پر راضی ہونا۔اس کا شوق کرنا اس کے لئے تواضع اور خشوع کرنا۔

بس بندے کو ہر روز فکر کرنا چاہیے کہ ان اوصاف میں سے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرتے ہیں مجھ کو کون سے اوصاف کی حاجت ہے؟ پس جب یہ منظور ہو کہ آدمی اپنے نفس کی توبہ اور ندامت کا حال حاصل کرے تو اول اپنے گناہوں کو تلاش کرے اور ان کو سوچے اور نفس پر سب کے سب اکٹھا کرے اور دل میں ان کو بہت بڑے جانے۔ پھر اس سخت وعید پر نظر کرے جو شریعت میں ان گناہوں پر مقرر کی گئی ہیں اور پھر اپنے جی میں یہ خیال پکا کرے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے غضب کے کام کر رہا ہوں۔اس تدبیر سے ندامت کا حال پیدا ہوگا۔اور جب یہ چاہے کہ شکر کا حال دل سے ابھرے تو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کو دیکھے اور فکر کرے اور اگر حالت خوف پیدا کرنا ہے تو اپنے گناہوں ،ظاہر اور باطنی پر نظر کرے پھر موت ، پھر منکر نکیر پر ، پھر عذاب قبر ، پھر بچھو، سانپ ، پھر یوم حشر ، پھر حساب کا جھگڑا اور تنکے تنکے کی باز پرس اور پھر فکر کہ

معلوم نہیں میں کن لوگوں میں شامل کیا جاؤں گا؟۔ نیک بختوں یا بدبختوں میں؟ تو ان تمام صفات مذمومہ سے باز آنے کے لئے آدمی کو چاہیے کہ تلاوت کرے اور جس چیز میں تفکر منظور ہو اس مضمون کی آیت کو دہرانا اختیار کرے گو سو مرتبہ وہ پڑھی جائے۔اس لئے کہ ایک آیت کو تفکر اور فہم سے پڑھنا سارے قرآن پاک کو مکمل ختم کرنے سے بہتر ہے۔اسی طرح حدیث رسول خاتم النبیین ﷺ کا مطالعہ کرنا ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کو کلمات جامع عنایت ہوئے۔آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کا ہر لفظ حکمت کا سمندر ہے۔

مہلکات میں سے دس چیزوں میں نظر کرنا کافی ہے اگر ان سے بچ گیا تو سب سے بچ گیا وہ یہ ہیں۔

بخل، کبر، عُجب، ریا، حسد، کینہ وبغض، حرص غذا، کثرت شہوت، محبت مال، محبت جاہ (شہرت)

منجیات میں دس چیزیں کافی ہیں:۔ گناہوں پر ندامت، بلا پر صبر، قضا پر راضی، نعمت پر شکر، خوف اور امید کا معتدل رہنا، دنیا میں زہد اختیار کرنا، اعمال میں اخلاص، خلق سے خوش خلقی، اللہ سے محبت اور اس کے سامنے خشوع۔

تمام بری صفات کو ایک ایک کر کے غور کرے اور مجاہدہ کرے۔اس کو چھوڑے اور تمام اچھی صفات اور اس کے انعام پر غور کرے اور پھر ایک ایک حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ ہر دم اسی کی فکر پال لے کہ ایسا نہ کروں گا تو میرا انجام کتنا خوف ناک ہوگا۔ **وعظ و تبلیغ کرنے والوں کو ہر وقت یہ خیال رکھنا اور ڈرنا چاہیے کہ ''جاننے والے کی سزا جاہل سے بہت زیادہ ہے۔عالم کا فتنہ بہت بڑا ہے یا تو وہ بادشاہ ہے یا تباہ ہے''۔**

ہمیں ہر وقت ایک بات اپنے پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید بعض اوقات ایسے لوگوں سے کروائے گا جن کا دین میں حصہ نہ ہوگا۔یعنی علوم دینیہ ایسے لوگوں کے باعث بھی پھیلیں گے جن کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔پس عالم کو نہیں چاہیے کہ فریبوں سے دھوکا کھا کر خلق سے ملنے میں مشغول رہے اور اپنے دل میں جاہ، ثنا اور تعظیم کی محبت کو پرورش دے جو نفاق کا تخم ہے۔

(2) دوسری قسم کا فکر:۔ <u>خدائے تعالیٰ کے جلال عظمت اور کبریائی میں فکر</u>

اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے ناموں کے مضمون میں فکر ممنوع ہے۔اس کے لئے شرع میں ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اس کی ذات میں فکر مت کرو۔اس لئے کہ اکثر انسانی عقلوں کو اس کی تاب نہیں بلکہ تھوڑی سی مقدار جس کی تصریح بعض علما نے کی ہے کہ خدائے تعالیٰ مکان، اطراف اور جہات سے پاک ہے وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر نہ اس سے ملا ہوا ہے نہ جدا ہے۔اس سے کچھ لوگوں کی عقل ایسی حیران ہوئی کہ وہ اس کے منکر ہو گئے کیونکہ نہ سننے کی طاقت اور نہ پہنچاننے کی۔اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انبیاء پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں سے میری صفتیں مت کہو، ورنہ مجھ کو نہ مانیں گے بلکہ ان سے میرا حال ایسے الفاظ میں کہو کہ وہ سمجھ لیں۔

واضح رہے کہ دنیا میں جو چیز موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے اور اسی کی پیدائش ہے۔اور ہر ایک ذرہ سے اس کی قدرت اور جلال وعظمت ظاہر ہوتی ہے موجودات جو خدائے تعالیٰ کی مخلوق ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

1) ایک یہ کہ ان کی اصل معلوم نہیں تو ایسی اشیاء میں فکر کرنا محال ہے۔اور ایسی موجودات بہت ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔

2) اور ایک وہ کہ جن کی اصل معلوم ہیں پہچانی جاتی ہیں لیکن تفصیل معلوم نہیں تو ایسی اشیاء میں تفصیل کی فکر کرنا ممکن ہے اور ان اشیاء کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(1) ایک وہ جو آنکھ سے سوجھتی ہیں اور (2) ایک وہ جو آنکھ سے نہیں سوجھتی

جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں وہ فرشتے ہیں، جن، شیاطین، عرش اور کرسی وغیرہ ہیں ایسی اشیاء میں فکر کی مجال کم ہے۔

ہمیں ایسی اشیاء میں فکر کرنا ہے جو آنکھ سے سوجھتی ہیں وہ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔پس آسمان میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں، ستارے، چاند، سورج، ان کی حرکت اور گردش، نکلنا اور ڈوبنا اور زمین میں یہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ پہاڑ، کانیں، نہریں، دریا، حیوانات، نباتات۔قرآن پاک میں ان میں فکر کرنے کی ترغیب ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ترجمہ: ''تحقیق آسمان وزمین کا بنانا اور رات ودن کا بدلنا، البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے''۔(سورۃ آل عمران، آیت نمبر 190)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک سورۃ المومنون آیت نمبر 12 سے 14 میں فرماتا ہے کہ: ترجمہ: ''ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا پھر اس بوند سے ایک پھٹکی بنائی۔ پھر اسی پھٹکی سے بوٹی بنائی۔ پھر اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔''

پس نطفہ کے قرآن پاک میں بار بار ذکر کرنے سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ بس اس کو پڑھ اور سن لیا جائے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات دعوت فکر دے رہی ہے کہ انسان کی ذات کے اندر باری تعالیٰ نے جو کاریگری دکھائی ہے اس پر غور کرو تاکہ تم شکر بجا لاؤ۔انسان غور نہیں کرتا کہ وہ ایک قطرہ ناپاک نجس تھا پھر اس کو اس کے پیدا کرنے

والے نے پشتوں اور چھاتیوں سے نکال کر اس کی شکل مقدار اور صورت عمدہ بنائی اور اس کے اجزا جو ملے ہوئے تھے ان کو جدا جدا عضو بنائے۔ پھر ہڈیوں کو مضبوط کیا اور اعضاء کی شکلیں اچھی کیں۔ ظاہر اور باطن کو آراستہ کیا، رگوں اور پٹھوں کو ایک دوسرے پر رکھا ان میں غذا کے جانے کی جگہ مقرر کی تاکہ سبب اس کے زندہ رہنے کا ہو اور اس کو سننا، دیکھنا، جاننا اور بولنا بتایا۔ پھر آنکھوں کو پپوٹوں سے ڈھانپا پھر کان بنائے ایک خاص انداز میں تاکہ باہر سے کوئی کیڑا کان میں جائے تو فوراً اسے معلوم ہو جائے۔ پھر ناک کو چہرے کے بیچ میں عمدہ شکل دی۔ سونگھنے کی حس دی۔ منہ بنایا اور اس میں زبان رکھی۔ جو دل کے اندر کی باتیں بیان کر سکے آلہ آواز رکھا۔ دانتوں سے منہ کو زینت دی۔ دانتوں کی جڑوں کو مضبوط بنایا۔ آنکھوں کو پلکوں سے زینت بخشی۔ پھر اعضائے باطن کو پیدا فرما کر ہر ایک کو اس کے معین کام کے واسطے مخصوص فرمایا۔ ہاتھ بنائے انگلیوں کے سروں پر ناخن حفاظت اور مضبوطی کے لئے بنائے۔ ہاتھ کو خارش کی جگہ بتادی کہ سوتے میں بھی خارش کی جگہ پر خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ پیر بنائے، ہڈیوں سے جسم کو مضبوطی بخشی۔ پھر یہ باتیں پیٹ میں تین اندھیروں کے درمیان ہوتی ہیں۔ سب امور ایک دوسرے کے بعد بنتے چلے جاتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

قرآن پاک میں سورہ المؤمنون، آیت نمبر 14 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ''پس بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا'' -

غور کریں کہ کیا کوئی ایسا مصور ہے جو اوزار کو ہاتھ نہ لگائے نہ جس چیز کو بناتا ہے اس کو چھوئے اور تہہ بہ تہہ اندھیروں کے اندر تصرف کرے۔ یہ شان اسی پاک ذات کی ہے اور کسی کی مجال نہیں۔ پھر اس کی کمال قدرت اور رحمت کاملہ کو دیکھو۔ کیسے بچے کو نکلنے کی راہ سمجھائی؟ پھر نکل آیا اور غذا کا محتاج ہوا تو کیسے چھاتیوں کو منہ میں دبانے کی ترکیب بتائی؟ پھر خون اور غلیظ سے کیسے دودھ بنایا؟ پھر والدین کے دل میں اس کے لئے کیسے شدت والی محبت ڈالی کہ دونوں اس کی خدمت کرتے ہیں؟۔ اس کی بیماری پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ جوں جوں بڑھتا گیا اللہ تعالیٰ کیسے اسے رفتہ رفتہ عقل، ہدایت، قدرت دیتا گیا یہاں تک کہ بالغ ہوا پھر جوان ہوا ہٹا کٹا۔ اور پھر جوانی گزاری پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا پھر بوڑھا ہوا۔ ناشکرا یا شکر گزار۔ مطیع یا نافرمان، ایمان دار یا کافر بنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ دھر آیت نمبر 3-1 میں فرمایا؛

ترجمہ: ''کبھی انسان زمانے میں ایک ناقابل ذکر چیز تھا۔ بے شک ہم نے انسان کو ایک ناپاک بوند سے پیدا کیا پھر پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا سنتا اور دیکھتا پھر ہم نے اس کو سمجھ دی پھر یا حق مانتا ہے یا ناشکرا ہوتا ہے''۔

اگر آدمی غور و فکر کرنا چاہے تو خالق کی عظمت کی واضح دلیلیں اس کی فکر کے لئے کافی ہیں۔ مگر انسان ہے کہ ان تمام چیزوں سے غافل اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے دھندے میں لگا ہوا ہے۔ اسے اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ بھوک لگی تو کھا لیا، پیٹ بھرا تو سو رہا، شہوت ہوئی تو صحبت کر لی۔ غصہ آیا تو لڑ لیا۔ حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں جانور اور درندے سب شریک ہیں۔ خاصیت انسانی جس سے جانور محروم ہیں وہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے اسرار جانو اور پہچانو اور پھر دنیا کے عجائب پر غور کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانو۔ اس لئے کہ اس سے ہی بندہ مقرب فرشتوں کی جماعت میں داخل ہوتا ہے اور انبیاء اور صدیقین کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جناب سے نزدیک ہوتا ہے یعنی قرب خداوندی حاصل کرتا ہے۔ یہ مرتبہ جانوروں کو حاصل نہیں ہوتا اور نہ اُس آدمی کو جو دنیا سے صرف جانوروں کے خواص پر راضی ہو گیا۔ ایسا انسان جانوروں سے ہزاروں گنا بُرا ہے۔ اس لئے کہ جانوروں میں تو قدرت معرفت کی سرے سے ہے ہی نہیں۔ مگر انسان میں تو یہ قدرت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھی مگر اس نے اسے بے کار رکھا۔ تو ایسے لوگ جانوروں سے بدتر ہوتے ہیں۔

جب ہمیں طریقہ فکر کرنے کا آ گیا ہے تو زمین و آسمان کی ہر ہر چیز میں غور و فکر کریں۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے کیسے بچھونا بنایا؟ آسمان کو کیسے چھت بنایا، بغیر ستونوں کے؟ پھر جمادیات، نباتات، جنگلات، سمندر، پہاڑ، سورج، چاند، تارے، سیارے، رات دن، جانور، چرند، پرند، سمندر کے جانور وغیرہ، سال، مہینے، ہفتے، گردش ایام، دنوں کی تبدیلی، موسموں کی تبدیلی، خوراک، پھل، پھول، پتے، گھاس، غرض زمین و آسمان کی ہر ہر چیز پر غور کریں اور فکر کریں کہ باری تعالیٰ نے کس قدر ایسے نظام کے تحت یہ سب کاریگری دکھائی ہے اور پھر سوچے کہ یہ سب کچھ اس نے بیکار تو پیدا نہیں کیا ہوگا؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ پھر مقصد حیات اپنی موجودہ زندگی اور اپنی آخری زندگیوں پر غور کرے۔ پس جو شخص ان امور میں اس نظر سے فکر کرے گا کہ یہ خدائے تعالیٰ کے افعال اور صنائع ہیں۔ وہ تو ان سے معرفت خداوندی کی عظمت و جلالت حاصل کرے گا۔ ہدایت پا جائے گا اور جو ان کو نظر قصور سے دیکھے گا یعنی اس نظر سے یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر موثر ہیں اور مسبب الاسباب سے علاقہ نہیں رکھتیں تو وہ بدبخت اور تباہ ہوگا۔

نگاہ عیب گیری سے جو دیکھا اہل عالم کو
کوئی کافر، کوئی فاسق، کوئی زندیق اکبر تھا
مگر جب ہو گیا دل احتساب نفس پر مائل
ہوا ثابت کہ ہر فرزند آدم مجھ سے بہتر تھا

عالمِ امَراور عالمِ خلق

عالم امر:

عالم اَمر سے مراد (ترکیب عناصر سے خالی) جن کو صرف کُن کے اشارے سے پیدا کیا گیا، عالم اَمر کا اطلاق امرکُن سے پیدا ہونے والی تمام مخلوق پر ہوتا ہے۔ عالم اَمرعرش کے اوپر ہے یہ عالم بغیر مادے کے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے انسانی روحیں اور لطائف۔ عالم اَمر کے پانچوں لطائف یعنی قلب، روح، سِر، خفی، اخفیٰ کی اصل جڑ عرش کے اوپر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے عالم اَمر کے ان پانچوں لطائف کو چند جگہ انسان کے جسم میں امانت رکھ دیا ہے۔ تاکہ انسان ذکر الٰہی کے ذریعے ان پانچ لطائف کے کمالات سے فیض یاب ہوسکے اور اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکے۔ عالم امر کو عالم غیب، عالم ارواح، عالم لاہوت، اور عالم حیرت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان سب کے مجموعہ کو عالم مجردہ ذات بھی کہتے ہیں۔

آیت کریمہ ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' (سورۃ الاعراف 54 : 7) میں اسی عالم امر وخلق کی طرف اشارہ ہے۔

عالم خلق:

مادہ عناصرِ اربعہ (چار عناصر) سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق سے یاد کیا جاتا ہے یہ پانچوں لطائف نفس، ہوا، پانی، آگ اور مٹی سے مرکب ہے۔ عالم خلق عرش کے نیچے سے لے کر تحت الثریٰ تک ہے عالمِ خلق کے پانچوں لطائف کی جڑ عالم امر کے پانچوں لطائف ہیں یعنی نفس کی جڑ قلب، ہوا کی جڑ روح، پانی کی جڑ سِر، آگ کی جڑ خفی اور مٹی کی جڑ اخفیٰ۔ عالم خلق کو عالم اسباب، عالمِ اجسام، عالم شہادت اور عالم ناسوت کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے ان سب کے مجموعے کو معدیات بھی کہتے ہیں۔

صورت کعبہ باوجود کہ عالم خلق سے ہے لیکن حقائق اشیاء کی طرح ایسی پوشیدہ چیز ہے جو حس وخیال کی دسترس سے باہر ہے۔ عالم محسوسات سے ہے لیکن محسوس کچھ نہیں۔ خلق کی توجہ گاہ ہے لیکن توجہ میں کچھ نہیں۔ الغرض کعبہ کی صورت بطرز حقیقت ایک عجوبہ ہے کہ عقل اسکی تشخیص سے عاجز ہے۔ ہاں ہاں اگر کعبہ معظّمہ ایسا نہ ہوتا تو لائق مسجود بھی نہ ہوتا اور افضل الخلق رسول پاک خاتم النبیین ﷺ آرزو وشوق کے ساتھ اس کو اپنا قبلہ اختیار نہ فرماتے۔

''فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ'' (اس میں روشن نشانیاں ہیں) سورۃ آل عمران، آیت نمبر 97

نص قطعی اس کی شان میں ہے اور ''مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'' (جو کوئی اس میں داخل ہوا امن میں آ گیا) سورۃ آل عمران، آیت نمبر 97 اسی کی ستائش ہے۔

کعبہ کی حقیقت سے مراد واجب الوجود کی ذات ہے اور وہی صرف وہی لائق مسجودیت اور معبودیت ہے۔

****

دائرہ امکان

دائرہ امکان کے حالات سالک پر ذکر کثیر میں گزر جاتے ہیں۔ دائرہ ہر مقام کے واسطے اس لئے مناسب ہوتا ہے کیونکہ دائرے کا کوئی پہلو، کوئی کونہ، کوئی سمت ،کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس طرح قرب حق میں ہر مقام میں کوئی سمت اور کوئی حد نہیں ہوتی۔ لہٰذا دائرے کو مقامات سے نہایت مناسبت ہے۔ کیونکہ دائرہ نقطہ سے بنتا ہے اور خود بخود دو جود دائرہ نہیں ہے۔ لیکن وجود نقطہ اور وجود دائرہ دونوں الگ الگ ہیں۔ نہ دائرے کو مرکز سے وصل اور تعلق اور نہ مرکز کو دائرے سے۔ جب باوجود پیدائش دائرے کو مرکز سے تعلق اور وصل نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے خلق کا تعلق عین یا اتحاد اور وصل کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق میں دائرہ امکان کا تعلق 10 لطائف سے ہے۔

پانچ عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے

عالم امر کے لطائف: قلب، روح، سر، اخفٰی اور خفی ہیں

عالم خلق کے لطائف: خاک، آب، ہوا، آتش، اور نفس

گویا عرش سے اوپر ہر لطیفہ کی اصل عالم امر کی ہے اور عرش کے نیچے ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل ہے۔ جس کا دائرہ اس جگہ لکھا جاتا ہے۔

عالم خلق: اس کو کہتے ہیں جو بتدریج وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں

عالم امر: لفظ کُن کے ساتھ ہی پیدا ہو جاتے ہیں

اگر سالک صاحب کشف ہوتا ہے تو تحت الثریٰ سے لے کر بالائے عرش تک اس کو حالات جنت، دوزخ وغیرہ سب نظر آتے ہیں۔ لیکن فی زمانہ صاحب کشف سالک کم ہوتے ہیں۔ کشف بہت سی قسم کا ہوتا ہے۔ کشف عیانی، کشف حسی، کشف واحدانی۔ کشف ادراکی، بعض کو کشفِ قُبور، بعض کو کشفِ قُلوب، بعض کو صرف خواب اور بعض خوش نصیبوں کو یہ سب کچھ عنایت کیا جاتا ہے۔

کشف عیانی اور کشف حِسّی باقی تمام کشفوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہیں۔ یہ دونوں کشف صحیح طور پر امام وقت یا قطب یا قطب ارشاد کو کامل طور پر عنایت کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ انتظام عالم دنیا اور فیض رسانی عالم کے لئے یہ ذات مبارک مرکز ہوتے ہیں۔ اور ان کی اتباع میں اولیائے خدمت، مردان غیب، قطب، ابدال، اوتاد و نقیب و نجیب وغیرہ کو بھی کشف دیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے سے یہ صاحب تعمیل احکام الٰہی مثل خضر علیہ السلام کرتے ہیں۔ اور یہ اولیائے خدمت، پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ سوائے دوسرے اولیائے خدمت کے۔ لیکن بعض اولیائے عشرت زبردست بھی اولیائے خدمت سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کرسکتے۔ اور اولیائے عشرت جو قطب ارشاد کے تحت ہوتے ہیں۔ ان سے خلقت واقف ہو کر فائدہ اٹھاتی ہے۔ قطب مدار ہر زمانے میں ہر وقت رہتا ہے۔ گویا عالم کا دار و مدار اللہ تعالیٰ نے اس پر رکھا ہے جبکہ قطب ارشاد کسی زمانے میں ہوتا ہے اور کسی میں نہیں۔

آگاہی:- یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ مقامات قطب، ابدال، اوتاد وغیرہ کسی کو بلا مقام فنا و بقا کے حاصل نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی بلا فنا و بقا کے جماعت اولیاء میں کوئی داخل ہوسکتا ہے۔ مقام ولی شاذ و نادر صرف اور صرف فضل ربانی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اور بعض طلبا و طالبات ایسے بھی ہوتے ہیں جو ولی ہوتے ہیں لیکن حالات مذکورہ میں انہیں کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ ان کو صرف یقین عنایت کیا جاتا ہے۔ کمال یقین ہی ولایت ہے۔ یہاں تک کہ بعض کو اپنے ولی ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا۔ قبر میں جا کر معلوم ہوگا۔

کشف کا ہونا ولایت کے لئے ضروری بات یا شرط ولایت نہیں ہے کیونکہ کشفِ دنیا مسلمانوں کے علاوہ غیر مذاہب جوگیوں اور براہمنوں کو بھی ہوتا ہے۔ فلاسفروں کو بھی ہوتا ہے لیکن جو کشف غیر مذاہب لوگوں کو ہوتا ہے وہ صرف کشفِ اشیاء دنیا کا ہوتا ہے۔ ذات وصفات الٰہی یا عالم ملکوت کا نہیں ہوتا۔ ذات وصفات الٰہی و عالم ملکوت کا کشفِ تب تک ہرگز نہیں ہوتا۔ جب تک حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ کمال یقین کا نام ولایت ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کشف بالکل نہیں ہوتا۔ لیکن اہل کشفِ اولیاء سے بدر جہاں قُربِ حق میں ان کا قدم غالب ہوتا ہے۔ بعض اولیاء نہ اہلِ خدمت ہوتے ہیں۔ نہ اہلِ ارشاد صرف اُمت کی دعا کے لے مختص ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو کشف نہ ہو تو شناخت دائرہ امکان کے طے کر جانے کی یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ 4 گھڑی تک ذکر و فکر الٰہی میں ایسا مشغول رہتا ہے کہ دنیا کا خیال اس کے دل میں اور دماغ میں بالکل نہیں آتا۔ اور بعضوں نے انوار لطائف دیکھنے سے دائرہ مکان کے طے کر جانے کی علامت بیان فرمائی ہے۔

دائرہ ولایت صُغریٰ:۔اصلاح صوفیاء میں اس مقام کو چند ناموں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔وحدت الوجود، ہمہ اوست، مقام جمع، کفرِ طریقت، فنا و بقاء، ولایت صغریٰ، نسیان ماسوائے اللہ۔

یہ نام حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے قرار دیئے ہوئے ہیں۔ان حضرات کی تحقیقات سلوک میں مقام ہمہ اوست سے آگے بہت زیادہ مقامات ترقی کے ہیں اس واسطے اس ولایت کو ولایت صغریٰ فرماتے ہیں یعنی چھوٹی ولایت۔اور دیگر طرق کے کبرائے دین اس مقام "ہمہ اوست" کو انتہائی ترقی اور قرب حق فرماتے ہیں اور نسیان ماسوائے اللہ شریعت سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے۔بموجب ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ: ترجمہ: اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں۔

ایک دوسری جگہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَنْ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اَنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہوگا جب تک اس کو یہ نہ کہا جائے کہ یہ دیوانہ ہے۔

جب کوئی خلق کو محبت الٰہی اور ذکر خدا میں بھول گیا تو دنیا دار ضرور اس کو دیوانہ کہیں گے۔

بعض مرشد جب نور اس مقام کا سالک میں پاتے ہیں تو کلمہ لَا حَولَ وَ لَاقُوۃَ اِلَّا باللہ اس کو تلقین فرماتے ہیں۔بعض شیخ جب سالک میں اس مقام کا نور دیکھتے ہیں تو اس کو مراقبہ کی تعلیم کرتے ہیں کہ تمام عالم میں سوائے اللہ کے کوئی موجود نہیں۔بعض راہنما کچھ تعلیم نہیں کرتے۔اس کو اپنی ہمت باطنی سے اس مقام میں کھینچ لے جاتے ہیں اور خود بخود اس طالب پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے لیکن ایسے شیخ بہت کم ہیں۔طالبِ حق اللہ کی یاد کثرت سے کرتا ہے تو اس کے لطائف اور جسم پاک صاف ہوتے ہیں اور وہ حسب حیثیت عروج کرتا ہے۔یہاں تک کہ اپنی اصل سے اس کو وصل ہو جاتا ہے۔اس کی اصل کیا ہے۔حقیقت ممکنہ پر ایمان والا بندہ اپنی حقیقت کی طرف رُجوع کرتا ہے تو اس سیر کو "سیر الی اللہ" کہتے ہیں۔اور جب سالک اپنی اصل سے وصل ہوتا ہے تو اس حالت میں بحالت بےخودی اور شدت عشق سے بوجہ امتیاز اٹھ جانے اور بجز ذات حق اسکی نظر میں کچھ باقی نہ رہے کہ "ہمہ اوست" "انا الحق"، "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ کہہ اٹھتا ہے۔اس سیر کو سیر فی اللہ کہتے ہیں۔

اور جب اس حال سے سالک کو حالتِ ہوش میں اس جہان کے ناقصوں کی تربیت کے لئے پیر کامل واپس لاتے ہیں تو اس سیر کو "سیر من اللہ" کہتے ہیں۔خاص خاص قُرب میں کچھ سالک تجلیات الٰہی کی روح برداشت نہیں کرسکتی۔تو اکمل اولیائے مقدمین کی روح کم درجے کے اولیاء کی روح کو اپنی روح کے احاطے میں لے کر سیر کراتے ہیں۔اس کو "ضمنیت صغریٰ" کہتے ہیں اور بعض اعلیٰ مقامات قُرب میں اکمل اولیاء کی روح کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اپنے احاطہ روح اقدس میں لے کر سیر کراتے ہیں۔اسکو "ضمنیت کبریٰ" کہتے ہیں۔

دائرہ ولایت کبریٰ:۔جب طالب ولایت صغریٰ کو جو مقام ظلال اسماء وصفات الٰہی ہے اور یہ مقام ولایت اولیاء ہے، طے کر چُکتا ہے۔تو ولایت کبریٰ میں اس کو عُروج ہوتا ہے کہ جو اصل ہے ظل" کی یعنی اسماو صفات میں اور یہ ولایت کبریٰ ولایت ہے انبیاء علیہم السلام کی۔اور مبدء یعنی نکاس اور اصل انبیاء اور ملائکہ کی اسماو صفات الٰہی سے ہے۔اور اسماء وصفات الٰہی تمام نقصانات سے پاک ہے۔اس لئے انبیاء کرام اور ملائکہ کرام معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں۔انبیاء کو اس مقام پر ایسا قُرب حاصل ہے جیسے مرکز اور اولیاء کو بطفیل انبیاء اور ان کے متابعت کی وجہ سے مثل دائرہ کے اس واسطے انبیاء کو معصوم اور اولیاء کو محفوظ کہتے ہیں۔اس مقام میں علم شریعت ہے۔اور ذوق وشوق آہ ونعرہ سب جاتا رہتا ہے۔یہاں سالک اپنے آپ کو خوب جان لیتا ہے کہ تیری اصل شرو خسار ہے۔اور جو کچھ بھی خیر ہے وہ من جانب اللہ ہے۔بموجب فرمان الٰہی:

ترجمہ: جو اچھی بات تمہیں پہنچے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تمہاری طرف سے چشمِ علمِ ظاہری و چشمِ علمِ لدنی سے دیکھ لیتا ہے اور اس ولی کی پرورش بعض اوقات خود رسول پاک خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں۔جس طالب کی استعداد ضعیف ہوتی ہے تو وہ اکثر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی پرورش اور التفات بحالت خواب دیکھتا ہے۔اور جس کی قوت ولایت بدرجہ اوسط ہوتی ہے وہ جناب خاتم النبیین ﷺ کو دل کی آنکھوں سے بحالت مراقبہ دیکھتا ہے۔اور جس طالب کی ولایت قوی ہوتی ہے وہ حضور پُرنور کو چشم ظاہر سے دیکھتا ہے۔اور پرورش آپ خاتم النبیین ﷺ کی ذات مبارک سے اور انعام اپنے اوپر پاتا ہے۔

بعض خاصانِ خدا پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اس قدر عنایت ہوتی ہے کہ ولی اپنی شکل کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی مثل دیکھتا ہے۔اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔فنا فی الرسول کی کئی اقسام ہیں۔آپ خاتم النبیین ﷺ کی محبت میں فنا ہونا، آپ کی اتباع میں فنا ہونا وغیرہ۔لیکن یہ اتصال روحانی یعنی ہم شکل ہو جانا سب سے اعلیٰ اور قوی تر ہے۔لیکن یہ کمال اتصال روحانی اس وقت ہوتا ہے کہ دائرہ حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ میں اس کو پورا عروج میسر ہو۔اور اس ولایت کبریٰ کا

تعلق اسم ھوالظاہر سے ہے۔

دائرہ ولایت علیا:۔ ولایت علیا فرشتوں کی ولایت ہے۔اوراس کا تعلق ھوالباطن سے ہے۔اور یہ ولایت علیا، ولایت انبیاء سے اعلیٰ ہے کیونکہ ولایت انبیاء یا ولایت کبریٰ کا تعلق اسم ھوالظاہر سے ہے۔اس لئے کہ انبیاء خلق پر ظاہر اور مبعوث ہوئے اور ملائکہ کا تعلق اسم ھوالباطن سے ہے اس لیے کہ وہ پوشیدہ رہے اور ترقی ملائکہ اسماوصفات شونات ذات تک ہے۔چونکہ تعلق اسم ھوالباطن کا ذات غیب الغیب سے زیادہ ہے اور زیادہ مناسبت اور قرب رکھتا ہے۔بمقابلہ اسم ھوالظاہر کے،اس واسطے فرشتوں کی ولایت انبیاء کی ولایت سے اعلیٰ ہے۔بھیداس کا یہ ہے کہ انبیاء معصوم اور گناہوں سے تو پاک ہیں مگر بوجہ بشریت بھول ممکن ہے۔جیسے سورہ کہف میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے حالات میں ارشاد ہے۔ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (سورة الكهف 63: 18)

ترجمہ:اور نہیں بھلایا مجھ سے ان کو مگر شیطان نے)اور فرشتے معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ بھول سے بھی پاک ہیں۔جس سالک کی ولایت علیا قوی ہوتی ہے اوراس کو کشف دیا جاتا ہے۔اس پر فرشتے ظاہر ہوتے ہیں۔اور بہت سی راز کی باتیں اس پر کھلتی ہیں۔اور بوجہ مناسبت ملائکہ اس سے گناہ بہت کم ہوتے ہیں۔

دائرہ کمالات نبوت:۔ طالب جب ولایت علیا کے فیضان وانوار سے مشرف ہو چکتا ہے اور طلب اس کی اعلیٰ ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مقام کمالات نبوت سے مشرف فرماتا ہے۔اس مقام کا ولی ایسی ذات اکمل ہوتا ہے۔اوران کمالات سے مشرف ہوتا ہے کہ اولیا ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیا اس کے کمالات کا احاطہ نہیں کرسکتے اور پھر یہ بندہ خاص اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ کا پورا پورا مصداق ہو جاتا ہے۔اور عُلَمَاءُ اُمَّتِي كَاَنْبِيَاءِ بَنِي اسرائیل کی شکل مجسم ہو جاتا ہے۔اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو ایسی ذات اکمل کا مالک نبی ہوتا۔اس کمالات نبوت میں ظہور تجلی ذات، بلا پردہ، صفات ہوتی ہیں۔اور تمام لطائف عالم خلق، عالم امر،اس کے تابع ہوتے ہیں۔اب چونکہ یہ عنصر خاک مخصوص بہ بشر ہے اس لئے خاص بشر خاص ملائکہ سے اور عام بشر عام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔

دائرہ کمالات رسالت:۔ کمالات رسالت، کمالات نبوت سے افضل ہیں۔جیسے نبی اور مرسل میں فرق مراتب ہے۔اس طرح قُربِ حق میں بھی فرق ہے۔فیضان ذات سے بے پردہ صفات الٰہی سے یہ بندہ خاص مشرف ہوتا ہے اور فیضان لطائف عشرہ کی مجموعی قوت پروارد ہوتا ہے۔اس مقام میں ترقی کثرت تلاوت قرآن مجید ونماز باطول قرات اور اتباع سنت سے ہوتی رہتی ہے۔

دائرہ کمالات اُولوالعزم:۔ مقام کمالات اولوالعزم کمالات رسالت سے قوی تر اور ذات الٰہی سے اقرب ہے۔جیسے تمام مخلوق میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بہترین مخلوق ہیں اوران کی تعداد انبیاء میں سے 313 مرسلین بہتر اور افضل ہیں اوران تین سو تیرہ میں سے پانچ نبی اولوالعزم حضرت آدمؑ،حضرت ابراہیمؑ،حضرت موسیٰؑ،حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ جناب باری تعالیٰ میں زیادہ مقرب ہیں۔اوراسی حیثیت سے فیضان انوار الٰہی وانعام واکرام واسرار ورموز یزدانی سے مشرف ہیں۔**انبیاء پر کتاب آسمان نازل نہیں ہوتی۔یہ نبی مرسل کی اتباع کیا کرتے ہیں اور مرسلین پر صحیفہ آسمانی اترتے ہیں۔پیغمبران اولوالعزم کو نیا دین اور نئی کتاب عنایت فرمائی جاتی ہے اور وہ کتاب آسمانی پہلے اترنے والی تمام کتابوں اور دین ہائے سابقہ کی تصدیق کرتے ہیں۔** اس طرح ہمارے پیغمبر حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ ان اولوالعزم سے بھی اولوالعزم ہیں اور قرآن پاک پہلی تمام کتب ہائے آسمانی کی تصدیق کرتا ہے اور دین اسلام ناسخ ادیان ہے۔اس طرح حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ قرب باری تعالیٰ میں تمام پیغمبران سے سبقت رکھتے ہیں۔اور کوئی نبی، کوئی نبی مرسل اور کوئی فرشتہ آپ خاتم النبیین ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کو نہیں پہنچ سکتا۔اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: **لی مع اللہ وقت لا یسفی فیه ملک، مقرب و لا نبی مرسل**

ترجمہ:''مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ایسا وقت حاصل ہے جس میں نہ کوئی فرشتہ مقرب میری برابری کرسکتا ہے اور نہ ہی نبی مرسل''۔(افضل القری)

مولانا جامیؒ نے اس کتاب قرآن کے متعلق خوب فرمایا ہے:

ترجمہ:توریت جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی اور انجیل جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی وہ محمد خاتم النبیین ﷺ کے قرآن کے ایک نقطہ سے محو ہو گئیں۔

ان مقامات کمالات نبوت، کمالات رسالت اور کمالات اولوالعزم کے دوائر وحالات واتباعاً لکھ دیئے گئے ہیں۔ورنہ بڑے بڑے عقلاو عرفا ان کی تحقیق فہمید (فہم) میں عاجز ہیں۔خواہ کتنا ہی بڑا متقی، عابد اور زاہد ہو۔اور اپنی دانست میں وہ عمل بے ریا کرتا ہو۔لیکن بلاحصول مقامات فنا وبقا اس کے ہر فعل میں ریا مشترک ہوتی ہے۔اور صورت اتقاء، ولایت صغریٰ میں اور حقیقت اتقاء ولایت کبریٰ میں اور کمال اتقاء کمال نبوت میں حاصل ہوتی ہے۔قبل فناء وبقا جو افعال نیک ہیں یا زاہد کو نظر نہیں آتے یہ اس کی خود علم کی خرابی ہے۔جیسے کہ ہر ایک مکان میں ہر وقت ذرات اڑتے رہتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتے اور جب اس مکان میں کسی سوراخ یا کسی دریچے سے

آفتاب کی شعاع آتی ہے تو نور آفتاب میں ذرات بالکل صاف نظر آنے لگتے ہیں۔اس طرح قبل حصول ولایت اعمال میں ریا نظر نہیں آتی۔اور جب خانہء دل میں شعاع انوار الٰہی پڑتی ہیں تو اعمال میں ریا، ہر فعل خیر و شر کی صاحب ولایت کو تمیز ہو جاتی ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ

ترجمہ:''ڈرو مومن کی فراست سے کہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے''۔(جامع ترمذی)

دائرہ حقیقت کعبہ:- اس مقام میں سالک پر حقیقت کعبہ ربّانی کے اسرار اور شان کبریائی کا اظہار ہوتا ہے، جب حقیقت کعبہ ربّانی میں سالک کو کامل ترقی ہوتی ہے تو تمام مخلوق کی عبادت وسجود اپنی طرف دیکھتا ہے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقتاً سجدہ وعبادت اللہ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ اس سالک کے لئے لیکن علم کی غلطی سے وہ اپنی طرف سمجھنے لگتا ہے۔

دائرہ حقیقت قرآن:- بندہ خاص جب اس مقام حقیقت قرآن سے مشرف ہوتا ہے اور کلام پاک اور اس کے انوار واسرار وبرکات سے فائدہ اٹھاتا ہے تو ہر ہر حرف قرآن پاک کو دریائے زخار و بے کنار پاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس بندہ خاص سے کلام فرماتا ہے کہ جس کلام کی حقیقت اور ماہیت اور فیضان کو صرف وہ ہی جانتا ہے۔دوسرا اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا۔پھر اس بندہ خاص کا سینہ کلام ربانی کے فہم کے واسطے نہایت وسیع کردیا جاتا ہے۔اور اسرار حروف مقطعات سے اپنی محبت، اپنی دیانت، اپنے علم اور اپنی فہم کے موافق واقف ہوتا ہے اور سورۃ الم نشرح وسورہ اقراء کے فیضان سے مشرف ہوتا ہے۔

دائرہ حقیقت صلواۃ:- مقام حقیقت صلواۃ ایسا مقام ہے کہ بلا پردہ بندے کے سامنے رب اور رب کے سامنے بندہ ہوتا ہے اور کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہوتی اور اس مقام کے عارف پر الصلوۃ معراج المومنین (نماز مومن کی معراج ہے) اور قرۃ عینی فی الصلواۃ (نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)۔کے اسرار کھلتے ہیں اور جو دیدحق عالم آخرت میں نصیب ہوگی۔اس کا نمونہ نماز میں میسر ہوتا ہے اور جو اسرار علوم اور انوار وبرکات سے خاتم النبیین خاتم النبیین ﷺ مشرف ہوئے تھے اس کی اتباع اور اس کے عکس سے یہ بندہ خاص بھی مشرف ہوتا ہے اور اس بندہ خاص کی ایک رکعت اوروں کی ایک لاکھ رکعت سے بہتر ہے۔

دائرہ حقیقت معبودیت صرفہ:- یہ مقام نہایت عالی مقام ہے۔یہاں ترقی قدمی نہیں ہے صرف ترقی نظری ہے یعنی قدم روح بھی یہاں پر آگے نہیں بڑھ سکتے صرف اور صرف نظر روح کا کام دیتی ہے جس مقام میں روح کا گزر بھی نہ ہو اس مقام میں علم قال کا کیا گزر ہوسکتا ہے؟

دائرہ حقیقت ابراہیمیؑ:- اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل فرمایا۔خلیل اس کو کہتے ہیں جو نہایت ہی رازدار اور دوست ہو۔آپؑ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی۔اس سے فرشتے بھی واقف نہیں تھے۔اسکا اظہار فرشتوں پر اور خلق پر اس وقت ہوا جب کہ آپ کو آتش نمرود میں ڈالا جارہا تھا اور آپؑ نے کسی فرشتے سے یا کسی اور سے مدد نہ چاہی۔اور دوست رازِ حقیقت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا حسبی اللہ اور باوقت قربانی حضرت اسمٰعیلؑ آپؑ کی رازداری جو رب کے ساتھ تھی فرشتوں پر آشکار ہوئی۔مقام خلت (دوستی) میں حضرت ابراہیمؑ کا قدم نہایت غالب ہے۔آپؑ مرتبہ خلت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔اس مقام کا سالک اپنی حیثیت کے موافق۔مرتبہ خلت کے انوار وبرکات سے مشرف ہوتا ہے اور اس سالک کی نگاہ دل حقیقت ذات کی طرف ہوتی ہے اور تمام خلق سے حقیقتاً بے تعلق ہوتا ہے۔بموجب اس آیت شریفہ کے۔ آیت: اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۚ (سورۃ انعام آیت نمبر 79 : 6)

دائرہ حقیقت موسوی علیہ السلام:- بعد ختم سر دائرہ حقیقت ابراہیمیؑ سر دائرہ حقیت موسیٰؑ میں ہوتی ہے۔حضرت موسیٰؑ کے ساتھ رب العالمین کو جو محبت خاص تھی اور جس کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ رب العالمین سے کوہ طور پر ایسے کلام، بے خوف، بوجہ ناز برداری کے عرض کیا کرتے تھے کہ جو کلام شایان عبدیت نہ ہوتا۔اس مقام میں ترقی کثرت درود اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصحابہٖ وَ عَلٰی جَمِیعِ الانبیاءِ وَ الْمُرْسَلِینَ خُصُوصاً عَلٰی کَلِیمِکَ مُوسٰی۔سے ہوتی ہے

دائرہ حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ:- اس مقام کو''حقیقت الحقائق''اور حقیقت محمدی خاتم النبیین ﷺ تمام مخلوقات کی حقیقت اور تعلق اس مقام میں ان کمالات سے ہے جن کا تعلق حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے جسم اطہر سے ہے اور یہ جسم پاک وہ ہے کہ جو شب معراج میں رب کے نزدیک عرش معلیٰ پر پہنچا۔یہ جسم نورانی وہ ہے کہ جس کے قرب اور رفعت کے مقابلے میں حضرت جبرائیل مقام سدرۃ المنتہیٰ پر ٹھہر گئے اور فرمایا''اگر میں ایک بال کے برابر بھی اس سے آگے بڑھا تو تجلی ذات الٰہی میرے بال و پر جلا ڈالے گی۔یہ جسم لطیف وہ ہے کہ جس نے رب کے نزدیک اس قدر قربت حاصل کی تھی کہ خلعت

فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ ترجمہ: تو رہ ہو گیا دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ (سورۃ النجم 53:09)

(سورۃ النجم 53:08) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ترجمہ : تو وہ قریب ہوا پھر مزید نیچے آیا۔

(سورۃ النجم 53:17) مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ترجمہ : نہ تو مائل ہوئی آنکھ اور نہ حد سے آگے بڑھی۔

اور یہ جسم شریف وہ ہے جس کا سایہ نہ تھا یہ جسم مطہروہ ہے کہ ہر شجر و حجر جس پر سلام و درود بھیجتے ہیں۔ یہ جسم لطیف، یہ جسم مبارک وہ ہے کہ جس پر خود اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورۃ الاحزاب 33:56)

ترجمہ: ’’بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اے ایمان والو تم بھی نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو اور سلام بھی ادب کے ساتھ‘‘۔

دائرہ حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:- یہ مقام حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑا جلیل القدر اور عالی مقام ہے۔ اس میں عجیب و غریب عنایات الٰہی اور تجلیات ذات الٰہی سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اس دائرہ حقیقت احمدی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس سے ہے۔ جس قدر کے روح اور جسم میں لطافت اور قدامت میں فرق ہے۔ اس قدر ظہور تجلیات ذات میں فرق ہے۔ اسکے حالات میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔؟ اور کوئی کیا سن سکتا ہے؟

دائرہ حُبِّ صِرفہ:- یہ مقام حقیقت احمدی کے بعد ہے۔ اس مقام میں سیر نظری و روحی ہے۔ سیر قدمی روحی مسدود ہے یہ مقام وہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کروں اور آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے تمام مخلوقات کو پیدا کروں تو فرمایا کُن یا محمد بس آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ظاہر ہوگئی۔ اس کی طرف حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

کُنْتُ کنزاً امخفیاً : میں ایک چھپا ہو خزانہ تھا۔ (رقم الفتوح 14995 التصنیف احادیث نبویہ مع شرحھا)

اور دوسری حدیث میں وارد ہوا کہ لَوْ لَاکَ خَلَقْتُ الْاَفْلَاک (اے حبیب) اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ (امام حاکم)

یہ مقام مخصوص صرف نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے۔ اس میں کسی بھی نبی، فرشتہ کو کوئی رسائی نہیں ہے۔

دائرہ لاتعین:- بعد طے دائرہ حب سرفہ کے دائرہ لاتعین میں ترقی ہوتی ہے۔ اس جگہ ترقی نظری ہے، قدمی نہیں اور یہ مقام بھی مخصوص سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے اور یہ مقام وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن بے نام ونشان، بے وہم و گمان، اللہ تعالیٰ خود کلام پاک میں فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (سورۃ الصافات 37:180)

ترجمہ: پاک ہے وہ برتر ذات اس تعریف اور وصف سے جس سے لوگ اس کو موصوف کرتے ہیں۔

دائرہ سیف قاطع (دائرہ منصب قبولیت):- دائرہ منصب قبولیت میں دائرہ سیف قاطع داخل سلوک نہیں ہے۔ بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں اور یہ دائرہ سیف قاطع ولایت کبریٰ کے مقابل ہے اور دائرہ منصب قبولیت کا بھی داخل سلوک نہیں ہے۔ جیسے دائرہ سیف قاطع محاذ (مقابل) ولایت کبریٰ ہے۔ اس طرح دائرہ منصب قبولیت’’ دائرہ کمالات اولوالعزم سے نکلتا ہے اس مرتبہ منصب قبولیت سے خاص انبیاء اور امت میں سے خاص خاص اولیاء کرام مشرف ہوئے ہیں۔ اس بندہ خاص پر اسم یَاحیُ یَاقیوم کا فیضان نازل ہوتا ہے اور اس کی ذات سے تمام زمین وآسمان کا قیام رہتا ہے۔

****

عمل اکسیر

پاک صاف ہوکر آدھی رات کے بعد صبح صادق سے اشراق تک کسی پاک صاف جگہ پر تنہائی میں بیٹھ جائے۔آغاز کے لئے جمعرات یا جمعہ یا اتوار کا دن زیادہ موزوں ہے۔کلمہ طیبہ، آیت الکرسی، چاروں قل، اورسورہ مزمل ہر ایک کو تین تین بار پڑھ کر اپنے گرد دائرہ یا حصار کھینچ لیں۔ہاتھوں پر دم کر کے جسم پر مل لیں۔پہلے دھیان و خیال دنیا و مہما سے ہٹا کر پوری دلجمعی کے ساتھ آنکھیں بند کرلیں۔پھر انگلی کو قلم بنائیں اور تصور میں اس انگلی سے دل پر اللہ لکھنے کی کوشش کریں۔سانس اندر لیتے وقت اللہ اور باہر نکالتے وقت ھُو پڑھیں۔اگر کسی کا مرشد کامل ہے خواہ وہ عالم حیات میں ہو یا ممات میں وہ ضرور اس کی مدد کو پہنچے گا۔ممکن ہے کہ وہ کسی جُسے کے ذریعے سامنے آئے یا بذریعہ دلیل دل میں آنے کا پیغام دے۔بعض طالبوں کو اس وقت کسی بھی اولیاء کی مدد ہو سکتی ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا سبز گنبد اور روضہ مبارک نظر آجاتا ہے۔بعض ایسے فطری ولایت والے ہوتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی روح مبارک سے ہمکلام ہوجاتے ہیں۔جب طالب شروع میں یہ عمل شروع کرتا ہے تو شیطان کو آگ لگ جاتی ہے اور وہ طالب کو ہر حیلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔جب کسی کامل کا ہاتھ ہوجاتا ہے تو اس کا شوق دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور اس عمل سے اسے لطف، سکون اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ایسے حضرات ایک دن ''اسم اللہ'' کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں۔اور ان کے دل پر صاف طور پر اسم ''اللہ '' لکھا جاتا ہے۔اس وقت دل کی اصلاح شروع ہوجاتی ہے۔ذکر قلب جاری ہوجاتا ہے۔یعنی دل خود بخود جاری ہوجاتا ہے اور استغراق کی حالت ہوجاتی ہے۔اس کے لئے حدیث شریف ہے:

ترجمہ: ''یعنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔جب اس کی اصلاح ہوجاتی ہے تو تمام بدن اور جسم کی اصلاح ہوجاتی ہے''۔

ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمان باری تعالیٰ ہے۔

آیت مبارکہ:

''اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ''(سورۃ المجادلہ22 : 58)

ترجمہ: یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

جب طالب کے دل میں اسم اللہ کا نور سرایت ہونا شروع ہوجاتا ہے تو پہلے پہل طالب کو نیند نہیں آتی، بائیں پہلو میں درد محسوس کرتا ہے۔بھوک نہیں لگتی، بدن میں حرارت سی محسوس کرتا ہے۔طالب کو ان علامات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔کیونکہ اس کے جسم سے پاک نام کی برکت کی وجہ سے غلاظتیں نکلتی ہیں اور آخر میں صحت کل کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔جب ذکر سے عروج میں آجاتا ہے تو سوتے، جاگتے، ہر وقت ذکر قلب جاری رہتا ہے۔

حدیث: حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا"۔

پھر جب اسم اللہ کا یہ نور آنکھوں میں آتا ہے تو باطنی نظر کھل جاتی ہے۔طالب غیبی چیزیں، ارواح، موکلات اور جنات وغیرہ دیکھ سکتا ہے۔بعض اوقات طالب کا دل دنیا سے اچاٹ ہوجاتا ہے اور طبیعت میں روکھا پن اور غصہ کی سی حالت ہوجاتی ہے۔ایسی حالت میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے۔طالب حق کے لئے ہر حال میں شریعت کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔جب طالب حق اس عمل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے خواب میں کشف ہونے لگتا ہے، اور شیاطین بھی کبھی کبھی اشارہ کرنے لگتے ہیں۔طالب کو چاہیے کہ جو اشارہ بھی شریعت کے خلاف ہو اس پر قطعاً عمل نہ کرے۔اس میں سلامتی ہے۔شیطان ہر ولی کی شکل، ہر دربار کی شکل حتیٰ کہ ستاروں اور سیاروں کی شکل میں بھی آسکتا ہے۔لیکن صرف تین شکلوں میں نہیں آسکتا۔

(1) قرآن پاک کی شکل (2) خانہ کعبہ کی شکل (3) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی اصلی شکل میں نہیں آسکتا۔

لیکن قرآن پاک کی طرح موٹی کتاب بن سکتا ہے۔اس میں عربی میں آیات قرآنی کی جگہ کچھ اور تحریر ہوسکتا ہے۔مصنوعی خانہ کعبہ بنا کر دھوکا دے سکتا ہے۔نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بجائے کسی اور کو نبی پاک کہہ کر دھوکہ میں ڈال سکتا ہے۔

درشریعت خاص کر طریقت والوں کو ایسے دھوکے ہوتے رہتے ہیں۔اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کی صحیح پہچان کا دروازہ کیسے کھلتا ہے؟ اس کا راز کھولا جاتا ہے۔

خواب، مراقبے یا کشف میں جب مجلس محمدی خاتم النبیین ﷺ میں پہنچے گا تو دیواروں سے اتنا نور برس رہا ہوگا کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ یعنی نظر کا ایک جگہ پر ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا۔ یعنی تجلیات کا ایسا عالم ہوگا کہ دیکھے تو جان جائے نہ دیکھے تو حیران و پریشان ہو۔ اور اس مجلس میں تلاوت، یا کلمہ شریف یا درود شریف کا ذکر ہو رہا ہوگا۔ دیدار ہوگا اور دیدار کے بعد اس کا دل دنیا سے سرد پڑ جائے گا۔ عبادت میں شوق، آنکھوں میں نمی اور زبان میں عاجزی آ جائے گی۔ نفسیانی خیالات ختم ہو جائیں گے۔ تب یہ مجلس حقیقی مجلس تصور ہوگی۔ اگر مجلس خاموش ہو اور یہ حالات پیدا نہ ہوں۔ الٹا تکبر و غرور، نفسانی خواہشات کا زور ہو جائے تو وہ مجلس باطل تصور کی جائے گی۔ خواب اور مراقبے والے بے اختیار ہوتے ہیں۔ جبکہ کشف والے ہوشیار ہوتے ہیں۔ کشف والے جب کبھی ایسی محفل میں جائیں تو درود شریف اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّاباللّٰہِ زیادہ پڑھیں تاکہ حق کی پہچان میں زیادہ سہولت رہے۔ دیدار والا اس حلیہ مبارک سے مشرف ہوگا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کا رنگ گندم گوں، ناک مبارک بلند، پیشانی کشادہ، ہاتھ لمبے، آنکھیں سیاہ، داڑھی گھنی اور گنجان ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دیدار اس کے اس جسہ ہی کے ذریعے سے ہوا ہوگا جو پاک ہو کر قابل مجلس محمدی خاتم النبیین ﷺ ہو چکا ہوگا۔ ان جسوں کے بھر جانے سے عمل تکسیر پڑھنے کے لائق ہوتا ہے۔ پھر عمل تکسیر کے ذریعے طالب ارواح اور ملائکہ سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اس کی تفصیل عام فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔

پہلے اپنی زبان سے، پھر جسوں کی زبان سے، تسخیر قلوب، تسخیر حیات، تسخیر موکلات اور حاضرات ملائکہ اور اروح کا علم سیکھتا ہے۔ آج کل کچھ ڈبہ قسم کے پیر آئینہ بینی یا گلاس کو چلا کر یا کسی اور ذریعے سے روحوں کو حاضر کرتے ہیں۔ یہ استدراج ہے۔ اس میں شیاطین روحوں کی شکل میں آ کر لوگوں کو گمراہ اور عمل تکسیر کو بدنام کرتے ہیں۔

جب طالب حق ذکر قلب میں کامیاب ہو جائے تو پھر لطائف کی طرف توجہ دے۔ لطائف کا طریقہ وہی ہے بس تصور لطائف کے اپنے اپنے مقام پر کرنے پڑتے ہیں۔ بعض طالب حق ذکر و فکر اللہ ہی سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح لطائف الگ الگ مقام رکھتے ہیں اس طرح ان کی غذا (نور) بھی الگ ہے اور ذکر کے اسماء بھی الگ ہیں۔ اگر ان کو ان کی مخصوص غذا دی جائے گی تو جلدی پروان چڑھتے ہیں۔

ذکر قلبی شریعت کی انتہا ہے۔ اور ذیل کے اذکار طریقت کی ابتدا ہیں:

نام لطیفہ	ذکر	فکر یا تصور	نام لطیفہ	ذکر	تصور یا فکر
قلب	لا الہ الا اللہ	للہ	اخفی	یا احد	فقر درویشی
روح	یا اللہ	لہ	انا	یا ھُو	اللہ محمد
سر	یا حی یا قیوم	ھو	نفس	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ	اللہ
خفی	یا واحد	محمد	-	-	-

ان اذکار کی جو ترتیب دی گئی ہے یعنی ابتدا قلب اور انتہا نفس ہے۔ روزانہ جتنا کر سکیں باری باری حرکت میں لائیں۔ چلتے پھرتے لفظ اللہ یا اللہ ھُو کا ورد جاری رکھیں۔ یا جو لطیفہ بھی حرکت میں آ جائے۔ سب لطائف کی حرکات سے ذکر سلطانی، اس کی انتہا کے بعد ذکر ربانی، اور اس کی انتہا کے بعد ذکر قربانی ہوتا ہے۔

غوث و قطب یہاں تک پہنچتے ہیں تب مرتبہ ارشاد کے قابل ہوتے ہیں اور ان ہی کی صحبت و نظر اور تعلیم صراط مستقیم کی طرف ولایت کرتی ہے۔ سارے غوث و قطب بھی ان اذکار اور مراحل سے گزرے ہوتے ہیں۔ لطائف کے جاگنے یا لطائف کے زندہ ہونے یا لطائف کے ذکر کرنے کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اپنے مقام پر بوقت توجہ قلب کی طرح حرکت کرنے لگتے ہیں اور رقت جیسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ جب ذکر سلطانی کی انتہا ہو جائے تو اس کے بعد ہفت اندام پاک ہو جاتے ہیں۔

****

رجال الغیب

کائنات اَرضی میں انسانی معاشرے کو منظم، متمدن اور مربوط زندگی گزارنے کی کوشش شروع ہی سے ہوتی رہی ہے۔ معاشرے کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ زندگی کو بہتر طریقے سے گزارنے کی ضرورت کو زیادہ محسوس کیا جانے لگا۔ چنانچہ نسلِ آدم میں جہاں جہاں بادشاہوں کی فتوحات، ان کی حکمرانی، اقتدار کی کشمکش، حصولِ جاہ کی کوشش کے لاکھوں واقعات دیکھائی دیتے ہیں۔ وہاں ہم اس معاشرے کی اصلاح اور تنظیم میں ان صاحبِ اسرار ہستیوں کے اثرات واحوال کو نظر انداز نہیں کر سکتے جنہوں نے انسانی ذہنوں اور قلوب کو منظم و مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان ہستیوں نے زندگی کے ہر دور میں انسان کی اصلاح اور آخرت کی فلاح کے لیے کام کیا۔ ان کے ہاتھ تلوار کے قبضے پر تو نہیں گئے مگر دلوں کی فتوحات کرتے گئے۔ وہ علاقائی سرحدوں کی تقسیم میں تو ملوث نہیں ہوئے مگر وہ روحانی اقدار کو منظم کرنے سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ان کے ہاتھ نسلِ آدم کے خون سے تو کبھی رنگین نہیں ہوئے مگر دنیا کے شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں ان کی نگاہوں کی تیغ زنی کے سامنے جھکتی چلی گئیں۔ ایک عرصہ سے ان خرقہ پوش ہستیوں کے احوال واسرار کی جستجو اہلِ ذوق کا مشغلہ رہا ہے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینو ں میں؟
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ،ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

ظاہر بین نگاہیں ان پُر اسرار ہستیوں کے کمالات واحوال کے ادراک سے ہمیشہ محروم رہی ہیں۔ مگر اہلِ دل نے ان رجال اللہ کے فیضان سے نہ صرف فائدہ اٹھایا ہے بلکہ دنیا کے بادشاہوں کی تمام فتوحات ان صاحبِ اسرار بزرگوں کی نگاہ کی حکمرانی کے سامنے ہیچ اور بے فائدہ دکھائی دیتی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ان کی روحانی قوتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ صوفیاء کے ہاں ان افراد کی تنظیم اور روحانی سلطنتوں کے نظام کی ذمہ داری بھی ایسے ہی صاحب کمال حضرات ابدال پر عائد ہوتی ہے۔

1۔ ابدال کون ہیں؟
2۔ ان کی حدودِ کار میں کون کون سے اُمور آتے ہیں؟
3۔ ان کے فرائض کیا ہیں؟
4۔ ان کا قیام کائنات اَرضی کے کون کون سے مقامات پر ہوتا ہے؟
5۔ ان کا تقرر، تبدیلی یا اختیارات کی حدود کیا ہیں؟

40 بہترین متقیوں میں سے ایک ولی ہوتا ہے۔ ولی ترقی پا کر ابدال ہو جاتا ہے، ابدال وہ ہیں جو اپنی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔ ولی اللہ کو دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (1) اولیاء مستورین یا مجوبین (2) اولیاء ظاہرین

قرآن پاک سورۃ نور، آیت نمبر 37 میں ہمیں رجال اللہ کا ان الفاظ میں تعارف کروا دیا گیا ہے۔

"وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے اور نماز ادا کرنے سے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی" -

(1) **اولیاء مستورین یا مجوبین:** -ان کا وجود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد تک رہا ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے عہد سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام و نظام کا دارومدار ان ہی مردانِ حق پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ ان ہی کی تعلیمات اور ہدایت پر قائم ہے۔ ان کی برکات سے بارش برستی ہے اور نباتات پر سرسبزی آتی ہے۔ کائنات اَرضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی ان ہی کی نگاہ کرم کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ شہروں کی آبادکاری، سلاطین کے عروج و زوال، انقلاباتِ زمانہ، اغنیاء اور مساکین کے حالات میں رد و بدل اکابر کی ترقی و تنزلی۔ انسانوں اور جنوں کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع دفع ہونا۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔

جس طرح آفتاب عالم خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو منور کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نور ان حضرات پر وارد کرتا ہے۔ جس سے یہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ اولیائے مستورین کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے ان کا تعلق سرکاری محکمہ سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ عام

لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ یا محجوب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ صاحب خدمت ہوتے ہیں انہیں اپنے انصرامی اُمور کے سرانجام دینے کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی۔انہیں اصلاح صوفیاء میں رجال الغیب یا مردان غیب کہا جاتا ہے:

1۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء کے اتباع میں اُن کے قدم قدم چل کر عالم شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور "مستوی رحمان" کا مقام پاتے ہیں۔وہ نہ تو پہچانے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کے وصف بیان کیے جاسکتے ہیں۔حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح وشام مصروف کار رہتے ہیں۔یہ حضرات حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے سچے نائب ہوتے ہیں۔

2۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مقامات پر متعین ہیں عالم احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں، لوگوں کو پردہ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں۔بعض اوقات پوشیدہ اُمور سے باخبر کرتے ہیں۔

3۔ ان میں ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائنات اراضی میں پھرتے ہیں، لوگوں سے اپنا تعارف کرواتے ہیں اور پھر آناً فاناً غائب ہوجاتے ہیں۔لوگوں سے باتیں کرتے ہیں ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں۔ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں۔یہ لوگ جنگلوں، پہاڑوں، سمندروں اور صحراؤں میں قیام کرتے ہیں

4۔ ان حضرات میں سے کوئی تو شہروں میں رہتے ہیں۔صفات بشریٰ کے ساتھ صبح و شام بسر اوقات کرتے ہیں۔آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہتے ہیں۔احباب کی شادی وغمی میں شریک ہوتے ہیں۔لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں۔بیمار ہوتے ہیں تو اپنے حلقہ احباب سے عیادت کرواتے ہیں، علاج کرواتے ہیں۔اولاد واسباب احوال واملاک رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے کمالات باطنی کے احوال لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔صاحبِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور صاحبِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں۔

مندرجہ بالا رجال اللہ کو بارہ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے۔

(1) اقطاب (2) غوث (3) امامان (4) اوتاد (5) ابدال (6) اخیار

(7) ابرار (8) نقبا (9) نجبا (10) عمد (11) مکتوبان (12) مفردان

ان سب کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں ملتے ہیں۔

1۔ اقطاب:- اقطاب کی بے شمار قسمیں ہیں۔

قطب ابدال، قطب اقالیم، قطب ولایت وغیرہ- یہ سب اقطاب قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب الگ الگ ہوتا ہے۔مثلاً قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفا، قطب متوکلان۔یہ اقطاب شہروں، قصبوں، گاؤں غرض جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس معاشرے کی حفاظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔وہ بستی مومنوں سے آباد ہو یا کافروں سے مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔مومنوں کی بستی میں اسم ہادی' کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے۔اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم "مُضل" کے ماتحت ہوتی ہے۔یہ سب قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔

<u>قطب عالم یا قطب الاقطاب:-</u> ہر زمانے میں صرف ایک قطب عالم ہوتا ہے۔یہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔یہ دنیا کے جہات اربعہ (چاروں کناروں میں اس طرح دورہ کرتا ہے جیسے فلک (یعنی چاروں طرف پھیلا ہے) اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔قطب عالم، قطب ارشاد۔قطب مدار، قطب جہاں، جہانگیر عالم اور قطب الاقطاب----عالم علوی اور سفلی دونوں میں اس کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض برکت سے قائم ہوتا ہے۔

قطب کو ہر شخص دیکھ کر پہچان نہیں سکتا مگر اپنی استعداد کے مطابق۔یہ مرتبہ بڑا بھاری ہے۔اگر قطب عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔قطب عالم نور خاصہ مصطفوی خاتم النبیین ﷺ کی برکات ہر سمت سے لیتا ہے قطب عالم نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے احکامات اور فیض حاصل کرتا ہے۔یہ باطنی خلیفہ اور سیّد اہل زماں ہوتا ہے، یہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ولی کو معزول کرنا، ولایت سلب کرنا، ولی کو مقرر کرنا، اس کے درجات میں ترقی کرنا اسی کے فرائض میں شامل ہے۔

یہ ولایت شمسی پر فائز ہوتا ہے جبکہ اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم "رحمٰن" کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے۔قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔حتیٰ کہ وہ مقام فردانیت تک پہنچ جاتا ہے۔یہ مقام محبوبیت ہے۔رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبداللہ ہے۔

2۔ **'غوث':**۔بعض صوفیاء کرام نے غوث اور قطب ایک ہی شخص کو قرار دیا ہے مگر حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے نزدیک قطب عالم اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ہاں البتہ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں۔جو کہ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوثیت کی وجہ سے غوث العالم کہلاتا ہے

3۔ **'امامان':**۔قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں ایک قطب کے دائیں ہاتھ رہتا ہے جس کا نام 'عبدالرب' ہے۔دائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض پاتا ہے اور عالم علوی سے اضافہ کرتا ہے۔جبکہ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض پاتا ہے اور عالم سفلی پر اضافہ کرتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک بائیں ہاتھ والا امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون وفساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات،غیض وغضب اور فساد وشر کی وجہ سے سخت انتظام وانصرام کی ضرورت کا تقاضہ کرتا ہے۔اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد،تجربہ کار اور مضبوط رکھا گیا ہے۔اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہوتے ہیں اور مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

4۔ **'اوتاد':**۔پوری دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں۔یہ عالم کے چاروں کونوں پر متعین ہوتے ہیں۔

1- مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود ہے- 2- مشرقی افق والے اوتاد کا نام عبدالرحمٰن ہے-

3- جنوبی افق والے اوتاد کا نام عبدالرحیم ہے- 4- شمالی افق والے اوتاد کا نام عبدالقدوس ہے

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتے ہیں اور پہاڑوں کی طرح زمیں پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔سورۃ النباء،آیت نمبر 7 - 6 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اَلم نجعل الارض مھادً و الجبال اَوتاداً

ترجمہ:" کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑ کو اوتاد نہیں بنایا"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صوفیاء کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات،فرائض،مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔

5۔ **ابدال:**۔انہیں بَدَلاَ بھی کہا جاتا ہے۔یہ دنیا میں سات ہوتے ہیں۔یہ سات اقلیم پر متعین ہوتے ہیں۔یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بےکسوں کی فریادرسی پر مامور ہیں۔

1۔ ابدال اقلیم اوّل۔۔۔۔برقدم ابرہیم علیہ السلام۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالحی

2۔ ابدال اقلیم دوم۔۔۔۔برقدم موسیٰ علیہ السلام۔۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالعلیم

3۔ ابدال اقلیم سوم۔۔۔۔برقدم ہارون علیہ السلام۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالمرید

4۔ ابدال اقلیم چہارم۔۔۔برقدم ادریس علیہ السلام۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالقادر

5۔ ابدال اقلیم پنجم۔۔۔۔۔برقدم یوسف علیہ السلام۔۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالقاہر

6۔ ابدال اقلیم ششم۔۔۔۔برقدم عیسیٰ علیہ السلام۔۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالسمیع

7۔ ابدال اقلیم ہفتم۔۔۔۔۔برقدم آدم علیہ السلام۔۔۔۔۔۔۔نام۔۔۔۔۔عبدالبصیر

مندرجہ بالا ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر کو اُن مقامات وممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے۔ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ اور بھی ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے یہ قطب ولایت کہلاتے ہیں۔

قطلب عالم کا فیض قطب اقلیم پر اور قطب اقلیم کا فیض قطب ولایت پر اور قطب ولایت کا فیض تمام اولیاء جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں 350 ابدال اور بھی ہیں جن میں سے 300 قلب آدم پر ہیں۔سید محمد علی جعفر مکیؒ نے ابدال کی تعداد 404 بتائی ہے۔جو مختلف انبیاء کرام کے مشرب پر کام کرتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

6۔ **مفردان:-** افراد کو کہتے ہیں۔ جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

قطب مدار: - عرش سے تحت اثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ اور فرد متحقق ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ تصرف اور متحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی لدوام تجلی صفات میں رہتا ہے۔ مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔

قطب مدار "خاص" ہے، فرد 'اخص' ہے۔ فردانیت مقام اسباط ومحبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے اور بعض کو تجلی اِسمانی، بعض کو تجلی اٰثاری۔ بعض مقام "محو" میں ہوتے ہیں بعض مقام "سکر" میں اور بعض بیک وقت دونوں مقامات پر مقاماتِ اولیاء خارج از حدو سفر ہوتے ہیں، مگر اہل فردانیت تمام مقامات سے بلند تر ہوتے ہیں۔ تنزلی کی ایک حد ہے مگر عروج وترقی حدود وانتہا سے مبرا ہے۔

افراد ترقی کر کے جب فردانیت میں کامل ہو جاتے ہیں تو اُن کا رتبہ محبوبیت آ جاتا ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی، سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی اسی مقام محبوبیت کے مالک تھے۔

7۔ **اخیار:** ابدال میں سے یہ 40 اخیار ہیں

8۔ **نقبا:** یہ 300 ہیں سب کا نام علی ہے

9۔ **نجبا:** یہ تعداد میں 70 ہیں نام حسن اور مصر میں رہتے ہیں

10۔ **عمد:** یہ چار ہیں نام محمد ہے زمین کے مختلف زاویوں پر کام کرتے ہیں

11۔ **مکتوبان:** یہ حضرات چار ہزار ہیں ایک دوسرے کو پہنچانتے ہیں، لیکن یہ حضرات اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر ان کا اپنا حال آشکار نہیں ہوتا، یا یوں کہیے کہ اپنے مقام سے اخفا میں ہوتے ہیں۔

قطب آدھا پیر اور غوث کامل پیر ہوتا ہے۔ یہ شریعت والوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح کرتے ہیں۔

اس سے آگے معارف ہیں جو مکمل ہیں۔ یہ طریقت کے منازل طے کرواتے ہیں۔

اس سے آگے **اکمل ہیں۔ یہ حقیقت تعلیم دیتے ہیں۔**

اس سے آگے **نورالہدیٰ ہیں یہ معرفت کی تعلیم دیتے ہیں (معرفت)**

اس سے آگے **نورعلی نور ہیں یہ بقا اور لقا میں پہنچاتے ہیں۔** یہ مقام معراج ہے۔ فقرا کے لئے روحانی اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے لئے جسمانی معراج کی منزل ہے۔

(2) **اولیاء ظاہریں:-** ان کے سپرد بھی مخلوقِ خدا کی ہدایت واصلاح ہوتی ہے۔ یہ حضرات ہمارے ظاہری احوال ومعاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی کرتے ہیں، یہ لوگ مخلوقِ خدا کی اصلاح اور ہدایت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں اور دشوار ترین حالات میں بھی اپنے کام سے غفلت نہیں برتتے۔

ان میں علماء، مشائخ، صوفیاء اور مجدد شامل ہوتے ہیں۔ عاشقین، صالحین اور محبوبین بھی ان میں شامل ہیں۔ علماء اور مشائخ کے ہزاروں مقامات اور ہزاروں مراتب ہیں یہ معاشرہ انسانی کی اصلاح ظاہر اور باطن کی اصلاح کے لیے رشد وہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور ان کے اثرات خصوصیات کے ساتھ مسلم معاشرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور تاریخ عالم نے عالم اسلام کے اذہان وفکر میں جن انقلابات کی نشاندہی کی ہے وہ ان علما ومشائخ کی شب وروز کوششوں کے مرہونِ منت ہے۔ ان میں صوفیاء خاص طور پر روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے اور ان کی کوششوں نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشونما میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے مردہ دلوں کو حیات بخشی اور مردہ لاشوں کو زندہ کر دیا۔ انہی حضرات میں ملامیتہ، قلندر، اور مجذوب بھی شامل ہیں۔

ملامیتہ: صوفیاء کرام کی یہ وہ جماعت ہے جو ریا سے بچتی ہے اور اخلاص میں بے حد کوشش کرتی ہے۔ یہ اپنے کمالات باطنی کو پوشیدہ رکھتی ہے۔ ظاہر بین حضرات ان پر غلط رائے قائم کرتے ہیں اور سنگین الزامات کی بناء پر فتاوٰی صادر کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے نہ تو اپنے حالات پر نظر ثانی کی اور نہ اپنے مخالفین کے فتوؤں کو کوئی اہمیت دی۔

قلندر: صوفیاء کے ہاں قلندر کا مقام بہت جانا جاتا ہے۔ شاہ نعمت اللہ ولیؒ کی رائے میں، صوفی منتہی اپنے مقاصد کو پالیتا ہے تو قلندر بن جاتا ہے۔ دنیا کے گرد وغبار میں اَٹے ہوئے یہ لوگ بعض اوقات دنیا والوں کو دم بخود کر دیتے ہیں۔ قلندر کے مقام کو متعین کرنے کے لیے عارفانِ حق نے بڑے بڑے عمدہ نکتے نکالے ہیں۔ یہ شخصیت نہ عبادات میں سما سکتی ہے اور نہ ہی انہیں الفاظوں کے کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے، نہ یہ بیان کے پیمانے میں ناپے جا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قلندر کی بلند پروازیاں

دین دنیا کی حدود و قیود کو توڑ کر آگے نکل جاتی ہیں۔ گویا کوچہ محبوب میں پہنچنے کے لیے یہ دیر و حرم سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔

مجذوب: صوفیا میں مجذوب کا مقام نہایت ہی نازک اور منفرد ہے۔

'ملامیتہ' ریاکاری سے بچنے کے لیے سنگ باری طفلاں زمانہ کے مقام پر آ کر کھڑا ہوتا ہے۔

قلندر علم و خرد کی قائم کردہ حدود کو توڑ کر دور اوپر نکل جاتا ہے۔ اُس کی پرواز ناسوت اور ملکوت کی بنیادوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ مگر مجذوب کا معاملہ ان دونوں مقامات سے دگرگوں ہے۔ وہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بطریق سیر کشفی عیانی چلتا ہے۔ طریق استدلال سے بالکل ناآشنا اس راستے پر چلنے والا سالک بعض اوقات یادِ خداوندی کے غلبہ میں پھنس جاتا ہے۔ عالم و مافیا کے تمام خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو باعث ترقیات مزید ہوتی ہے۔ اسی حالت کو صفائی مبتدی کہتے ہیں جو صفائی وقت کی ابتدائی منزل ہے۔ صوفی پر مختلف مقامات آتے ہیں، تجلیات وارد ہوتی ہیں، پھر وہ صفائی متوسط کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

اور پھر وہ مجذوب کامل بن جاتا ہے۔ یہ مجذوب واصل ہو کر مقام تعین پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقام صفائی منتہی ہے اس رتبہ پر فائز صوفی کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ صوفیاء اسلام کے مجذوبین کی ایک خاص تعداد ایسی ہے۔ جسے تاریخ نے اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ مجذوبین کا یہ طبقہ اصلاح عالم کے کسی مقام پر متعین نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی انہیں جذب حقیقی سے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ خلق کی اصلاح کا کام اپنے ذمہ لیں۔ اس کے باوجود بعض حضرات کے معاملات ان مجذوبوں کے گوشہ ابرو کی جنش سے طے پا گئے ہیں۔

دورِ حاضر میں مادیت نے انسانی ضمیر کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ انسان اپنی ظاہری زندگی کی آسانیوں کے حصول کے لیے دیوانہ وار تگ و دو میں مصروف ہو گیا ہے۔ اہل اللہ کی مجالس سے محروم ہو گیا ہے۔ رشد و ہدایت کے چشموں سے اُسے ایک قطرہ آب بھی میسر نہیں۔ یادِ الٰہی کی راحتوں سے یکسر بے بہرہ ہو گیا ہے۔ اُسے کثرت مال کی ہوس نے دنیا کی دوڑ دھوپ میں مصروف کر دیا ہے۔

مندرجہ بالا رجال الغیب کو احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔

حدیث اوّل: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ابدال میری امت میں چالیس (40) ہیں ان ہی سے زمین قائم ہے۔ انہی کے سبب تم پر مینہ اُترتا ہے انہی کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے" (مشکوۃ، مسند احمد)

حدیث دوم: محمد بن عجلانؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر قرن میں میری امت سے سابق (نیک کاموں میں سبقت کرنے والے) لوگ ہیں، وہی راست باز (صدیق) ہیں اُن کے ذریعے سے پانی برستا ہے"۔

اُن کے طفیل روزی دی جاتی ہے اور اُن کی برکت سے زمین والوں سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں'۔

قرن: قرن سے مُراد 10 سال، 20 سال، 30 سال، 40 سال، 50 سال، 60 سال، 70 سال، 80 سال، 90 سال، 100 سال، 120 سال ہے۔ صحیح قول کے مطابق 100 سال ہے۔ اس کی صحت رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے قول مبارک سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ یہ حدیث ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایک لڑکے کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھر کر فرما" تُو ایک قرن زندہ رہ، تو وہ 100 سال تک زندہ رہا-"

حدیث سوم: مکحولؒ حضرت ابو دردہؓ صحابی سے راوی ہیں کہ! فرمایا" انبیا کرام اوتاد الارض ہیں۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو محمد خاتم النبیین ﷺ سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا جن کو ابدال کہتے ہیں۔ انہوں نے نماز، روزے اور تسبیح کی کثرت سے لوگوں پر فضیلت حاصل نہیں کی ہے۔ بلکہ حسن خلق، سچی پرہیزگاری، نیک نیتی۔ تمام اہل اسلام کے لیے ان کے دل کا سلامت ہونا، اللہ کی نصیحت پر عمل، اللہ کو خوش کرنے کے لیے صبر اور حلم، عقل، تواضع سے وہ انبیاء کے خلیفہ ہیں۔ وہ ایک ایسا گروہ ہے جن کو اللہ نے اپنے علم سے اپنے لئے خاص طور پر چن لیا اور پسند فرمایا اور وہ چالیس صدیق ہیں۔ ان میں سے تیس آدمی مثل یقین ابراہیم خلیل الرحمٰن کے ہیں۔ ان کے ذریعے زمین والوں سے تکالیف اور بلائیں دور ہوتی ہیں۔ ان کی وجہ سے مینہ برستا ہے اور ان کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔ ان میں سے کبھی کسی کا انتقال نہیں ہوتا۔ مگر اُس کی جگہ اللہ تعالیٰ ایک جانشین پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ لوگ کسی کو لعن طعن نہیں کرتے۔ اپنے ماتحت لوگوں کو ایذا نہیں دیتے۔ ان پر دست درازی نہیں کرتے۔ ان کو حقیر نہیں جانتے اور اپنے سے اوپر والوں پر حسد نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے، وہ موت سے نہیں ڈرتے۔ وہ تکبر کرنے والے نہیں اور نہ ہی آنکھ، کان، بند کرنے والے ہیں۔ وہ لوگوں سے زیادہ شریں کلام ہیں اور نفوس سے زیادہ پرہیزگار، ان کی طبیعت میں سخاوت ہے۔ اور صفت ان کی سلامت و دوامی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ آج خشیت میں ہیں تو کل غفلت میں، ہمیشہ اُن کی حالت ایک ہے۔ خدا کے ساتھ بھی اور آپس میں بھی، اِن کو تُند ہوا اور تیز رفتار گھوڑا نہیں پکڑ سکتا۔ اور ان کا

اشتیاق نیک کاموں میں آگے بڑھا ہوا ہے۔ یہی لوگ اللہ کے گروہ ہیں ہاں اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے" میں نے کہا اے ابودرداؓ "اس صفت سے جو تم نے مجھے بتائی ہے کوئی اور چیز مجھ پر ثقیل نہیں (یعنی یہ مجھ پر سب سے بھاری ہے، یعنی یہ بہت سخت مشکل کام ہیں) چہ جائکہ میں اس کو حاصل کر سکوں (یعنی میں اس کو کیسے حاصل کروں)" کہا کہ متوسط درجہ یہ ہے کہ:

" تو دنیا کو دشمن رکھا گر تو دنیا سے بغض رکھے گا تو آخرت کی محبت تیرے پاس آئے گی۔ اور جس قدر تو دنیا سے الگ ہو گا اتنا ہی آخرت کو دوست رکھے گا۔ اور جس قدر تو آخرت سے محبت کرے گا اتنا ہی تم کو اپنا نفع اور نقصان معلوم ہو گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی طلب کی صداقت معلوم ہوتی ہے تو وہ اُس پر راحت اور مضبوطی انڈیل دیتا ہے۔ اور پھر اُس کو اپنی حفاظت اور احاطہ میں کر لیتا ہے۔ اور اس کی تصدیق اُس نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کی ہے۔ (سورۃ نحل۔ آیت نمبر ۱۲۸)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی اور محسن ہیں "۔

پس جب ہم نے اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی رضا مندی چاہنے سے کوئی چیز زیادہ لذت والی نہیں ہے اور افضل نہیں ہے۔ جس سے کوئی لذت حاصل کرنے والا لذت لے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الوصول کی معرفت اخبار رسول خاتم النبیین ﷺ میں)

حدیث چہارم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا! سُنا میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے فرماتے ہوئے

"ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس ہیں۔ جب اُن میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر دوسرے کو بدل دیتا ہے۔ ان کے ذریعے سے مینہ دیا جاتا ہے اور ان سے دشمنوں پر مدد لی جاتی ہے اور ان کی برکت سے زمین والوں کی بلائیں رد ہوتی ہیں۔ یہی اہلِ بیعت رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ اور اس امت کے امان ہیں اگر یہ مر جائیں تو زمین خراب اور دنیا تباہ ہو جائے اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور "اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے تو زمین برباد ہو جائے"۔

(روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے نوادر الوصول، صفحہ 222، صفحہ 223)

حدیث پنجم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے "ہمیشہ (40) آدمی میری امت میں رہیں گے جو ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ ان کی برکت سے اہلِ زمین سے بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ ان کو ابدال کہتے۔ انہوں نے اس بات کو نماز، روزہ، صدقات سے نہیں حاصل کیا"۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، کس چیز سے یہ خوبی حاصل ہوئی؟

اس پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سخاوت اور اسلام کی خیر خواہی سے حاصل کی"

اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم اصفہانی نے، کتاب حلیۃ الاولیا اور مواہب المدینہ میں، صفحہ 430 پر۔

حدیث ششم: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال اس امت میں 130 آدمی ہیں اُن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر ہیں۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے کو بدل دیتا ہے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے نوادر الوصول میں)

حدیث ہفتم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال شام میں 140 ہیں جب ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو بدل دیتا ہے ان کی برکت سے بارانِ رحمت مانگی جاتی ہے اور دشمنوں پر ان سے مدد دی جاتی ہے اور شام والوں سے ان کے ذریعے بلائیں دور کی جاتی ہیں" (امام احمد بن حنبلؒ)

حدیث ہشتم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "اہلِ شام کو گالی نہ دو بے شک اُن میں ابدال ہیں" (روایت کیا اس کو طبرانی نے)

حدیث نہم: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے ابدال 40 (چالیس) ہیں 22 شام میں اور 18 عراق میں ہیں۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا مقرر فرما دیتا ہے۔ جب امر (قیامت) آئے گا تو سب قبض کیے جائیں گے" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی ابن عدی نے کامل میں اور روضہ الریاحین فی حکایات الصالحین، صفحہ 8)

حدیث دہم: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ابدال شام میں، نجبا مصر میں، نقبا خراساں میں، اوتاد باقی زمین میں اور حضرت خضر علیہ السلام سب قوم کے سردار ہیں۔"

(روایت کیا اس کو حکیم ترمذی ابن عدی نے کامل میں اور روضہ الریالین فی حکایات الصالحین، صفحہ 8)

<u>ابدال کی علامتوں میں احادیث جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں اور معلوم ہوتے ہیں</u>

<u>حدیث گیارہ:</u> بکر بن حنیس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت کے ابدال کی علامت ہے کہ وہ کسی شے کو لعنت نہیں کرتے'' (روایت کیا اس کو ابن ابی دنیا نے کتاب الدعا میں)

کسی مسلمان پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کہ بعض علماء کے نزدیک مستحق لعنت پر بھی لعنت نہ کرے، شجر، جمادیات اور حیوانات پر بھی لعنت ممنوع ہے۔ مگر بچھو وغیرہ پر بعض جانوروں پر حدیث شریف میں لعنت آتی ہے۔

رسولِ پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

1۔ مسلمان طعن کرنے والا، لعن کرنے والا، اور بیہودہ بکنے والا نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی جلد دوم حدیث نمبر 2019)

2۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بہت لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفیع نہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 6610 جلد دوئم)

3۔ تیسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کی لعنت مثل اُس کے قتل کے ہے۔ (صحیح بخاری شریف حدیث نمبر 6652)

4۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ جب بندہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ آسمان کے دروازے اُس کے لیے بند ہو جاتے ہیں کہ یہاں تیری جگہ نہیں۔ پھر زمین کی طرف اترتی ہے اُس کے بھی دروازے بند ہو جاتے ہیں کہ یہاں تیری جگہ نہیں ہے۔ پھر دائیں بائیں پھرتی ہے۔ کہیں بھی ٹھکانہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی اگر وہ لعنت کے لائق ہے تو اُس پر جاتی ہے ورنہ دینے والے پر پلٹ آتی ہے۔ (سنن ابی داود، جلد چہارم، حدیث نمبر 4905)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: '' میں نے عورتوں کو دوزخ میں بکثرت دیکھا'' عرض کیا کس سبب سے؟ تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ لعنت بہت کرتی ہیں ''۔ (صحیح مسلم، جلد اول حدیث نمبر 241)

امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے وقت میں سو بار شراب پی۔ ایک صحابی ؓ نے اُس پر لعنت کی، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''شیطان اس کا دشمن موجود ہے۔ وہ کفایت کرتا ہے تو لعنت کر کے شیطان کا یار نہ بن''۔ ایک اور شخص نے شراب پی لوگ اس کو مارتے جاتے اور لعنت کرتے جاتے فرمایا آپ خاتم النبیین ﷺ نے ''اس کو لعنت نہ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کو دوست رکھتا ہے''۔ اس لیے لعنت کرنا ثواب میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص دن بھر شیطان پر لعنت کرتا ہے تو کیا حاصل ہوگا؟ اس سے بہتر ہے کہ اس قدر وہ وقت درود شریف اور تلاوت میں صرف کرے کہ ثوابِ عظیم ہاتھ آئے۔ اگر اسی کام میں کوئی فائدہ ہوتا تو پھر پروردگارِ عالم ہمیں ابلیس کو لعنت کرنے کا حکم دیتا۔

اہلِ علم فرماتے ہیں اہلِ سُنت والجماعت کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ کسی پر لعنت نہیں کرتے۔ اور اہلِ بدعت کی برائیوں میں سے ایک بُرائی یہ ہے کہ یہ ان کے بعض لوگ بعض کو کافر کہتے ہیں اور بعض لوگ ایک دوسرے کو لعنت کرتے ہیں۔

<u>حدیث بارہ:</u> کتانیؒ محدث سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: '' نقبا تین سو، نجبا ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، اوتاد چار اور غوث ایک ہے۔''

نقبا کا مسکن مغرب ہے نجبا کا مصر ہے ابدال کا مسکن شام ہے اور اخیار زمین میں سیاحت کرتے ہیں۔ اوتاد جہات اربعہ ہیں یعنی ایک مشرق ایک مغرب ایک جنوب اور ایک شمال میں ہیں اور مسکن غوث و قطب کا مکہ مکرمہ ہے۔ جب امر عالم سے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو نقبا خلوص دل سے دعا کرتے ہیں۔ پھر نجبا، پھر ابدال، پھر اخیار، پھر اوتاد، اگر قبول ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ غوث دعا مانگتے ہیں حتیٰ کہ اُن کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

<u>احادیث اس بیان میں کہ ابدال عورتیں بھی ہیں:-</u> حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

''ابدال چالیس مرد اور چالیس عورتیں ہیں۔ جو کوئی مرد ان میں سے مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے قائم مقام مرد کر دیتا ہے۔ اور جب کوئی عورت مرتی ہے تو اِس کی جگہ اللہ تعالیٰ عورت کو قائم مقام کر دیتا ہے۔'' (روایت کیا اس کو خلال نے کراماتِ اولیاء میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں وسیلہ جلیلہ، صفحہ 133)

<u>احادیث ابدال کی خاصیتوں کے بارے میں:-</u>

<u>حدیث اول:</u> حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''امت میں ہر قرن میں پانچ سو آدمی ہیں اور

چالیس ابدال ہیں کبھی ان میں کمی نہیں ہوتی۔ جب ابدال میں سے کوئی مرتا ہے تو پانچ سو میں سے ایک ابدال ہی بھرتی ہوتا ہے۔اور یہ کمی کسی ایک بہترین امتی سے پوری کردی جاتی ہے"

عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ان کے اعمال بتائیے؟ تو اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ سے ارشادفرمایا:"جواُن پر ظلم کرے اُس کومعاف کرتے ہیں اور جواُن کے ساتھ بُرائی کرے اس سے احسان کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے دیئے ہوئے میں سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں"(روایت کیا اس کوابونعیم وسیلہ جلیلہ،صفحہ 1133)

حدیث دوم: حضرت معاذ ؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" تین چیزیں جس میں ہوں وہ ابدال کے گروہ میں ہے"-(1) رضابقضا(تقدیرالٰہی پر راضی ہوں) (2) محرمات الٰہی سے صبر(جوکچھ اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں دیا گیا اُس کی طرف توجہ نہیں)
(3) اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیےغصّہ(روایت کیا اس کو دیلمی نے مسندِ الفردوس میں)

حدیث سوم: حضرت ابودردا ؓ سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جنھیں ابدال کہتے ہیں وہ اسی مرتبہ پر کثرتِ نماز،روزہ اورخشوع سے نہیں پہنچے بلکہ وہ صدق،سچائی، پرہیزگاری،نیک نیتی،اور سلامتی صدوراوررحمت سے پہنچے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا اپنے علم سے خاص کرلیا اپنےنفس کے لیےاوروہ چالیس آدمی ہیں ان میں سے کسی کا انتقال نہیں ہوتا،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ خلیفہ پیدانہیں فرمادیتا"(روایت کیا اس کوروضہ الریاحین،صفحہ 81 مطبوعہ مصر میں)

حضرت حسن بصری ؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" میری امت کے ابدال کثرتِ نمازاورروزوں کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت،سلامتی قلوب،سخاوت نفس اوراہلِ اسلام کے ساتھ رحم کرنے سے جنت میں داخل ہوں گے۔(روایت حکیم ترمذی)

حدیث چہارم: عطاؒ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:"ابدال موالی ہیں اور موالی کوسوائے منافق کے کوئی دشمن نہیں رکھتا۔موالی کا مطلب مددگار،رفیق،تابع،سردار،ہمسایہ،چچا کا بیٹا،آفتاب،آزادکرنے والا"

حدیث پنجم: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" ہمیشہ 40 آدمی میری اُمت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہوں گے(یعنی اُن کا عکس ہوں گے)اللہ تعالیٰ اُن کی برکت سے زمین والوں سے بلا دفع کرتا ہےان کوابدال کہتے ہیں۔اس درجہ کو (انہوں نے نماز،روزہ اورحج سے حاصل نہیں کیا)"۔

عرض کیا گیا کہ اُن کو یہ خصلت کس چیز سے ملی؟اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشادفرمایا:"سخاوت،اورمسلمانوں کی خیر خواہی سے"(روایت کی اس کوابوالنعیم نے حلیتہ الاولیاء میں)

ابدال سابقون اور برگزیدہ ہیں:-

حدیث اول: حضرت برا ابن عازبؓ ابوعمارہؓ انصاری حارثی ؓ صحابی ہیں۔وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہیں جن کووہ بلندجنتوں میں جگہ دےگا وہ لوگوں میں زیادہ عقل مند ہیں"

راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ خاتم النبیین ﷺ وہ کیسے لوگوں سے زیادہ عقل والے ہوں گے؟

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشادفرمایا:"اُن کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرنا(آگے جانا اُس کی طرف بڑھنا)اوراُس کے پسندیدہ اُمور کی طرف جلدی کرنا ہے۔انہوں نے دنیااوراُس کی اچھی چیزوں اورراحت اورنعمتوں کوترک کردیا۔وہ ان پر ذلیل ہوئی تو انہوں نے تھوڑاصبر کیااوراستراحت طویل کی"

(روایت کیااس کوامام یافعی نے روض الریاحین،صفحہ 8 پر)

حدیث دوم: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" میری اُمت میں ہرزمانے میں(سابقون)سبقت کرنے والے ہیں"(روایت کیااس کوحافظ ابوالنعیم نے خلیفہ الاولیاء میں)

حدیث سوئم: حضرت ابودرداؓ سے روایت کرتے ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:" سابق(سبقت کرنے والے)اورمیانہ رودونوں بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گےاوراپنےنفس پرظلم کرنے والوں سے آسان حساب لیا جائے گا پھر جنت میں داخل کیا جائے گا۔"(روایت کیا حاکم نے)

حدیث چہارم: رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میری اُمت میں ہر زمانے میں سبقت لے جانے والے ابدال ہیں وہ صدیق ہیں۔انہی کی بدولت مینہ برسائے جاتے ہیں اوران ہی کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔اورانہی کے ذریعے زمین والوں سے بلائیں دفع کی جاتی ہیں" (روایت کیا اس کو حکیم ترمذی نے)

حدیث پنجم: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " خوشخبری ہے سابقون کے لیے طرف سایہ الٰہی کے ہیں" ''عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں؟'' اس پر نبی رحمت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "یہ وہ لوگ ہیں جو حق دیئے جاتے ہیں تو قبول کرتے ہیں اور جب سوال کیے جاتے ہیں تو خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہی جو لوگوں کے لیے وہی حکم کرتے ہیں جو اپنے لیے کرتے ہیں"۔

حدیث ششم: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ زمینوں میں سے شام ہے اور اس میں اِس کی خلقت اور بندوں سے برگزیدہ لوگ ہیں اور وہ ضرور ضرور داخل ہوں گے جنت میں، میری اُمت سے ایک گروہ جن پر حساب وکتاب نہیں" (طبرانی)

حدیث ہفتم: حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ہر روز یہ کہے کہ اے اللہا مت محمدی پر نگاہ کر، اے اللہ اُمت محمدی کی اصلاح کر، اے اللہ اُمت محمدی پر رحم کر، اے اللہ اُمت محمدی کو بخش دے، اے اللہ اُمت محمدی سے غم دور کر، تو وہ ابدال میں لکھا جائے گا"

حدیث ہشتم: حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مومن مردوں اور عورتوں کے لیے ہر روز 27 بار استغفار کرے تو وہ مستجاب الدعوات لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ جن کی برکت سے اہلِ زمین کو روزی پہنچائی جاتی ہے"

علامہ سیوطیؒ نے طبرانی کے حوالے سے جامع صغیر میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کُشائی کا منصب عطا فرمایا ہے۔ لوگ اپنی حاجات میں اُن کی طرف رُجوع کرتے ہیں"

علامہ سیوطیؒ نے اِسی حدیث کو سند کے اعتبار سے حَسن کا درجہ دیا ہے۔

محدث عبدالروف مناویؒ نے اِس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق میں اپنی نیابت عطا فرمائی ہے۔ اوران کو اپنی دینی اور دنیاوی نعمتوں کا مالک بنادیا ہے تاکہ وہ ان خزانوں کو محتاجوں پر خرچ کریں۔ (فیض القدیر)

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد سب سے پہلے قطب حضرت ابوبکر صدیقؓ ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر باتفاق جمہور، حضرت حسن بصریؒ۔

بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد درجہ قطب سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کو عطا فرمایا گیا۔ پھر صحابہ اکرمؓ اور اُن کے بعد اول حضرت حسن بصریؒ تھے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ جب قطب کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کے دو وزیروں میں سے ایک اِس کا جانشین بنایا جاتا ہے۔ جس میں سے ایک عالم ملکوت کا کام کرتا ہے اور دوسرا عالم ملک کا (زمین کا)۔ یہ حضرات نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہوتے ہیں۔ ان کو اختیارات اور تصرفات نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں ملتے ہیں۔ علومِ غیب ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کو لوحِ محفوظ پر مطلع کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے اور عطا سے ہوتا ہے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کے بغیر کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ تمام اولیاء اولین اور آخرین میں سے زیادہ معرفت حضرت صدیق اکبرؓ کو پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مرتبہ تکمیل پر حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانبِ کمال نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا اور جانب کمالاتِ ولایت حضرت علی کرم اللہ کو تو بعد کے تمام اولیاء نے حضرت علی کرم اللہ کے گھر سے نعمت پائی اور انہی کے دستِ نگر تھے اور ہمیشہ رہیں گے۔

****

نسل نو کو روحانی اسلام کی طرف کیسے راغب کیا جائے؟

دینی تعلیم اور تبلیغ کے ذریعے نئی نسل کا اسلام کی طرف لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

لاتسبو الدھر ''زمانے کو گالی نہ دو''

زمانے کو بُرا بھلا کہنے سے کوئی بات نہیں بنے گی بلکہ اس کے برعکس معاملہ اور بگڑ جائے گا۔ اس لیے کہ زمانے کا کام عدل کرنا ہے۔ اسے کسی سے دلچسپی اور سروکار نہیں وہ تو اس کے حق میں اپنا فیصلہ دے گا جو اپنا موقف اس کے سامنے بہتر طریقے سے پیش کرے گا۔ ہمارے علما اور مبلغین قرآن اور حدیث کو جس انداز سے پیش کر رہے ہیں وہ نئی نسل کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی بجائے اس کے اندر مذہب بیزاری اور گمراہی کے رجحانات کو فروغ دے رہے ہیں۔ قرآن حکم کے بارے میں سورہ بقرہ، آیت نمبر 26 میں ارشاد ربانی ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ؕ ترجمہ: ''یہ (قرآن) بہت سوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا''۔

آج ہماری نسلیں جدید تعلیم سے آراستہ ہو کر ان عقائد اور نظریات کو تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں جو بزرگوں سے ان تک پہنچے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ جدید نسل جب روحانی سلسلوں کا نام سنتی ہیں تو وہ اپنے بزرگوں کے سامنے لب کشا ہو کر پوچھتی ہیں کہ یہ قادری، سہروردی اور چشتی سلسلے کیا ہیں ان کی افادیت اور ضرورت کیا ہے؟ مشائخ اور پیروں کو ہم کیوں مانتے ہیں؟ جو کچھ مانگنا ہو خدا سے کیوں نہ مانگا جائے یہ توسل اور واسطہ کیوں اور کس لیے ضروری ہے؟ اور ان تمام سوالوں کے جواب میں ہم انہیں گستاخ اور بدزبان کہہ کر خاموش کر دیتے ہیں۔ ہماری ڈانٹ سے وہ اس وقت تو زبان بند کر لیتے ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ اسلامی تعلیمات سے باغی اور سرکش ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم ان سے جدید انداز میں اور عصری علم کی زبان میں مکالمہ نہیں کر سکے اور ان کا ذہن ہماری بے ربط باتوں سے مطمئن نہیں ہو سکا۔

اولیا اللہ کا مقام قرآن کی نظر میں: -قرآن مجید کا انداز اور اسلوب اپنے اندر حکمت لیے ہوئے ہے۔ بعض اوقات خطاب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ذات سے ہوتا ہے لیکن حکم آپ خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اُمت کو دینا مقصود ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں اللہ تعالی نے اپنے محبوب خاتم النبیین ﷺ سے ارشاد فرمایا: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ (سورۃ الکھف 28: 18)

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو ان سے مت پھیریئے''۔

اسی ارشاد ربانی میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے توسط سے امت مسلمہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ان لوگوں کی معیت اور محبت اور دلجمعی کے ساتھ ہم نشینی اختیار کریں۔ جو صبح و شام اللہ کے ذکر میں سرمست رہتے ہیں اور جن کی ہر گھڑی یاد الٰہی میں بسر ہوتی ہے اور انہیں اٹھتے بیٹھتے کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی اور وہ ہر وقت اللہ کے طلب گار رہتے ہیں۔ یہ بندگان خدا صرف اپنے مولا کی آرزو رکھتے ہیں اور اسی کی آرزو میں جیتے ہیں اور اپنی جان آفریں اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی معیت کیوں اور کس لیے؟ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بجائے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے اولیاء اللہ کی سنگت اور ہم نشینی کی کیا ضرورت ہے؟۔ ان کے سلسلے میں آنے، بیعت کرنے اور نسبت قائم کرنے کی اہمیت شریعت میں کیا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ سارا معاملہ سیدھا اللہ سے استوار کر لیا جاتا اور بلا واسطہ اسی سے تعلق اور ناتا جوڑنے کی کوشش کی جاتی۔ بندوں کو درمیان میں لانا اور انہیں، تقرب الی اللہ کیلئے واسطہ بنانا کیوں ضروری ہے؟ جبکہ مقصود کُل تو اللہ تبارک وتعالی ہی کی ذات ہے۔ یہ سوال آج کے دور میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اکثر یہ باتیں زبان زدعام ہیں کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان یہ ولیوں، پیروں، فقیروں اور صوفیاء کا طبقہ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں نہ ان کو درمیان سے نکال دیا جائے اور بندوں کا تعلق براہ راست اللہ سے جوڑا جائے؟۔ اس طرح کی باتیں آج کل بڑی شدت سے زور پکڑ رہی ہیں۔ اور یہ سوال ذہنوں کو پریشان (Agitate) کر رہے ہیں کہ اولیاء اور صوفیا کو درمیانی واسطہ ماننے کا از روئے شریعت کیا جواز ہے؟ اس کا جواب ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ اسی کا حوالہ سب سے معتبر حوالہ ہے۔ اے قرآن ہمیں بتا کہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان میں یہ اولیاء اللہ کا طبقہ کس نے پیدا کیا؟ تو قرآن جواب دیتا ہے کہ بندوں اور خدا کے درمیان اولیاء اللہ کو اللہ نے ڈالا ہے اور کس میں اتنی ہمت اور جسارت ہے کہ ایسا کر سکے اس کے بارے میں قرآن مجید کے الفاظ وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ سورۃ الکھف، آیت نمبر 28

اس حکم کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو درمیانی واسطہ بنائے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔

اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء کو بھیجا جو حضرت آدم علیہ السلام سے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور میں اس فریضہ نبوت کو بطریق احسن سرانجام دیتے رہے۔ ابتدائے آفرنش سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اپنا پیغام انبیاء کی وساطت سے دیتا ہے۔ جب انبیاء کا زمانہ تھا ان کو اپنے بندوں کے درمیان رکھا اور جبکہ نبوت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے۔ اس کام کیلئے اولیاء اللہ کو مامور کیا جاتا رہا اور یہ سلسلہ تا قیامت ابد تک جاری رہے گا۔ قرآن پاک میں فرمان الٰہی ہے

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے یقیناً یہی لوگ بامراد ہیں۔'' سورۃ آل عمران، آیت نمبر 104

یہ اللہ کی سنت ہے کہ وہ اپنی توحید کا پیغام اپنے بندوں کو دینا چاہتا ہے تو (قل ھو اللہ احد) فرماتا ہے کہ ''قل'' کہہ'' کیا کہہ؟ کہتا ہے کہ کہہ اللہ ایک ہے۔ تو اے اللہ تُو خود اپنی توحید کا اعلان کیوں نہیں کرتا تُو خود ہی فرما دے کہ میں ایک ہوں۔ یہ نبی کا واسطہ کہلانے کے لیے تو نے کیوں ڈالا؟۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ نہیں یہ میری شان نہیں کہ بندوں سے از خود کلام کروں اور نہ کسی بشر کی مجال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کرے۔ قرآنی ارشاد

''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ'' (سورۃ الشوریٰ 51 : 42) ترجمہ: ''نہیں کوئی بشر کہ خطاب کرے اللہ سے''

اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام اپنے منتخب مکرم بندوں سے کراتا ہے۔ جنہیں منصب رسالت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''میں جسے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتا ہوں اپنے اس نبی اور رسول ہی سے کلام کرتا ہوں اور اپنے اس محبوب کو ہی اپنا ہمراز بناتا ہوں اور اسے اپنی خبر دیتا ہوں تو اے محبوب تجھے میں نے اپنا رسول بنایا ہے تو ہی میرے بندوں کے پاس جا اور انہیں میرے ہونے کی خبر دے اور جو کلام میں نے تجھ سے کیا ہے وہ ان تک پہنچا دے۔ (قل ھو اللہ احد) کے کلمے میں ''قل'' کہنا رسالت ہے۔ جبکہ (ھو اللہ احد) وہ اللہ ایک ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ توحید کے مضمون کا عنوان بھی رسالت ہے تا کہ لوگوں کو اس امر سے مطلع کر دیا جائے کہ اللہ ایک ہے اور وہی سب کا رب ہے۔

اس سے یہ نکتہ کھلا کہ اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ کسی سے براہ راست کلام نہیں کرتا اور اگر وہ کسی سے کلام کرنا چاہتا ہے تو درمیان میں واسطہ رسالت لاتا ہے۔ اب یہ کس کی مجال ہے کہ وہ رسول کے واسطے کے بغیر اس سے کلام کرے تو آیت توحید سے یہ صورت واضح ہوگئی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے ہم کلام ہونے کیلئے اپنے رسول کا واسطہ درمیان میں لاتے ہیں۔ اس پر ہم چیں بہ چیں کیسے ہو سکتے ہیں؟۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور ہم اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے۔ رب ذوالجلال نے یہ بنیادی نکتہ، کلیہ اور اصل اور اصول بیان فرما دیا کہ میری اطاعت کا راستہ میرے رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے راستے سے گزرتا ہے۔ ارشاد ہوا ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورۃ النسا 80 : 4) ترجمہ: ''جو رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

اے میرے بندو یہ بات ہمیشہ کیلئے اپنے پلے باندھ لو کہ جس نے میری اطاعت کرنی ہو۔ اسے چاہیے کہ مصطفی کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔ میرے مصطفی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر میری اطاعت کا تصور بھی نہ کرنا اس نقطے کو یہ کہہ کر مزید واضح کیا۔

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ'' (سورۃ العمران 31 : 3)

ترجمہ: ''اے حبیب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع میں آجاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا'' (میری پیروی میں آجاؤ)

''اے محبوب! آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اگر تم میں سے کوئی اللہ کی محبت اور غلامی کا دعویٰ کرتا ہے تو پہلے میری محبت اور غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اللہ کی محبت نصیب ہو جائے گی''۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہوگئی کہ اللہ کے نزدیک وہ محبت اور اطاعت ہرگز معتبر اور قابل قبول نہیں جو اس کے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اس کی اطاعت کے بغیر ہو اس نے رسول کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنا دیا اور یہ بات طے کر دی کہ اس رابطہ کو درمیان میں رکھے بغیر اطاعت و محبت الٰہی کا کوئی دعویٰ محض ''خیال است و جنوں است'' والی بات ہوگی۔ مزید ارشاد ہوا کہ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ'' (سورۃ البقرہ 186 : 2)

ترجمہ: ''(اے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو فرما دیں) پس میں قریب ہوں''۔

یعنی اے میرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاشِ حق کے متلاشی میرے بندے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق سوال کریں تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہہ دیجئے کہ میں انسان کے بہت قریب ہوں۔ یہاں اب کہا جا رہا ہے کہ میں ان بندوں کے قریب ہوں۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ بندے کون ہیں؟ جنہیں قرب الٰہی کا مژدہ جانفزا سنایا جا رہا ہے۔ ذرا غور کریں تو یہ نکتہ کھل جائے گا کہ میرے بندے وہ ہیں جو پہلے میرے مصطفی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے در کے

سوالی بنیں، جو ان کے در پر آ کر سوالی ہوگا وہی میرا بندہ ہوگا اور جو اس در کا سوالی نہ ہوگا وہ خدا کے در کا سوالی نہیں وہ کبھی شان بندگی کا حامل نہیں ہوسکتا۔

تو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ رسالت ایسا واسطہ ہے جس سے اطاعت و محبت الٰہی کے باب میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے جب منافقوں نے از روئے عناد درِ مصطفی خاتم النبیین ﷺ پر سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر ان کی قلعی ظاہر کر دی۔ یہ ارشاد ہوا ہے

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا (سورۃ النسا 61 : 4)

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ خاتم النبیین ﷺ سے منہ موڑ کر پھیر جاتے ہیں''

ملاحظہ ہو کہ یہ منافق لوگ اللہ کی طرف آنے سے پس و پیش نہیں کریں گے۔ اور انہیں کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ نہ ہوگی لیکن جب رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنا چہرہ یہ کہہ کر پھیر لیتے ہیں کہ جب بالآخر اللہ ہی طرف جانا ہے تو سیدھے اس کی ہی طرف کیوں نہ جائیں؟۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی طرف کیوں جائیں۔ اللہ ان لوگوں کے بارے میں جن کے دلوں کے اندر چور ہے۔ فتویٰ دے رہا کہ وہ میرے بندے نہیں بلکہ منافق ہیں، میرا ان سے بندگی کے ناطے کوئی تعلق نہیں۔

بغیر واسطہ رسالت بندہ اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا:۔ یہ بات ارشاد ربانی سے طے ہوگئی کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی راہ پر چلے بغیر کوئی اپنی منزل پا نہیں سکتا۔ وہ لاکھ ٹکریں مارتا ہے اس کی بندگی کو بارگاہ خداوندی میں سند قبولیت نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود واسطہ رسالت کو اپنے اور بندوں کے درمیان رکھا ورنہ اگر وہ چاہتا تو کتاب کے ذریعے اپنا پیغام براہ راست بندوں تک پہنچا سکتا تھا۔ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی چیز محال نہیں، وہ اپنے فرشتوں سے یہ کام لے سکتا تھا۔ عین ممکن تھا کہ ایک شخص صبح اٹھتا اور اس کے سرہانے ایک پارہ پڑا ہوتا جس پر درج ہدایت ربانی اس کے دل میں اتر جاتی۔ وہ کلام جو اس نے اپنے ہر نبی اور رسول کے ساتھ کیا تو کیا وہ اپنے ہر بندے کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا؟ اس طرح ہر بندے کا تعلق براہ راست اس سے قائم ہو جاتا ہے لیکن اپنی بے پایاں حکمتوں کے پیش نظر اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ میری ہدایت میرے رسول خاتم النبیین ﷺ کے واسطے کے بغیر ممکن نہیں اور میری معرفت کو وہی پا سکتا ہے جسے میرے رسول خاتم النبیین ﷺ کی معرفت حاصل ہو جائے۔

تیری معراج کہ تُو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

تو یہ بات طے ہوگئی کہ بارگاہ مصطفوی خاتم النبیین ﷺ میں شرف حضوری حاصل کرنے والے کو ہی فیضان رسالت خاتم النبیین ﷺ نصیب ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ فیضان رسالت ہی معرفت الٰہی حاصل کرنے کا پیش خیمہ ہے۔ یہی واسطہ وہ زینہ ہے جو سیدھا عرش الٰہی تک جاتا ہے اگر کوئی اصل واسطے کو درمیان سے ہٹانا چاہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے نظام کو منسوخ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس پر حضور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ کا یہ ارشاد پاک دلالت کرتا ہے

انما انا قاسم و اللہ یعطی میں (نعمتوں کی) تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرنے والا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

سلسلہ اولیاء کا اجراء:۔ باب نبوت ہمیشہ کیلئے بند ہونے کے بعد فیوضات الٰہیہ (فیضان الٰہی) کے حصول کو جاری و ساری رکھنے کیلئے خدائے ذوالجلال نے اپنے محبوب اور مقرب بندوں یعنی اپنے اولیائے کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ ان سے فائدہ حاصل کرنا از روئے حکم قرآن ہے

''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ'' (سورۃ الکھف 28: 18)

ترجمہ: ''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھو جو صبح شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اس کو پکارتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو اس سے نہ ہٹاؤ (انہیں نظر انداز نہ کرو)''

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہیں میری قربت درکار ہو انہیں چاہیے کہ میرے ان خدا پرست بندوں کے صحبت اور سنگ اختیار کر لیں۔ پھر ارشاد ہوا

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (ترجمہ: ان سے اپنی نظریں نہ ہٹاؤ) (سورۃ الکھف 28 : 18)

ترجمہ: ''لوگو! میرے ان بندوں سے اپنی نگاہ نہ ہٹانا اور انہیں کبھی بنظر تحقیر نہ دیکھنا''۔ پھر فرمایا:

ارشاد ہوا تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (سورۃ الکہف 28 : 18) ترجمہ: ''کیا تم اس چندروزہ دنیا کی زینت کے اسیر رہنا چاہتے ہو''؟

''وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا'' (سورۃ الکہف 28 : 18) ترجمہ: ''اس کی پیروی مت کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے''۔

خبردار ان لوگوں کی اطاعت نہ کرنا جن کے دلوں کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔ اگر تم ان کا کہنا مانو گے اور ان کے پیچھے چلو گے تو ہم سے دور ہو کر خسر ان فی الدنیا و الاخرۃ کے مصداق بن جاؤ گے (دنیا اور آخرت کے خسارے میں)

اس آیت کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ معرفت و قرب الٰہی، ذکر اور وصل باللہ کیلئے اللہ کا حکم ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے یک گونہ قلبی تعلق صحبت اور معیت اختیار کی جائے جو فیوضات نبوت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ تو جس طرح نبی کی ذات فیضان الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح گروہ اولیاء فیضان نبوت حاصل کرنے کا ذریعہ و وسیلہ ہیں۔

مقناطیس اور مقناطیسیت:- قرآن اور جدید سائنس کے تناظر میں ہم مقناطیس (Magnet) کے حوالے سے بات کریں گے۔ مادی ترقی کے اس دور میں مقناطیس پر بہت کام ہو رہا ہے۔ مقناطیسیت وہ قوت ہے جس سے کوئی مقناطیس اپنے دائرہ اثر کے اندر چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے ہر مقناطیس میں ایک خاص مقناطیسی قوت (Mangnetic Force) ہوتی ہے۔ جس کا اثر ایک خاص فاصلے (Range) تک ہوتا ہے جتنا طاقتور کوئی مقناطیس ہوگا اتنا زیادہ فاصلے تک اس کا دائرہ اثر ہوگا۔ اسے اس مقناطیس کا حلقہ اثر (Mangnetic Field) کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک یہ زمین فی نفسہ ایک مقناطیس ہے۔ جس کی مقناطیسی قوت کا دائرہ کار اسی ہزار (80,000) کلو میٹر تک ہے۔

روحانی کائنات کا مقناطیسی نظام:- وہ مادیت زدہ لوگ جو آج تک روحانیت کی حقیقت نہیں سمجھ سکے۔ اکثر سوال کرتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اللہ کا ولی ہزاروں میلوں کے فاصلے سے اپنے ایک مرید کو اپنی نظر اور توجہ سے فیضیاب کر دے؟۔ اتنی دور سے ایسا کیونکر ممکن ہے؟۔ **ان افراد کو یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہ قدیر و علیم ذات جس نے زمین اور مشتری جیسے سیارہ گان فلک کو وہ مقناطیسی قوت عطا کر رکھی ہے جو ہزاروں، لاکھوں میلوں کے فاصلے پر پڑی ہوئی کسی چیز پر اثر انداز ہو سکتی ہے تو کیا وہ مادی حقیقتوں کو روحانی حقیقتوں سے بدلنے پر قادر نہیں؟۔** یہاں اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جس کا دل بصیرت اور باطنی نور سے بہرہ ور ہو۔ ہر صاحب علم پر یہ حقیقت منکشف ہے کہ زمین جو ایک بڑا مقناطیس ہے اس کی مقناطیسی قوت دو کناروں یا دو پولز (Poles) سے پیدا ہوتی ہے۔ جو شمالی پول اور جنوبی پول کہلاتے ہیں۔ اس کے اثر کو قطب نما (compass) کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم جونہی اس کو زمین پر رکھتے ہیں اس کا رخ شمالاً جنوباً ہو جاتا ہے۔ اس compass کے مقابلے میں عام سوئیاں زمین پر رکھیں تو وہ جوں کی توں پڑی رہیں گی اور ان کا رخ شمالاً جنوباً نہیں پھرے گا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ compass کی سوئی کو کس نے شمالاً جنوباً پھیرا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سوئی جس کی نسبت دوسرے Poles کے ساتھ ہو گئی وہ عام سوئی نہ رہی بلکہ قطب نما بن گئی جس نے اس کی سمت شمال اور جنوب کی طرف پھیر دی۔

روحانی کائنات کا قطب نما گنبد خضرا کا مکین ہے:- مادیت زدہ لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کا دل عام سوئی کی طرح ہے۔ جو کسی روحانی قطب نما سے منسلک نہ ہونے کے باعث اُس نور سے محروم ہے جس کے بارے میں قرآن نے (لا شرقیہ و لا غربیہ) کہا کہ اس نور کی حدیں مشرق و مغرب سے ماوراء ہیں۔ روحانی کائنات کا قطب صرف ایک ہے اور وہ ہے ''گنبد خضرا'' زمین کے قطب نما کے دو پول ہیں۔ شمالی و جنوبی، جس کی نسبت سے قطب نما کی سوئی شمالاً و جنوباً رخ اختیار کر لیتی ہے جبکہ فرش سے عرش تک روحانی کائنات کا قطب نما گنبد خضراء کا مکین خاتم النبیین ﷺ ہے جس طرح عام سوئیوں کی نسبت زمین کے قطبین سے ہو جائے تو وہ عام سوئیاں نہیں رہتیں بلکہ خاص ہو جاتی ہیں۔ جو ظاہری واسطہ کے بغیر جہاں بھی ہو خود بخود اپنی سمتیں شمالاً جنوباً درست کر لیتی ہیں۔ بالکل اس طرح ہمارے دل بھی ہیں جن کی سوئیوں کی نسبت گنبد خضراء سے ہو جائے تو پھر وہ عام دل نہیں رہیں گے۔ بلکہ خاص دل بن جائیں گے۔ پھر وہ کسی ظاہری واسطے کے بغیر بغداد ہو یا اجمیر، لاہور ہو یا سہرورد، بھورا شریف ہو یا گولڑہ شریف ان کی سمت چہرہ مصطفیٰ کی طرف ہو جائے گی۔ تو یہ کیونکر ممکن نہ ہوگا کہ گنبد خضرا یا بغداد یا اجمیر اور دیگر روحانی مراکز سے سلسلہ فیض جاری و ساری نہ ہو؟ اگر یہ فیض منقطع ہو گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے دل کی سوئی خراب ہے اور اس کا رابطہ کسی روحانی قطب سے جڑا ہوا نہیں ورنہ یہ فیضان تو ہمیشہ جاری رہنے والا ہے۔ زمین کے دو پول ہیں جبکہ اس کائنات کا ایک ہی پول ہے جو مدینہ منورہ ہے۔ یہ نظام وحدت کی کارفرمائی ہے کہ جس دل کی سوئی مدینہ کے پول سے مربوط ہو گئی وہ کبھی بے سمتی اور بے ربطی کا شکار نہ ہوگا۔ آج بھی تاجدار کائنات خاتم النبیین ﷺ کی مقناطیسی توجہ ہر صاحب ایمان انسان کو وہ سمت (Direction) دے رہی

ہے۔جو زمینی مقناطیس کے دو پول کسی قطب نما کی سوئی کو شمال وجنوب (South and North) کی مخصوص سمت (Direction) دے سکتے ہیں۔

مقناطیس کیسے بنتے ہیں؟ مقناطیس بنانے کا کیا طریقہ ہے؟۔ہم دیکھتے ہیں کہ دو طریقے ہیں جن سے مقناطیس بنائے جاتے ہیں۔

1۔ **الیکٹرک چارج میتھڈ** (Electric Charge Method) اس طریقے کی رو سے لوہے کے ایک ٹکڑے میں سے برقی رو (Electric Current) گزاری جاتی ہے جس کے نتیجے میں جو مقناطیس بنتے ہیں انہیں Electric Charge Magnets برقی چارج مقناطیس کہلاتا ہے یہ مقناطیس اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں جس میں اللہ رب العزت کا قرآنی ارشاد ہیں۔ "اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ" (سورۃ الانعام 52 : 6)

ان بندوں کی یہ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہ صبح وشام اپنے مولا کی یاد میں مست رہتے ہیں اور جب **ان میں سخت مجاہدہ اور تزکیہ کی بجلی گزاری جاتی ہے تو روحانی طور پر چارج ہو جاتے ہیں**۔اس عمل (Process) سے جو مقناطیس (Mangnets) تیار ہوتے ہیں ان میں کسی کو داتا گنج بخشؒ بنا کر لاہور میں، کسی کو غوث الاعظمؒ بنا کر بغداد میں، کسی کو خواجہ معین الدین چشتی بنا کر اجمیر میں اور کسی کو بہاؤ الدین ذکریا بنا کر ملتان میں فیض رسانی کو جاری وساری رکھنے کیلئے مامور کر دیا جاتا ہے۔

2۔ **میگنٹ بنانے کا دوسرا طریقہ سٹروک میتھڈ (Stroke Method) ہے**۔اس کے مطابق ایک لوہے کے ٹکڑے کو مقناطیس کے ساتھ رگڑا جائے تو وہ لوہے کا ٹکڑا بھی مقناطیس کی طرح چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس میں مقناطیسیت (Magnetism) منتقل ہو جاتی ہے۔روحانی دنیا میں دوسرے طریقے میں ایسے لوگ آتے ہیں جو مجاہدہ نفس، اور تزکیہ وتصفیہ کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں اور وہ اس قدر ریاضت نہیں کر سکتے مگر ان کے اندر یہ تڑپ ضرور ہوتی ہے کہ وہ بھی اپنے قلب و باطن کو کثافت ورزائل سے پاک وصاف رکھ کر رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو جائیں۔آیت کریم ہے کہ

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ ۚ (سورۃ الکہف 28 : 18)

میں اُن طالبان حق کا ذکر کیا گیا ہے **جو اللہ والوں کی صحبت** اور معیت اختیار کر کے اپنے اندر حق پرستی اور خدا پرستی کا جوہر پیدا کر لیتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اللہ والوں کو وصال کئے ہوئے صدیاں گزر گئی ہیں کیا وہ اب بھی طالبان حق کو اللہ سے ملا سکتے ہیں۔اسکا جواب اثبات میں ہے۔وہ ایسا کر سکتے ہیں اور یہ بات ہمیں قرآن کی آیت مبارکہ سے معلوم ہوئی ہے۔

اصحاب کہف اور خاص رحمت الٰہی:- قرآن فہمی کے باب میں ربط بین آیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔اس حوالے سے جب ہم سورۃ الکہف کا مطالعہ کر کے آیت قرآنی کا ربط دیکھتے ہیں تو وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُم سے اس سورہ مبارک میں بیان کردہ واقعہ اصحاب کہف اپنی پوری معنویت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔یہ پہلی امت کے وہ اولیاء اللہ ہیں جو اللہ کے دین اور اس کی رضا کے لیے دشمنان دین کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے گھروں سے باہر نکلے اور ایک غار میں پناہ حاصل کر لی اور وہاں بحضور خداوندی دعا گو ہوئے: رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ (سورۃ الکہف 10 : 18)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں اپنی بارگاہ سے خصوصی رحمت عطا فرما۔

ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے باری تعالیٰ نے انہیں اس مژدہ جانفزا سے نوازا کہ تمہارا رب ضرور اپنی رحمت تم تک پھیلا دے گا۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خاص رحمت جس کا ذکر قرآن پاک میں مذکور ہے کیا تھی؟ یہاں قرآن کے سیاق وسباق کو غور سے دیکھا جائے تو اصحاب کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ غار میں تین سو نو سال پڑے رہے۔کھانے پینے سے بے نیاز۔بس قبر کی سی حالت میں وہ غار کھلا نہ ہونے کی وجہ سے سورج کی تپش، گرمی، سردی، آب وہوا کے اثرات سے محفوظ تھی لیکن **اللہ نے خصوصی رحمت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ تین سو نو سال تک ان کے جسموں کو سورج کے چڑھنے اور ڈھلنے سے پیدا ہونے والے اثرات سے محفوظ رکھتا رہا**۔ان کی خاطر سورج اپنا راستہ بدلتا رہا کہ ان کے جسم موسمی تغیرات سے محفوظ وسالم رہیں۔آج کے نام نہاد مفسرین، استفسار کرتے ہیں کہ سورج کا راستہ مقرر ہے، وہ تو اپنا راستہ نہیں بدلتا۔ان سے کوئی پوچھے تو پھر اللہ کی خاص نشانی کیسے ہوئی؟،اور قرآنی ارشاد (ذالک من آیات اللہ) کی وہ کیا توجیہ کرتے ہیں؟ اللہ کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس نے اپنے ولیوں کے لیے تین سو نو سال تک سورج کے طلوع وغروب کے اصول بدل رکھے اور (**ذالک تقدیر العزیز العلیم**) کی رو سے ایک معین نظام فلکیات کو ایک طویل عرصہ تک صرف اس لیے تبدیل کر دیا اور تقدیر بدل کر رکھ دی تا کہ ان ولیوں کو کوئی گزند نہ پہنچے۔اس پورے واقعے کو بیان کر کے اس تناظر میں ایک راستہ بیان کر دیا کہ اگر لوگ میرا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میرے ان مقرب خاص بندوں کے حلقہ بگوش بن جاؤ اور (**واصبر نفسک مع الذین**) کو حرز جان بنالو۔پھر آگے چل کر ارشاد ربانی ہوا۔ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝ (سورۃ الکہف 17 : 18)

ترجمہ: ''اللہ جسے ہدایت دیتا ہے وہی راہ ہدایت پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے تو آپ کسی کو اسکا دوست نہیں پائیں گے''

یہ سب کچھ سمجھانے کے باوجود اگر بات ہماری سمجھ میں نہ آئے تو پھر جان لو کہ ہدایت کی راہ وہی پاتا ہے۔ جسے اللہ ہدایت کی راہ دکھادے اور جو سب کچھ جانتے بوجھتے نہ مانے تو پھر اس کا کوئی ولی و مرشد نہیں اور اسے کوئی رہنما نہیں مل سکے گا۔ خدائے رحمان ورحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحاب کہف کو تھپکی دے کر پر کیف نیند سلادیا اور ان پر عجیب سرشاری ومستی کی کیفیت جاری کردی۔ پھر انہیں ایسے مشاہدہ حق میں مگن کردیا گیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں مذکور ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ وہ اللہ کے نیک بندوں پر اس طرح گزر جائے گا جیسے عصر کی چار رکعتیں ادا کر کے سلام پھیرا ہو جبکہ اور لوگوں پر وہ دن نا قابل بیان کرب واذیت کا حامل ہوگا۔ تو مشاہدہ حق کے استغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اور صدیاں لمحوں میں بدل جاتی ہیں۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کو حکم دیں گے کہ ان طالبان حق کو جن کے پہلو فقط میری رضا کی خاطر نرم وگداز بستروں سے دور رہتے تھے اور ان کی راتیں مصلے پر رکوع وسجود میں سرگرم ہوتی تھیں، میرے دیدار سے شرف یاب کیا جائے اور ان پر سے سب حجابات اٹھا دیئے جائیں۔ پس وہ قیامت کے دن نور کے ٹیلوں پر رونق افروز ہوں گے اور وقت ان پر عصر کی نماز کی طرح گزر جائے گا جب کہ دوسروں کے لیے یہ عرصہ قیامت پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

اصحاب کہف کے حوالے سے قرآن کہتا ہے کہ جب ان پر صدیوں کا عرصہ چند ساعتوں میں گزر گیا اور بیدار ہونے پر انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کتنا عرصہ گزرا ہوگا تو بعض نے کہا (یوما او بعض یوم) یعنی ایک دن یا دن کا کچھ حصہ قرآن کی اس بات سے انکار کیسے ہوسکتا ہے کہ ان پر صدیاں گزر گئیں تھیں مگر ان کے کپڑے میلے نہ ہوئے تھے اور جسموں میں کوئی کمزوری اور نقاہت کے آثار نہ تھے بلکہ ایک گونہ تازگی اور بشاشت تھی جیسے وہ چند گھنٹے نیند کر کے تازہ دم اٹھے ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے کسی ایک ساتھی سے کہا کہ ان پیسوں سے کھانے کی کچھ چیزیں لاؤ دوکاندار ان سکوں کو دیکھ کر انہیں بے یقینی اور حیرت سے تکنے لگا کہ یہ شخص صدیوں پہلے کے سکے لے کر کہاں سے آ گیا؟ اور وہ انہیں قبول کرنے سے انکاری تھا کہ اتنی صدیوں پہلے کے سکے اب نہیں چلتے وہ (اصحاب کہف) کہنے لگا کہ بھئی یہ (سکے) ابھی کل ہی تو ہم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ دکاندار نے کہا کیا بات کرتے ہو یہ صدیوں پہلے کے سکے جانے تم کہاں سے لے کے آئے ہو؟ پھر اس نے اپنے گرد و پیش غور سے دیکھا تو ہر چیز کو بدلا ہوا پایا۔ یہ اہل اللہ (اولیائ) وہ اہل مشاہدہ ہیں کہ جن پر ہزاروں برس بھی بیت گئے غار میں ان کی جسمانی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ **اسی طرح وہ اہل مشاہدہ ہیں جو قبر میں برزخی زندگی گزار رہے ہیں، ہزاروں سال ان پر بیت جائیں گے جیسے کہ وہ لمحے ہوں، یہ کوئی من گھڑت قصہ نہیں قرآن کا بیان کردہ واقعہ ہے۔ جس کی صداقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔**

ذکر اولیاء کرام کا ہو رہا تھا جو مرنے کے بعد مشاہدہ حق کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُس پیغمبر حق خاتم النبیین ﷺ کا تو ذکر ہی کیا جو آئے ہی مردہ انسانوں میں زندگیاں بانٹنے کے لیے تھے یہ اولیاء جنہوں نے اپنی زندگی ذکر وفکر اور یاد الٰہی میں گزار دی مرنے کے بعد یہ کیفیت الٰہی ان کا نصیب ہے اِن اصحاب کہف کے ساتھ ان کا ایک خدمت گزار کتا بھی تھا تین سو نو سال تک یہ کتا بھی غار کے دہانے پر پاؤں پھیلائے ان کی حفاظت پر مامور رہا۔ ان کی نسبت سے قرآن نے اس کتے کا ذکر کیا ہے۔

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ''ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ترجمہ: ''کتے کو یہ مقام ان غارنشین اولیاء حق کی بدولت ملا'' (سورۃ الکھف 18 : 18)

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب وقفے وقفے سے اصحاب کہف دائیں بائیں کروٹ لیتے تو وہ کتا بھی کروٹ لیتا تھا۔ یہ اسی صحبت نشینی کا اثر تھا جس کا ذکر (واصبر نفسک مع الذین) سے ہوا۔ روایات میں ہے کہ اصحاب کہف نے بہت کوشش کی کہ کتا غار سے چلا جائے وہ اسے دھتکارتے تھے لیکن وہ ان کی چوکھٹ پر جم گیا اور تین صدیوں تک فیض رحمت سے بہرہ یاب ہوتا رہا۔

ذات مصطفی خاتم النبیین ﷺ منبع ومصدر فیوضات الٰہی:- آقائے دو جہاں خاتم النبیین ﷺ اپنی رحمت العالمین کی بناء پر اس کائنات آب وگل کے مقناطیس اعظم ہیں جنہیں بارگاہ الوہیت سے فیض الیکٹرک چارج میتھڈ اور سٹروک میتھڈ دونوں ذریعوں سے ملا۔ پوری نسل انسانیت کا محسن وہادی اعظم بنایا جس کے دم قدم سے دنیائے مشرق ومغرب ایک قوم، آئین ودستور قرآن اور حکومت الٰہیہ کے نظام میں پروردی گئی۔ اس فیضان الوہیت کا ذکر ایک حدیث میں ملتا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ایک رات مجھے اللہ نے اپنی شان کے مطابق دیدار عطا کیا اور اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ یوں کہ اس کی بدولت میں نے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس کی پھر اس کے بعد میرے سامنے سارے پردے اٹھا دیئے گئے اور آسمان وزمین کی ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی۔ فیض الوہیت کا یہ عالم تو زمین پر تھا۔ اس فیض کا عالم کیا ہوگا جو (قاب قوسین) کے مقام پر نصیب ہوا اور پھر اس سے آگے (اَوْاَدنیٰ) پر آپ کے درجات کی بلندی کا باعث بنا اور پھر آپ

خاتم النبیین ﷺ کو (ثم دنی فتدلیٰ) کا قرب الوہیت عطا ہوا۔ جس کے بعد زماں و مکاں اور لامکاں کے تمام فاصلے مٹ گئے اور محب و محبوب میں دو کمانوں سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (قابَ قوسین ادنیٰ) کہہ کر مخلوق کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ دیکھو اپنا عقیدہ درست رکھنا، اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور معبودیت اپنی جگہ برحق ہے۔ اور محمد خاتم النبیین ﷺ اتنا قریب ہو کر بھی عبدیت کے مقام پر فائز ہیں۔ یہ

فرق روا رکھنا لازم ہے۔ فیض الوہیت کی ساری حدیں اور انتہائیں آپ خاتم النبیین ﷺ پر تمام ہوائیں جب تمام فیض آپ خاتم النبیین ﷺ کو عطا کر دیئے گئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: من رانی فقد راء الحق ترجمہ: جس نے مجھ کو دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے بارگاہ حق میں (رب ارنی انظر و الیک) کا سوال کیا تھا جس کا جواب (لن ترانی) کی صورت میں دیا گیا روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے دیدار الٰہی کی التجا کئی بار کی تھی۔ ان کی یہ دعا اس وقت تک موخر کر دی گئی جب کہ اُمت مسلمہ کو شب معراج میں پچاس نمازیں دی گئیں اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ آپ خاتم النبیین ﷺ کو بار بار، بارگاہ الوہیت میں پلٹ جانے کے لیے عرض کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ محبوب حقیقی کے جلوؤں کا مظہر اتم ہو کر لوٹتے تو حضرت موسیٰ خاتم النبیین ﷺ آپ کے دیدار فرحت آثار سے شادکام ہوتے۔ یہ فیض عالم لاہوتی کا تھا۔ عالم ناسوتی کے فیض کا یہ عالم تھا کہ ارض و سماء کے سب خزانوں کی کنجیاں آپ خاتم النبیین ﷺ کو تھما دی گئیں اور تمام فیوضات الٰہیہ کے آپ خاتم النبیین ﷺ قاسم بن گئے۔ جس طرح فیضان الوہیت کے قاسم آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں اسی طرح اولیاء فیضان رسالت کے قاسم ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

"اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ" (الانعام 122 : 6)

ترجمہ: "اور کیا وہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے نُور پیدا کیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے"۔

مراد یہ کہ بھلا وہ لوگ جن کے دل مردہ تھے ہم نے ان مردہ دلوں کو زندہ کر کے نُور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر جیسے تمہیں نور نبوت سے زندگی ملی تم اس نُور کو لوگوں میں بانٹا کرو۔ اب اسی (یمشیٔ بہ فی الناس) کا کرشمہ تھا کہ کسی کو غوث الاعظم کی صورت میں بغداد میں یہ ذمہ داری دی۔ کسی کو داتا گنج بخش ہجویریؒ بنا کر لاہور اور کسی کو خواجہ غریب نوازؒ بنا کر اجمیر میں اس نور کو بانٹنے پر لگا دیا اور کوئی اس نور کو سرہند میں تقسیم کرنے پر مامور ہوا۔ وہ دل جو مردہ تھے سب اس نور نے زندہ کر دیئے۔ اب موت کی کیا مجال کہ انہیں مار سکے۔ موت تو صرف ایک ذائقہ ہے اور بقول اقبالؒ:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

ادھر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان بندگان حق کے پاس مت جاؤ یہ کچھ دے نہیں سکتے اور ان کا توسل اختیار کرنا شرک ہے۔ نہیں قطعاً ایسا نہیں جب اللہ نے انہیں نور دے کر فرما دیا۔ (یمشی بہ فی الناس) تو ان کی صحبت اختیار کرنا اور حلقہ بگوشی میں آنا مشیت الٰہی اور حکم ربانی ہے۔

جدید سائنسی دریافت اور نظام برقیات سے ایک تمثیل :- موجودہ سائنسی دنیا سپر الیکٹرو میتھڈ (Super Electro Method) کے نظام سے چل رہی ہے۔ جس کے تحت ایک کوائل (coil) پر اتنی توجہ اور محنت کی جاتی ہے کہ اس کی ساری برقی مزاحمت (Electrical Resistance) ختم کر دی جاتی ہے۔ صوفیاء کی زبان میں اسے تزکیہ کہہ سکتے ہیں جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا: (الاعلیٰ 14: 87) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى "تحقیق وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا"

تزکیہ کیا ہے؟ **برقیات کی اصطلاح میں یہ بجلی چارج کرتے ہوئے تمام تر ممکنہ مزاحمت کو ختم کرنا ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں نفس کو کدورتوں اور رزائل کو اور اس مزاحمت کو دور کرنا جو قرب الٰہی کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔**

جدید سائنس کے حوالے سے کوائل (coil) اس قدر ٹھنڈا کیا جاتا ہے کہ اس کا درجہ حرارت منفی دو سو انہتر) - (269 پر چلا جاتا ہے۔ تو اس طرح جو الیکٹرو میگنٹ (Elector Magnet) حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ کرنٹ اپنے اندر سما سکتا ہے۔ اس کی تمثیل پر صوفیاء، مجاہدہ، محاسبہ نفس کے ذریعے اپنے اندر غصہ حسد و بغض اور غرور و تکبر اور نفس کی کثافتوں کو جو فیض پانے کی راہ میں مانع ہوتی ہیں۔ اس قدر ٹھنڈا کر کے نکال دیتے ہیں کہ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ الاعمران 134 : 3)

ترجمہ: "اور غصہ پینے والے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں" کی تصویر سامنے آنے لگتی ہے۔

تو جس طرح (Superelectro Magnet) مادی کثافتوں کے دور ہونے سے چارج ہوا ہے اور اس سے مادی دنیا میں کرامتیں صادر ہونے لگتی ہیں اس طرح اولیاء کا نفس کثافتوں اور رزائل و کدورت سے پاک ہو کر فیضان الوہیت اور فیضان رسالت کو اپنے اندر جذب کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنا لیتا ہے کہ پھر وہ جدھر نگاہ اٹھاتے ہیں کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اس ماہیت سے اولیاء کے قلب موصل مقناطیس (Conductin Magnet) بن جاتے ہیں۔ پھر جب ان الیکٹرو میگنٹس (Electro Magnet) کو ایک خاص عمل (Process) سے گزارا جاتا ہے تو (Super Conducting) میگنٹس Magnets بن جاتے ہیں اس کو این ایم آر NMR پروسیس یعنی Resonant Nuclear Magnetic) کے پروسیس سے گزارتے ہیں اور مریض کو اس کے سامنے رکھا جاتا ہے تو پھر اسکے اندر تمام چیزیں دیکھیں جا سکتی ہیں۔ گویا مقناطیسیت کی وجہ سے جسم کا پردہ تو قائم ہے مگر scanner کے ذریعے وہ چیزیں جو ننگی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی آشکار کر دی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے تزکیہ و تصفیہ کی راہ اختیار کی ان پر سے بصورت کشف پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ وہ کشف سے توجہ کرتے ہیں تو ہزارہا میل تک ان کی نگاہ کام کرتی ہے اور جو چیزیں ننگی آنکھ پر ظاہر نہیں اِن پر آشکار کر دی جاتی ہیں اور جس طرح مقناطیسی قوت Magnetic Force ایک پروسیس کے ذریعے اس قابل بن جاتی ہے کہ ان سے بجلی پیدا ہونے لگتی ہے جو حرارت اور روشنی پیدا کرنے کا موجب ہے اور پھر جب یہ مکینیکل توانائی (Mechanical Energy) میں منتقل ہوتی ہے تو چیزوں کی ہیت بدلنے لگتی ہے اور وہ جسم جو مردہ ہوتے ہیں حرکت کرنے لگتے ہیں اس کی مثال پلاسٹک کے کھلونے کی طرح ہے جو بیٹری سے چارج کیا جائے تو وہ متحرک ہو جاتا ہے اور اس وقت تک متحرک رہتا ہے جب تک اس کو بیٹری سے چارج ملتا رہتا ہے۔ مادی کائنات میں بیٹری کا نظام مردہ اجسام کو زندگی اور حرکت دیتا ہے۔ اس طرح جب اولیاء کرام کی روحانیت ایک پروسیس سے گزرتی ہے تو جس مردہ دل پر ان کی نظر پڑتی ہے وہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ وہ مردہ لوگ جو صحبت اولیاء سے فیض یاب ہو کر زندہ ہو جاتے ہیں ان کے دل اور روحیں حیات نو سے مستفیض ہو جاتی ہیں اس کی تصدیق قرآن میں بیان کردہ حضرت موسیٰ اور خضر کی ملاقات کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جب ایک مقام مجمع البحرین پر جو حضرت خضر کی قیام گاہ تھی حضرت موسیٰؑ کے ناشتہ دان میں سے مردہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں کود جاتی ہے۔ **یہ واقعہ اس امر کا مظہر ہے کہ وہ مقام جو حضرت خضر جیسے ولی اللہ کا مسکن تھا اس کی آب و ہوا میں یہ تاثیر تھی کہ وہ مردہ اجسام کو وہاں سے حیات نو ملتی تھی۔** اس طرح حضرت داتا گنج بخشؒ کا وجود مسعود حیات بخش اور گنج بخشی کا مظہر ہے اور یہ بات کسی معمولی انسان کی نہیں خواجہ اجمیر جیسے ولی برحق نے کہی تھی۔

گنج بخش فیض عالم مظہر، نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

اب یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے کہ کوئی کس حد تک فیض لے سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ میں بجلی ڈائریکٹ تربیلا ڈیم سے لوں گا تو کیا ایسا ممکن ہے۔ تربیلا ڈیم سے کنکشن کیسے مل سکتا ہے۔ یہ مادی دنیا عالم اسباب ہے۔ جس کے اپنے عوامل اور سلاسل ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ ایک طے شدہ نظام کے مطابق تربیلا سے بجلی پاور ہاؤس سے ٹرانسفارمروں اور وہاں سے مقرر اندازے کے مطابق گھروں میں آتی ہے، ٹرانسفارمر سے کنکشن لینے کے بعد گھروں میں (stablisers) اور فیوز (Fuse) لگا دیتے ہیں تا کہ ہمارے فریج اور دیگر حساس برقی آلات کہیں جل نہ جائیں۔ اس لیے ہمارے گھر کا برقی سسٹم اتنا کمزور ہے کہ زیادہ بجلی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس طرح اللہ رب العزت نے فرش سے عرش تک اس ارض و سماء کا کائنات میں ایک واحد ڈیم بنایا ہے جس سے رحمت کا پانی منتقل ہو کر مختلف دریاؤں اور نہروں میں منتقل ہوتا ہے۔ **وہ رحمت کا ڈیم آقائے نامدار خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس دریائے رحمت پر جو پاور ہاؤس بنائے گئے ہیں ان میں کسی کا نام ابوبکرؓ، کسی کا عمرؓ، کسی کا عثمانؓ اور علیؓ ہے اور فیضان رسالت کو تقسیم کرنے کے لیے اولیاء اللہ کا ایک وسیع و عریض سلسلہ ہے جو بقدر ظرف مخلوق خداوندی کو فیض تقسیم کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔**

چونکہ اولیاء کرام نے سخت، ریاضت اور مجاہدے سے نسبت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو مضبوط سے مضبوط بنا لیا ہے وہ فیض وہاں سے حاصل کرتے ہیں لیکن ہر شخص کا ظرف اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ ڈائریکٹ اس ڈیم سے فیض حاصل کر سکے ان کیلئے (واصبر نفسک) کا درس یہ ہے کہ ان اللہ والوں کی سنگت اختیار کر لیں اور اپنے آپ کو اِن سے پیوستہ اور وابستہ رکھیں تو انہیں کامل ایمان نصیب ہو جائے گا۔

یہ سلاسل طریقت کا نظام من جانب اللہ قائم ہے۔ یہ ایک سلسلہ نور ہے جو تمام عالم انسانیت کو رب لازوال کی رحمت وسیع سے سیراب کر رہا ہے۔ اس سے انکار عقل کا انکار شعور کا انکار اور رب کائنات کی ربوبیت کا انکار ہے۔ (روحانی ڈائجسٹ من وعن)

"جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان ہے"-(حضرت بایزید بسطامیؒ)

بیعت کیا ہے؟

بیعت کے معنی خود کو بیچ دینا، یا کسی کے ہاتھ پر بک جانا۔

بیعت کی اصل:

بیعت کی اصل یہ ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر 400 صحابہ اکرامؓ سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔اس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ فتح۔آیت نمبر 10 میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،

ترجمہ:"بے شک جولوگ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے"

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہیں اس لئے آپ خاتم النبیین ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے۔اس طرح ہم لوگ بالواسطہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے ہی بیعت کی نسبت قائم کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیعت ہونا سنت ہے۔

امام اہل سنت نے ''فتاوی افریقہ'' میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مدلل گفتگو فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: مرشد کی قسمیں ہیں مرشد عام اور مرشد خاص۔

مرشد عام:

کلام ہے یعنی کلام اللہ، کلام رسول، کلام آئمہ شریعت وطریقت، اور کلام علمائے حق۔

عوام کا رہنما (یا مرشد) علمائے حق کا کلام

علمائے حق کا رہنما (یا مرشد) آئمہ کا کلام

آئمہ کرام کا رہنما (یا مرشد) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کا کلام اور

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا رہنما یا مرشد اللہ تعالیٰ کا کلام

فلاح ظاہری اور فلاح باطنی دونوں کے لئے اس مرشد عام کا ہونا ضروری ہے۔جو اس سے جدا ہے بلاشبہ وہ کافر ہے یا گمراہ یا اس کی عبادت برباد اور وہ تباہ۔

مرشد خاص:

یہ کہ بندہ کسی سُنّی صحیح عقیدہ عالم شریعت وطریقت جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے دے۔

اس طرح بیعت کی دو قسمیں ہوئیں،

۱۔بیعت برکت یا بیعت توسل

۲۔بیعت ارادت

۱۔بیعت برکت یا بیعت توسل:

یعنی برکت حاصل کرنے یا وسیلہ پکڑنے کے لئے بیعت ہونا۔آج کل عام بیعت یہی ہیں۔(یہ بھی نیک نیتوں کی بیعت، ورنہ جن لوگوں کی بیعت دنیاوی اغراض کے لئے ہوتی ہے۔(وہ خارج از بحث ہیں) اس مقصد کے لئے جس مرشد کی ضرورت ہوتی ہے اسے شیخ اتصال کہتے ہیں۔

شیخ اتصال:

وہ جو نفس اور شیطانی فریب کاریوں سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت کرنا جانتا ہو، اپنے متوسل پر مکمل شفقت رکھتا ہو،

اس کے عیب پر اسے مطلع کرے، ان کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں انہیں حل کرے۔

یہ بیعت بھی بہت مفید ہوتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے بہت فائدے ہیں۔محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا اور ان سے سلسلہ متصل ہو جانا بڑی

سعادت ہے۔یہ ایک بڑی نعمت ہے کہ ایک انسان ارباب طریقت کے ساتھ ایک سلسلہ میں منسلک ہو جائے۔

خاص خاص غلاموں اور سالکان طریقت سے اس امر میں مشابہت ہو جاتی ہے۔اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہے''۔(سنن ابی داؤد)

حدیث پاک میں ہے (حدیث قدسی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!"وہ (اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے) وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا" ۔(مسند احمد)

کسی شخص نے سیدنا غوث اعظمؒ سے عرض کیا اگر کوئی شخص آپؒ کا نام لیوا ہے''اور اس نے آپؒ کے دست مبارک پر بیعت نہ کی ہو اور نہ خرقہ پہنا ہو تو کیا وہ آپؒ کے مریدوں میں شامل ہوگا؟

آپؒ نے فرمایا!''جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہوگا تو اسے توبہ کی توفیق دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے''

۲۔بیعت ارادت:

بیعت ارادت یہ ہے کہ اپنا ارادہ اور اختیار ختم کر کے خود کو شیخ کامل کے سپرد کر دے، اسے اپنا حاکم، اپنا مالک اور متصرف جانے، اور اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے، کوئی قدم بغیر اس کی مرضی کے نہ رکھے۔اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے یہی سالکین کی بیعت ہے اور یہی مشائخ مرشدین کا مقصود ہے۔یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے اور یہی بیعت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ اکرامؓ سے لی تھی۔سیدنا عبادہ بن صامتؓ انصاری فرماتے ہیں کہ **''ہم نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری، اور ہر خوشی و ناگواری میں آپ خاتم النبیین ﷺ کا حکم سنیں گے۔اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چوں چرا نہ کریں گے''۔**

قرآن پاک سورہ فاطر آیت نمبر 32 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

(ترجمہ): ''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو، تو ان میں کوئی تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور ان میں سے کوئی میانہ چال پر ہے، اور کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا، یہی بڑا فضل ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس اُمت میں تین گروہ ہیں:

۱۔اپنی جان پر ظلم کرنے والے۔

۲۔درمیانی چال چلنے والے جو فرائض اور واجبات کے پابند مگر سنت و مستحبات میں سست ہیں۔

۳۔مقربین بارگاہ الٰہی جو فرائض کی تکمیل کیساتھ نوافل کے بھی پابند ہیں۔

ہر گروہ کے افراد کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ اپنے سے اعلیٰ درجے کی طرف پہنچنے کی کوشش کرتا رہے۔''سبع سنابل شریف'' میں اسی مقام پر ہے کہ مریدی کیا ہے؟ اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور اپنی غلطیوں کی عذرخواہی کرنا، کیونکہ بغیر توبہ کے انسان بے رونق ہے۔اس لئے مریدی بے حد ضروری ہے۔اے دوست تو خود توبہ نہیں کر سکتا تو اپنے نفس کو کسی صاحب توبہ کے سپرد کر دے''۔

تقویٰ ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور وہ انسان کی فلاح یعنی جہنم سے نجات کے لئے بفضل الٰہی تعالیٰ کافی ہے۔پس صحیح العقیدہ مسلمان اگر تقویٰ اختیار کرلیں تو انہیں مرشد خاص کی ضرورت نہیں۔ یعنی تقویٰ تک کی زندگی کے لئے مرشد خاص کا ہونا ضروری نہیں ہے۔مگر مرتبہ احسان، یعنی سلوک، یا راہ ولایت، اعلیٰ درجے میں مطلوب و محبوب ہے، مگر یہ تقویٰ کی طرح فرض عین نہیں ہے۔ورنہ اولیاء کے سوا جو کہ ہر دور میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑوں مسلمان فرض کے چھوڑنے کی وجہ سے معاذ اللہ فساق (گناہ گار) ہوتے۔

اولیاء اکرامؒ نے بھی کبھی اس راہ عام کی دعوت نہیں دی۔کروڑوں میں سے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس راہ کے قابل نہ پایا واپس کر دیا۔فرض سے واپس کرنا کیونکہ ممکن تھا؟ پس ثابت ہوا کہ اس کا ترک (راہ سلوک کا) فلاح کے منافی نہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ،

۱۔ ہر بد مذہب فلاح سے دور ہلاکت میں چور ہے مطلقاً بے پیرا ہے اور ابلیس اس کا پیر ہے۔

۲۔ سنّی صحیح عقیدہ جو راہ سلوک میں نہ پڑا اگر فسق (گناہ) کرے تو فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے اور نہ ہی اس کا پیر شیطان ہے۔

۳۔ یہ اگر تقویٰ اختیار کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشد عام کا مرید بھی ہے۔

غرض یہ کہ صحیح عقیدہ سنّی خاص بیعت نہ کرنے سے (مرشد خاص نہ کرنے سے) بے پیرا نہیں ہوتا اور نہ ہی شیطان کا مرید۔ ہاں اگر گناہ کرے تو فلاح پر نہیں اور اگر متقی ہو تو فلاح پر بھی ہے۔

۴۔ اگر راہ سلوک میں مرشد خاص کے بغیر قدم رکھا، اور راہ کھلی ہی نہیں اور نہ کوئی مرض مثلاً تکبر، خود پسندی۔ خود بینی پیدا ہوا تو اپنی پہلی حالت پر ہے اس میں کوئی تغیر نہ آیا۔ تو شیطان اس کا پیر نہ ہوگا۔ اور وہ متقی بھی تھا تو فلاح پر ہوگا۔

۵۔ اگر یہ مرض پیدا ہوئے (تکبر، خود پسندی، خود بینی وغیرہ) تو وہ فلاح پر نہ رہا اور بحالت انکار فساد عقیدہ شیطان کا مرید بھی بن گیا۔

۶۔ ہاں اگر محض جذب ربّانی کفایت فرمائے تو ہر بلا سے دور ہے، اور اس کے پیر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ کیونکہ جذب ربّانی میں مرشد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہوتے ہیں۔ ولی کامل اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت یہ تحقیق لکھنے کے بعد فرماتے ہیں الحمد اللہ یہ وہ تفصیل ہے کہ ان اوراق کے سوا کہیں نہیں ملے گی۔ بیس برس پہلے یہ سوال ہوا تھا، جس کی تکمیل و تفصیل یہ ہے۔ کہ اس وقت قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائز ہوئی ہے۔ ''الحمدللہ رب العالمین'' اس گفتگو کے اختتام پر حضرت میر عبدالواحد بالگرامیؒ فرماتے ہیں،

کہ اس بیان سے (سورہ المائدہ کی آیت نمبر 35)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥

(ترجمہ): ''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسلیہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ فلاح پاؤ''۔

کے مبارک جملوں کا حسن ترتیب واضح ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ:۔

یہ فلاح امان کی طرف دعوت ہے اس لئے تقویٰ شرط ہے۔ تو پہلے اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ کا حکم فرمایا۔ اب تقویٰ پر قائم ہو کر جو راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہئے تو شیخ کامل کے وسیلے کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے اس س دوسرے مرتبہ میں یعنی مرتبہ احسان یا (راہ سلوک) پر چلنے سے قبل پیر یا مرشد کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ''وابتغو الیہ الوسیلۃ'' اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور جب وسیلہ مل جائے تو پھر اصل مقصود راہ طریقت واحسان کا ذکر فرمایا کہ اس راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ فلاح احسان پاؤ۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس راہ میں فلاح وسیلے پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہاں بے پیرا فلاح نہ پائے گا۔ اور جب فلاح نہ پائے گا تو نقصان اور خسارہ اٹھائے گا۔ اور پھر حزب اللہ (اللہ کا گروہ) کے بجائے (حزب الشیطان) شیطان کے گروہ میں سے ہو جائے گا۔ للہ تعالیٰ سورہ مجادلہ آیت نمبر 19 میں فرماتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥ (ترجمہ): " سنتا ہے شیطان ہی کا گروہ خسارہ اٹھانے والا ہے"۔

پھر آیت نمبر 22 میں فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (ترجمہ): "سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے"۔

اس لئے بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ''جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے''۔

اس کے بعد تقویٰ کی تمام شرائط پر غور کریں کہ کیا ہم نے تقویٰ والی زندگی اختیار کر رکھی ہے؟ یا کر لی ہے؟ اگر ہم تقویٰ والی زندگی گزار رہے ہیں تو فلاح پر ہیں اور یہ فلاح (فلاح تقویٰ) ہماری نجات کے لئے کافی ہے۔ (تقویٰ تک کی زندگی کے لئے مرشد خاص کی ضرورت نہیں ہوتی) اس کے بعد راہ سلوک ہے (مرتبہ احسان) جو کسی کسی کے مجاہدے اور کسی کسی کے نصیب کی بات ہوتی ہے۔

تقویٰ والی زندگی اپنائے بغیر راہ سلوک کی طرف نظر رکھنا، اور راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کی طرف بڑھنا شیطان ہی کا ایک دھوکا ہے۔ اس کا یہ عام دھوکا ہے کہ اب تو تُو کچھ ہو گیا ہے اور آگے بڑھ۔ وہ چاہتا ہے کہ آگے بڑھنے کے دھوکے میں انسان اپنے تقویٰ والی زندگی کے مراحل کو بھول جائے اور شیطان کا دوست بن جائے۔

بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ دنیاوی اغراض ومقاصد اور ذاتی فائدوں کے لئے مرشد تلاش کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، قرآن، ذکر سے دور بس پیر سے تمام فائدوں کے متمنی حضرت غوث پاکؒ ایسے لوگوں کے لئے فرماتے ہیں، ''مخلوق میں دنیا کے لوگوں کی کثرت ہے اور آخرت کے مریدوں کی قلت''۔

مزید فرماتے ہیں، ''اے تقدیر اور کاتب تقدیر سے ناواقف انسان تجھ پر افسوس ہے کیا تو یہ گمان رکھتا ہے کہ اہل دنیا تجھے اس شے کے دینے پر قادر ہے۔ جو تیری تقدیر میں

نہیں، ہرگز نہیں یہ تو شیطان کا (دھوکا) ہے وسوسہ ہے جو تیرے دل و دماغ میں رچ بس گیا ہے"۔

سرکار غوث پاکؒ کی اس بات کو مندرجہ ذیل واقعہ سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ایک مرتبہ حضرت بابا فرید گنج شکرا اپنے تین مرید حضرت نظام الدین اولیاءؒ ، حضرت خواجہ ہانسویؒ، اور حضرت صابر کلیریؒ کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ راستے میں ان کے سامنے سے ان کے ایک مرید یوسف نامی گزرے۔

بابا فریدؒ کے ساتھ ان تینوں مریدوں کو دیکھ کر یوسف نامی مرید نے بابا فریدؒ سے کہا،"میں ایک مدت سے آپؒ کی صحبت میں ہوں لیکن آپؒ نے مجھے نہیں نوازا۔اور ان تینوں کو آپؒ نے خلعت عطا فرمادی، اب یہ ہدیے وصول کرتے ہیں"۔

بابا فریدؒ نے نہایت عاجزی سے جواب دیا،"انسان کے لئے وہی کچھ ہوتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ اس کے لئے لکھ دیتا ہے"۔لیکن میں تو مدت سے آپؒ کی خدمت کررہا ہوں ،یوسف نے فوراً ہی کہا۔بابا فریدؒ نے پھر یوسف کو سمجھاتے ہوئے کہا،"برخوردار میں نے کہا ہے نا کہ انسان کے لئے وہی ہے جو رب نے اس کے لئے رکھ دیا ہے"۔لیکن یوسف نے کچھ کہنا چاہا اسی اثنا میں بابا فریدؒ نے سامنے سے گزرنے والے ایک دس، گیارہ سال کے لڑکے سے کہا"بیٹے سامنے سے مجھے ایک اینٹ لادو میں بیٹھنا چاہتا ہوں"۔

کچھ دن پہلے سامنے ایک دیوار کی مرمت کے سلسلے میں کچھ اینٹیں آئیں تھیں، وہ لڑکا گیا اور بابا فریدؒ کے لئے دو بڑی بڑی اینٹیں اٹھا لایا۔بابا فریدؒ اس پر بیٹھ گئے۔اور لڑکے سے کہا" اب ایک اینٹ نظام الدین اولیاء کے لئے لاؤ"۔وہ لڑکا گیا اور ایک اور اینٹ لے کر آیا اور بابا فریدؒ نے نظام الدین کو اس پر بیٹھنے کو فرمایا۔پھر ایک اینٹ خواجہ ہانسویؒ کے لئے منگوائی، اور اس کے بعد صابر کلیریؒ کے لئے اور بابا صاحب نے دونوں مریدین کو باری باری بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

جب یہ تینوں حضرات بیٹھ گئے، تو بابا فریدؒ نے اس لڑکے سے کہا" اب ایک اینٹ یوسف کے لئے لاؤ"۔وہ لڑکا گیا اینٹوں کے اس ڈھیر پر اس نے کئی مرتبہ نظر ڈالی اور پھر ایک چھوٹا سا ٹکڑا اینٹ کا اٹھا کر بابا فریدؒ کے سامنے رکھ دیا۔بابا فریدؒ نے یوسف کی طرف غور سے دیکھا انداز یہ تھا کہ سمجھ گئے۔اس کے بعد پھر نرمی سے کہا،"میں نے کہا نا کہ انسان کو وہی دیا جاسکتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اس کے لئے رکھ دیا ہے"-(لکھ دیا ہے)

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہو تو بندہ پارسا ہوگا

ایک اور موقع پر غوث پاکؒ دنیا کے طالب مرید کے لئے فرماتے ہیں"اے انسان تو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات اور مال و دولت کی بندگی کررہا ہے"اس بات کی کوشش کر کہ تو کسی فلاح والے کو پائے ،جس کی پیری (رہنمائی) سے تجھے فلاح اور کامیابی مل جائے۔اولیاء اللہ تو فرماتے ہیں جس نے فلاح والے کو نہ دیکھا اس کو فلاح نہیں ملے گی۔لیکن تو اگر فلاح والے کو دیکھتا بھی ہے تو سر کی آنکھوں سے، نہ کہ دل و دماغ کی اور ایمان کی آنکھوں سے۔گویا تیرے پاس ایمان ہی نہیں کہ بصیرت قلبی حاصل کر کے بھلائی کو دیکھ سکے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:(سورہ الحج، آیت نمبر 46)

ترجمہ:" آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ نابینا ہوجاتے ہیں"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلاح والوں کو دیکھ لینا ہر آنکھ کے بس کی بات نہیں ۔

غوث پاکؒ اپنے ایک اور خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں"تو نابینا ہے تقویٰ اختیار کر اور پھر بینائی دینے والا تلاش کر۔تو جاہل ہے اپنے لئے معلوم ڈھونڈ، جب کوئی تجھے مل جائے تو اس کا دامن پکڑ لے۔اور اس کے اقوال اور مشوروں کو قبول کر، اور اس سے سیدھا راستہ پوچھ (جگہ جگہ مارا مارا نہ پھر) پھر جب تو اس کی رہنمائی سے سیدھی راہ پر جا پہنچے تو وہاں جا کر بیٹھ جا (یعنی اس کی صحبت اختیار کر) تاکہ تو اس کو اچھی طرح پہچان لے۔اسی وقت سے ہر گمراہ تیری طرف رجوع کرنے لگے گا۔اور پھر لوگ تجھ سے روحانی غذا حاصل کرنا شروع کردیں گے۔

عاشق، چور، فقیر خداتوں منگدے گھپ اندھیرے
اِک لُٹاوے، اِک لُٹے، اک کہہ دے سب کچھ تیرا

****

بارگاہ رسالت سے فیض اور مرشد کا سایہ

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں بارگاہ رسالت سے ہی عطاء ہوتیں ہیں۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:
(ترجمہ): ''بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے''۔ (بخاری شریف)
کسی نعمت دینے والے کا دوسرے کو نعمت نہ دینا چار وجوہ کی بناء پر ہوتا ہے۔
۱۔ یا تو دینے والے کو اس نعمت پر دسترس نہیں۔
۲۔ یا دے سکتا ہے مگر بخل کی وجہ سے نہیں دیتا۔
۳۔ یا لینے والا اس نعمت کا اہل نہ تھا۔
۴۔ یا وہ اہل تو ہے مگر اس سے بھی زیادہ کوئی اور محبوب ہے اس کے لئے نعمت مخصوص کر رکھی ہے۔
اب دیکھئے تمام کمالات قدرت الٰہی کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرامین ہیں، ہر سخی سے بڑھ کر غنی۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہر فضل و کمالات کے اہل اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی محبوب بھی نہیں ہے۔
بس لازم ہے کہ الوہیت کے سوا تمام تر فضائل، جس قدر نعمتیں اور جس قدر برکتیں ہیں، مولا عزوجل نے سب سے اعلیٰ درجہ کمال پر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو عطا فرمائیں ہیں۔ اس لئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''بے شک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں''۔ (بخاری شریف)
اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ ہیں، اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی طرف وسیلہ مشائخ اکرام ہیں۔ مرید کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ اسے جو کچھ بھی ملے گا، یعنی اسے بارگاہ نبوی خاتم النبیین ﷺ سے جو کچھ بھی ملے گا، اسے اس کے مشائخ طریقت ہی کے وسیلے سے ملے گا۔ اس لئے اسے اپنے شیخ کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا چاہیے۔
حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے،
ترجمہ: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی نسبت کرے یعنی کسی دوسرے کو اپنا باپ بتائے، یا اپنے آقا کے سوا کسی دوسرے کو اپنا آقا بتائے، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت نہ اس کا فرض قبول نہ نفل''۔ (جامع ترمذی)
جو لوگ اپنے شیخ کے ہوتے ہوئے غیر سے ارادت قائم کرتے ہیں، انہیں کیا یہ خوف نہیں کہ کہیں وہ اس حدیث صحیح کی وعید شدید سے حصہ نہ پائیں۔
امام شعرانیؒ ''میزان الشریعۃ الکبریٰ''، میں فرماتے ہیں کہ ''جس طرح مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید لازمی ہے اس طرح مرید کو ایک ہی پیر سے وابستہ رہنا چاہیے۔ مرید کو چاہیے کہ اپنے زمانے کے تمام مشائخ کے ساتھ نیک گمان رکھے۔ لیکن واسطہ صرف اپنے شیخ کے دامن سے رہے۔ تمام کاموں میں اس پر اعتماد رکھے اور اپنا وقت ضائع کرنے سے بچے۔ پھر فرمایا ارادت (مرشد کے ہاتھ پر بک جانا) اہم ترین شرط ہے بیعت میں۔ بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار رہے، لیکن اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں۔''

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیریؒ کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے۔ حضرت خضرؑ ظاہر ہوئے اور کہا" اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں"۔ مرید نے عرض کیا" حضرت یہ ہاتھ تو میں حضرت یحییٰ منیریؒ کے ہاتھ میں دے چکا ہوں، اب دوسرے کو نہیں دوں گا"۔ حضرت خضرؑ غائب ہوئے اور حضرت منیریؒ ظاہر ہوئے اور انہیں نکال لیا۔ اس لیئے ایک ہی کو پکڑو (ادھر اُدھر منہ نہ مارو)۔
''سبع سنابل شریف''، میں ہے کہ ایک شخص کو سزائے موت کا حکم ہوا، جلاد نے تلوار کھینچی۔ یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے، جلاد نے کہا" قبلہ کی طرف منہ کر لو"، بے دھڑک فرمایا" تو اپنا کام کر میں نے قبلے کی طرف ہی منہ کیا ہے"۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ کعبہ جسم کا قبلہ ہے اور شیخ روح کا قبلہ اسی کا نام ارادت ہے۔ اگر صدق عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑ لو تو فیض ضرور ملے گا۔ ورنہ ساری عمر ایک دروازے سے دوسرے دروازے کے چکر لگاتے ہوئے ضائع ہو جائے گی۔ اگر شیخ خالی ہے، تو شیخ کا شیخ تو خالی نہیں اور اگر بالفرض وہ بھی سہی تو حضرت غوث اعظمؒ تو معدن فیض و منبع انوار ہیں۔ ان سے ضرور فیض آئے گا۔ اس لئے کہ وہ فیض حضرت علیؓ سے اور

وہ فیض نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پا رہے ہیں، بس سلسلہ صحیح اور متصل ہونا چاہیۓ۔

اب رہی بات پیر کے سائے کی تو پیر کا سایہ ذکر الٰہی سے بڑھ کر ہے۔ یہ قول شریعت کے عین مطابق ہے۔ دیکھئے ایک آدمی خود ذکر کرتا ہے، اور دوسرا پیر کے زیر سایہ ذکر کرتا ہے پہلا صرف ذکر کا ثواب پائے گا۔ دوسرے کو پیر کی صحبت عالم بنادے گی، اس لئے کہ پیر نہ صرف ذکر کروائے گا بلکہ ذکر کس طرح کرنا ہے؟ ذکر کے آداب کیا ہیں ؟ ذکر کے اوقات خاص کیا ہیں کون ساذکر کرنا ہے ان کے مسائل کیا ہیں؟ پس ان دونوں میں وہی فرق ہوگیا جو عابد اور عالم میں ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ''عالم کی فضیلت عابد پر وہی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر''۔(ترمذی۔ابوداؤد)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے ''ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے''۔(جامع ترمذی،سنن ابن ماجہ)

''مکاشفۃ القلوب'' میں امام غزالی نے حضرت حسن بن علیؓ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ ''جو شخص علمائے ربانی کی محفل میں اکثر جاتا رہتا ہے، اس کی زبان کی رکاوٹ دور ہوجاتی ہے، ذہن کی الجھنیں کھل جاتی ہیں اور وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا علم (علمائے ربانی کا) اس کے لئے (اس شخص کے لئے جو علمائے ربانی کی محفل میں شریک ہوتا ہے) ایک طرح کی ولایت ہوتا ہے جو اسے نفع دیتا ہے پیر و مرشد یا روحانی استاد کے ساتھ ناشکری باپ کے ساتھ نافرمانی کے برابر ہے''۔

خلیفہ ہارون رشید نے مامون رشید کی تعلیم کے لئے امام کسائیؒ (جو امام محمدؒ کے خالہ زاد بھائی ہیں) سے عرض کیا کہ ''شہزادہ آپ کے مکان پر آجایا کرے مگر اس کا سبق پہلے ہو امام کسائیؒ نے فوراً کہا ''یہ ناممکن ہے جو پہلے آئے گا اس کا سبق پہلے ہوگا'' خلیفہ ہارون رشید نے کہا آپ ٹھیک فرمار ہے ہیں۔ پھر ایک روز اتفاقاً خلیفہ ہارون رشید کا گزر امام کسائیؒ کی درس گاہ کی طرف ہوا، دیکھا کہ امام کسائیؒ اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور مامون رشید پانی ڈال رہا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے غصے میں مامون رشید کو ایک کوڑا مارا اور کہا ''بے ادب اللہ تعالیٰ نے دو ہاتھ کس لئے دیئے ہیں ایک ہاتھ سے پانی ڈال اور دوسرے سے استاد کے پاؤں دھو''۔

یہ ہے ادب ایسے طالب علم اپنے مرشد یا استاد سے کچھ پاتے ہیں۔ طالب یا مرید کو یہ یقین ہونا چاہیۓ، کہ بارگاہ رسالت سے اسے جو بھی فیض ملے گا، وہ اس کو اس کے شیخ کے وسیلے سے ہی ملے گا۔

****

مُصنِّفہ کی تمام کُتُب

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِحبُوبِ ربُّ العٰلمین	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُحسِنِ اِنسانیت (۱،۲)	مقصدِ حیات	عبدیّت کا سفر ابدیّت کے حصُول تک
تعلُّق مع اللہ	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علُوم	راہِ نجات	فلاح
اہلِ بیت اور خاندانِ بنُو اُمَیّہ	ثواب وعتاب	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۱)	تُو ہی مُجھے مِل جائے (جِلد۔۲)
مختصر تذکرہ صحابہ کرامؓ مختصر تذکرہ انبیاء کرامؑ	اولیاءکرامؒ	کتاب الصلوٰۃ وَ اوقاتُ الصّلوٰۃ	عشرہ مُبشرہؓ اور آئمہ اربعہؒ
حیاتِ طیّبہ	آگہی	اِسلام عالمگیر دِین	عقائد واِیمان
دِینِ اِسلام (بچّوں کےلئے)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۱)	تصوُّف یا رُوحانیت (جِلد۔۲)

www.jamaat-aysha.com